تحقیق سیّد و سادات

قرآن، حدیث، تاریخ و انساب کی روشنی میں

محمود احمد عباسی

ناشر مکتبہ محمود ۱/۲۶ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی

نام کتاب :- تحقیق سیّد و سادات (قرآن، حدیث تاریخ و انساب کی روشنی میں)

مولف :- محمود احمد عباسی۔ کاشانۂ محمود۔ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی۔

ناشر :- مکتبۂ محمود ۱/۳ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی۔

طابع :- ایجوکیشنل پریس۔ کچہری روڈ۔ کراچی۔

کتابت :- عبدالمقتدر خوشنویس علیسری۔ کراچی۔

تعداد طبع اوّل :- ایک ہزار۔

قیمت مجلّد :-

فہرس مضامین وعناوین کتاب تحقیق سید و سادات

باسمہ تعالٰے

پیش لفظ

از قلم علامہ تمنّا عمادی زید مجدہ مقیم ڈھاکہ

خالق کائنات تبارک وتعالےٰ نے دو طرح کے مخلوق پیدا کئے، ذوی العقول اور غیر ذوی العقول۔ غیر ذوی العقول میں ذی روح اور غیر ذی روح۔ ذی روح میں صرف روح نباتی والے نباتات ہیں، اور جو روح حیوانی بھی رکھتے ہیں وہ حیوانات ہیں، اور جو روح نباتی بھی نہیں رکھتے وہ جمادات ہیں۔ جمادات میں بھی اعلیٰ و ادنیٰ پیدا کئے ہیں مثلاً جواہرات اور سونا، چاندی وغیرہ بھی ہیں اور معمولی پتھر اور لوہے بھی۔ اسی طرح حیوانوں کی بھی ہر نوع میں آپ کو اعلیٰ و ادنیٰ ملیں گے چاہے وہ ملکی تفریق کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے۔ عرب کے گھوڑے چین کے ہرن مشہور ہیں۔ جس کو جو فضل و شرف ملا ہے فطرت کی طرف سے ملا ہے اس لئے کہ ان میں سے کسی کو بھی کسب و سعی سے شرف حاصل کرنے کی کوئی ایسی صلاحیت نہیں دی گئی کہ خود اس کو حاصل کر سکے۔ کوئی انسان کسی اچھے پتھر کو خراد کر اور آب دیکر قیمتی بنالے کسی درخت کو سینچ کر یا قلم لگا کر اس کو اس کے دوسرے ہم نوع سے ممتاز کردے کسی جانور کو کچھ تعلیم دیکر کوئی خصوصیت اس میں پیدا کردے تو یہ انسان کا فعل ہے ان چیزوں کی اس سے زیادہ کوئی خوبی نہیں کہ ان چیزوں نے انسان کے عمل کو قبول کرلیا۔

ذوی العقول میں جن و انس دونوں ہیں قوم جن کے حالات ہمیں معلوم نہیں مگر اتنا معلوم ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح مامور و مکلّف ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ = (جن و انس دونوں اللہ تعالیٰ و تبارک کی عبادت ہی کے لئے پیدا کئے ہیں) ابلیس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ قوم جن سے تھا كَانَ مِنَ الْجِنِّ (الکہف) انسانوں کی طرح شاید ان میں بھی نسبی فرق و امتیاز ہو انسانوں میں یہ فرق و امتیاز نسبی ہی نہیں آب و ہوا کی وجہ سے بھی ہیں بعض ملکوں کے لوگ قوی و تنومند قد آور ہوتے ہیں بعض جگہ کے پستہ قد اور کمزور، بعض گورے ہوتے ہیں بعض کالے۔ اسی طرح ہر طبقے میں بعضے حسین وجمیل ہوتے ہیں بعضے بد صورت، بعضے خوش گلو ہوتے ہیں بعضے بد گلو۔ بعضے ذہین و قوی الحافظہ ہوتے ہیں بعضے غبی و ضعیف الحافظہ۔ غرض اس طرح کی جتنی خوبیاں بھی جس میں ہیں وہ اس کو فطرت سے ملی ہیں انسان کو جو شرف اس کی نباتی حیثیت سے حاصل ہے مثلاً قد آور ہونا یا حیوانی حیثیت سے حاصل ہے مثلاً نسلی امتیاز یہ اس کی غیر اختیاری خوبیاں ہیں ان کے حاصل کرنے میں اس نے خود کوئی سعی و عمل نہیں کی ہے حیوانوں میں بھی اچھی نسل کے گھوڑے اچھی نسل کے مرغ وغیرہ بری نسل والوں پر ضرور شرف رکھتے ہیں مگر انسانوں کے لئے عقل کی بدولت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔ دنیاوی حیثیت بھی اور دینی حیثیت سے بھی۔ صرف بدرم سلطان

ہو دکا نعرہ کسی شاہزادے کے لئے جو اس وقت بھیک مانگتا پھرتا ہو باعث فضل وشرف نہیں ہو سکتا کوئی نبی زادہ چوری کرے تو وہ صرف نبی زادگی کی بدولت سزا سے بچ نہیں سکتا نہ دنیاوی قانون کی رو سے نہ شرعی قانون کی رو سے۔ دنیا والے بھی علم و ہنر دیکھتے ہیں ایک بھنگی کا لڑکا اگر علم و فضل حاصل کرلے تو وہ ایک جاہل نبی زادے اور جاہل شاہزادے سے ضرور افضل سمجھا جائیگا۔ ایک پی۔ ایچ۔ ڈی بھنگی وزارت کی کرسی پر متمکن ہو سکتا ہے مگر ایک جاہل نبی زادہ یا شاہزادہ دربانی سے زیادہ کوئی عہدہ نہیں پا سکتا۔

دینی حیثیت کو اللہ تعالےٰ نے خود فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے وہی زیادہ بزرگ قرار پائے گا جو تم میں زیادہ متقی ہوگا اس لئے آخرت کی زندگی میں ایک بھنگی اگر مومن صالح اور متقی ہو تو غیر متقی نبی زادے اور غیر متقی شاہزادے سے زیادہ عنداللہ مکرم و محترم ثابت ہوگا۔

غرض نسبی شرافت پر ناز کرنے والے درحقیقت ابلیس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اس نے بھی اپنی تخلیقی نسبت پر فخر کرکے کہا تھا کہ تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے مجھکو آگ سے اس لئے انا خیر منہ میں اس سے اچھا ہوں اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نبی کی اولاد میں ہیں یا نبی کے خاندان کے ہیں جو لوگ ہمارے ہم نسب نہیں ہیں ان سے ہم اچھے ہیں ان سے اعلیٰ و افضل ہیں مگر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں۔

ع:۔ بندگی باید پیمبر زادگی منظور نیست

نسب کی حیثیت سہاگہ کی ہے۔ ایمان صحیح و حسن عمل اصل سونا ہے نسبی شرافت اگر ایمان صحیح و حسن عمل کے ساتھ ہو تو سونے پر سہاگہ ہے جس کے پاس ایمان صحیح و حسن عمل تو ہے مگر نسبی شرافت نہیں ہے تو اس کے پاس سونا تو ہے سہاگہ نہ ہوا نہ ہو مگر جس کے پاس ایمان صحیح و حسن عمل نہیں وہ اگر نبی زادہ بھی ہو تو صرف سہاگہ رکھکر اس پر کیا ناز کرسکتا ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی نسلی نسبت کو نہ ذریعہ نجات بتایا ہے نہ عنداللہ موجب عزت و شرف۔ سارا فضل و شرف اور ساری عزت و کرامت ایمان صحیح و عمل صالح ہی پر موقوف ہے۔ ع:۔

کاندریں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

تمنا عمادی غفرلہ

آغاز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۝

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانبیا)

(اے رسول) ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر جہانوں کے لیے رحمت

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف)

(اے رسول) کہہ دو اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف

وَکَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (البقرہ)

اور سب انسان ایک ہی اُمت میں۔

خالق ارض و سما نے ختم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کو اور سب نبیوں اور رسولوں میں جن کی دعوت ان ہی کی قوم و ملک کے لئے تھی ممتاز کر کے کل نوعِ بشر کی ہدایت و رہنمائی کے لئے چھٹی صدی عیسوی کے اس زمانہ میں مبعوث فرمایا جب ظلم و استبداد، شرک والحاد فسق و فجور اور طرح طرح کی بدکاریوں نسل و رنگ و قبائلی عصبیتوں کی تاریکیوں نے دنیائے انسانیت کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا خشکی و تری پر انسانوں کے ہاتھوں فساد پھیل چکا تھا۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ پھر جس خطۂ ارض کو آپ کے ظہور قدسی کی سعادت نصیب ہوئی اس کے باشندوں کی حالت اور بھی بدتر تھی ان کی روزمرہ کی زندگیوں میں وحشت و بربریت سرایت کئے ہوئے تھی۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ایک خاندان دوسرے خاندان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر خون کی ندیاں بہہ جاتیں انتقام کی آگ نسلاً بعد نسلٍ وراثتاً سلگتی رہتی احساس برتری اور غرور نسل و نسب کا جذبہ ہر چھوٹے بڑے پر چھایا ہوا تھا نخوت و غرور

نسب کا یہ عالم کہ جسے اپنے برابر کا نہ سمجھتے اس سے تیغ آزمائی بھی موجب عار جانتے۔ غزوۂ بدر کا مشہور واقعہ ہے مشرکین قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ نے انصاری غازیان اسلام سے لڑنے سے یہ کہکر انکار کر دیا تھا کہ تیغ آزمائی ہم کریں گے تو اپنے ہم قوم قریشیوں سے کریں گے تم سے نہیں۔ مالنا بکم من حاجۃ انما نرید قومنا ؎

تم سے لڑنا تو ہمارے لیے ہے مایۂ عار
کہ نہیں تیغ قریشی کے سزاوار یہ سر

کہکے یہ اس نے کہا سرور عالم سے خطاب
اے محمد! یہ نہیں شیوۂ ارباب ہنر

جنگ ناجنس سے معذور ہیں ہم آل قریش
بھیج ان کو جو ہیں رتبہ میں ہمارے ہمسر

آپ کے حکم سے قریشی مجاہدین میں سے جب حضرت حمزہؓ و علیؓ و عبیدہؓ بن الحارث نے آگے بڑھ کے ہنر آزمائی کی اس مغرور قریشی سردار مشرکین اور اس کے ساتھیوں کی نخوت جاہلیہ و تفاخر نسل و نسب کا چند ہی منٹ میں تمن ان کا بہہ کر خاتمہ ہو گیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے دوسرے سال کے اواخر کا ہے یہی قریش اور حجازی باشندے تھے کہ چند ہی سال کے اندر اسلام کے بنیادی معتقدات توحید اور وحدت مساوات انسانی کی تعلیمات کی برکت سے قبائلی عصبیت نسلی برتری نخوت و تفاخر نسب کے پرستاروں کی کایا پلٹ گئی ؎

یا یہ حالت کہ تلوار بھی تھی طالب کفو
یا مساوات کا اسلام کے پھیلا یہ اثر

کہ حضرت بلالؓ نے جو نسلاً حبشی بھی تھے غلام بھی رہ چکے تھے اور تہیدست بھی تھے
جب اپنا نکاح آنحضرت صلعم کے حکم سے قریشیوں میں کرنا چاہا ؎

گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادے کی اٹھتی تھی نظر

نسلی غرور و تفاخر کے متوالے قریشیوں کی طبیعت و ذہنیت میں یہ انقلاب عظیم کہ ایک [illegible]

[illegible]

بھی [illegible]

[illegible] حقیقت کبریٰ کے دلوں میں جاگزیں

[illegible]

نفس ہیں وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ۔ پیغمبر خدا نے مواعظ حسنہ خطبات عالیہ میں بار بار ارشاد فرمایا کہ معیار عزت و تکریم حسن کردار عمل صالح ہے نہ امتیاز رنگ ونسل ونسب۔ ہر انسان محض انسان ہونے کی حیثیت سے شرف انسانیت کا مستحق ہے خواہ تمدنی و معاشرتی واقتصادی اعتبار سے کمتر ہو وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ فرمایا گیا ہے یعنی پیدائش کے اعتبار سے ہر بنی آدم عزت کا مستحق ہے کَرَّمْنَا بنی ہاشم یا بنی قریش نہیں کہا گیا۔ معاشرتی و اقتصادی اعتبار سے یہ قریشی گھرانے جنہیں نبی کریم کی ولادت باسعادت کا شرف حاصل ہوا زمانہ قبل اسلام سے یک گونہ امتیازی حیثیت رکھتے تھے لیکن رسول کی رسالت و نبوت نہ قریشیوں اور ہاشمیوں سے مخصوص تھی اور نہ آپ کا خطاب کسی خاص خطۂ زمین کے لوگوں سے تھا مخاطبت تو يَا أَيُّهَا النَّاسُ الفاظ میں کل نوع بشر سے تھی اور پروردگار عالم نے بھی آپ ہی سے یہ اعلان عام بھی کرا دیا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا یعنی اے رسول کہدیجئے کہ اے انسانو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف چنانچہ قانون الٰہی کی جو مقدس اور بے نظیر کتاب آپ پر نازل ہوئی اسے تمام عالم کے لئے نصیحت فرمایا گیا۔ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ۔ بعثت عامہ کی بنا پر آپ نے روم و مصر و حبشہ و فارس وغیرہ کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی اور قاصدوں کے ذریعہ فرامین نبوت بھیجے پھر آپ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے:۔

كان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى الناس عامة	(مجھ سے پہلے) نبی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا مگر میں عام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

غرضیکہ آپ کی رسالت جب كَافَّةً لِّلنَّاسِ یعنی کل نوع انسان کے لئے تھی جیسا ارشاد باریتعالےٰ ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ تو کسی خاص قوم و خاندان کے نسلی امتیاز و سیادت کا موجب کیسے ہو سکتی ہے خصوصاً اس حقیقت کے اعتبار سے کہ آپ کے صلب مطہر سے نسل نہیں چلی خالق اکبر نے اس حقیقت کی یوں وضاحت کی ہے وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (اور محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک مرد کے بھی باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)

اِس آیت شریفہ نے حتمی طور سے فیصلہ کر دیا کہ سید الوجود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نسل اور خاندان کی نسبت سے نہیں بلکہ اسی منصب جلیل کی حیثیت سے" تا قیام قیامت دیکھا اور سمجھا جائیگا جس کے لئے آپ کو خلق فرمایا گیا یعنی اللہ کے آخری رسول اور اشرف الانبیا کی حیثیت سے آپ کسی ایک مرد کے نہیں بلکہ کل اُمت کے روحانی باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات کل اُمت کی مائیں ہیں وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ آپ کی بعثت عامہ کا قانون قرآن مجید ہے جس کا فیض عام ہے کسی خاندان سے مخصوص نہیں۔

علامہ اقبالؒ نے ایک موقع پر نبوت محمدیہ کی غایت الغایات کے بارے میں کہا تھا:۔

"نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس الٰہی قانون کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا با لفاظ دیگر یوں کہیئے کہ بنی نوع انسان کو باوجود شعوب وقبائل اور الوان والسنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے انھیں تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے جو زمان، مکان، قوم، نسل، نسب وملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں"

(اقتباس مکتوب بنام مولانا ندوی مرحوم)

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد ہی جو سیاسی وثیقہ شہر کے سب باشندوں کے مابین مرتب کرایا تھا اس میں اوس وخزرج انصاری قبیلوں اور قریشی اور دوسرے مہاجرین کے ساتھ یہودیان مدینہ کو حقوق و ذمہ داریوں میں برابر کا شریک کرتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ اِن یہود بنی عوف اُمۃ مع المومنین بیر صراحتاً کہا گیا کہ یہود اپنے دینی معاملات میں آزاد ہیں اور مسلمان اپنے دینی معاملات میں۔ للیہود دینھم وللمسلمین دینھم۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کی ابتدا فرمانے سے بلا امتیاز رنگ ونسل وبلا اختلاف قوم وقبیلہ اسلامی معاشرہ متشکل ہوا پھر آپ کے شاگرد صحابہ تھے جو تفاخر نسبی ونسلی کی آلودگیوں سے منزہ ہو کر زبانِ حال سے کہتے تھے ؎

فنحن بنو الاسلام واللہ واحد — واولیٰ عبادُ اللہ باللہ من شکر

ہم اسلام کے فرزند ہیں اور خدا ایک ہے — اللہ کے بندوں میں اولیٰ وہی ہے جو اللہ کا شکر گذار ہے

ان صحابہ نے اپنی باری میں دوسری اقوام کو بھی ان آلودگیوں سے پاک کیا۔ عہد صدیقی وفاروقی وعثمانی کے مبارک زمانوں میں یہ حجازی قریشی اور دوسرے صحرانشینان عرب توحید کے علمبردار اور وحدت و مساوات انسانی کے پرجوش مبلغین کی حیثیت سے ملک شام وروم ومصر وحبش وفارس وغیرہ پہنچے بفحوائے آیت شریفہ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔ دین اسلام کی حیات بخش برکتوں سے ان قدیم اقوام کے فرسودہ تہذیب وتمدن میں شرف انسانیت کی نئی روح پھونک دی ہے

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار

آج کا انسانی شعور جو رنگ ونسل کے محدود نظریوں سے بلند ہو رہا ہے اور یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ کرۂ ارض کے بسنے والے سب انسانوں کا ایک ہی معاشرہ، ایک ہی معاشی نظام اور ایک ہی ضابطۂ حیات واخلاق ہونا چاہیئے اسلامی نظریہ وحدت و مساوات انسانی کی اس میں صاف جھلک نظر آتی ہے مگر وہ جو مثل مشہور ہے "ہر کنا لے راز والے" یہی عرب جنھوں نے وحدت ومساوات کا سبق دنیا کو سکھایا تھا، تھوڑے ہی عرصہ بعد سیاسی منافقت میں ایسے مبتلا ہوئے کہ رفتہ رفتہ عصبیت جاہلیہ کی گھنگھور گھٹائیں ان پر اپنی چھائیں کہ خانہ جنگیوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں سچ ہے وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (اور یہ دن کہ ان کو باری باری لوگوں میں ہم بدلتے رہتے ہیں) عرب طبعاً سریع الغضب ہوتے ہیں اور جب معاملہ ذاتی عزو شرف اور خاندان وقبیلہ کی حرمت وعزت کا ہو جلد مشتعل ہو کر تلوار سے فیصلہ کرنے پر تل جاتے تھے۔ اسرع الی السیف واحتکم الیہ۔ عہد رسالت ہی کا واقعہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر کسی مہاجر نے کسی انصاری کی پیٹھ کو اتفاقاً دھکا لگا دیا تھا اس بنا پر لڑائی ہو پڑی دونوں اپنی اپنی قوم کو پکارنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی آپ نے قبائلی عصبیت کے اس مظاہرہ کی شدید مذمت فرمائی صحیح مسلم کی روایت میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے جو کوئی قومی وخاندانی عصبیت سے جدال وقتال کرے اور مارا جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ معلوم ہے انصاری اوس وخزرج قبائل کے تھے جو عربوں کی قحطانی یعنی یمنی شاخ سے تھے اور مہاجر قریشی عدنانی شاخ سے ان دونوں شاخوں قحطانی وعدنانی میں حریفانہ چشمک شروع

ہی سے چلی آتی تھی۔ یہی کیفیت ان متعدد قبیلوں کی تھی جو ان دونوں شاخوں سے متفرع ہوئے مثلاً قحطانیوں میں بنو کلب و تنوخ و لازد جو علاقہ شام میں آباد تھے لخم و ہمدان و کندہ و نخع وغیرہ عراق میں تھے ان کے آپس میں چلتی رہتی تھی عدنانیوں میں دو بڑے قبیلے ربیعہ و مضر ایک دوسرے کے حریف تھے خود ربیعہ کے بکر و تغلب میں نصف صدی تک لڑائی ٹھنی رہی کہتے ہیں پچاس برس میں ستر ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ مضر کی نسل میں تمیم و کنانہ وغیرہ تھے قریش کنانہ ہی کی نسل تھے۔ رحمت عالمین کا معجزہ تھا کہ قبائلی عصبیت کو عصبیت اسلامیہ میں تبدیل کر کے تمام مسلمانوں کو واحد قبیلہ میں متحد و منسلک کر دیا مگر بعض وقت پشتینی مخالفتوں کی دبی چنگاریاں ہوا لگ کر بھڑک اٹھتیں۔ نبی صلعم کے بعض خطبات کے الفاظ سے مترشح ہے کہ آپ کو عربوں کی جبلت سے اندیشہ تھا کہ مبادا خانہ جنگیوں میں پھر مبتلا ہوں۔ مشہور صحابی عقبہ بن عامرؓ الجہنی کی روایت سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ خطبہ میں صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تمہارے بارے میں مجھے یہ اندیشہ تو نہیں کہ شرک میں مبتلا ہو گے مگر اندیشہ یہ ہے کہ تم دنیوی معاملات میں لڑنے جھگڑنے لگو گے حجۃ الوداع کے یادگار عالم موقع پر کہ اس کے چند ہفتے بعد آپ دنیا سے تشریف لے جانے والے تھے۔ اُمت کو وداعی پیغام سنا رہے تھے نصیحتیں اور وصیتیں کر رہے تھے اسی بات کو بلیغ الفاظ میں لوگوں کو ذہن نشین کراتے ہوئے فرمایا تھا "خبردار! میرے بعد تم کافروں کا سا عمل نہ کرنے لگنا لاترجعوا بعدی کفاراً کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو؟ آپ کی رحلت فرمائی کے پچیس تیس برس بعد ہی آپ کے محبوب منجھلے داماد حضرت عثمان ذی النورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے سلسلے میں جس میں کہ عراق کے قحطانی قبیلہ نخع کے الاشتر اور اس کے ساتھی مفسدین کا زیادہ ہاتھ تھا جو خانہ جنگیاں جمل و صفین و نہروان کی پیش آئیں تقریباً اسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا ہو گئے یہ تعداد بکر و تغلب کی پچاس سالہ مدت کی لڑائی کے مقتولین کی تعداد سے زیادہ ہے جس کا مظاہرہ علوی لشکریوں نے جن میں قحطانیوں کے مختلف قبائل کے لوگوں کی تعداد بیشتر تھی۔ تین چار سال کی قلیل مدت میں مضریین سے لڑ کر کیا تھا۔ اس فضا میں اپنے قبیلے کی نسبی برتری اور دوسروں پر طعن بھی لوگ کرتے تھے کسی شاعر نے صاف کہہ دیا تھا ؎

لیلحقه بذی الحسب الصمیم	دعی القوم ینصر مدعیه
تاکہ اس کو صحیح النسب والوں سے چپکا دے	یہ قوم کا جھوٹا مدعی اس قوم کے دوسرے مدعی کا ساتھ دیتا ہے

ابی الاسلام لا اب لی سواہ　　اذا افتخروا بقیس او تمیم

گر میرا باپ تو اسلام ہے اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔　　جبکہ دوسرے لوگ قیسی اور تمیمی ہونے پر فخر کریں۔

نہج البلاغۃ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید ہی کا قول ہے کہ آخر عہد علوی میں کوفہ کے مختلف قبیلوں تمیم و ربیعہ و کندہ و نخع وغیرہ کی عصبیت و حمیت جاہلیہ کی یہ کیفیت تھی کہ معمولی سا جھگڑا دو قبیلوں کے افراد میں ہو پڑتا حمایت کیلئے اپنے اپنے قبیلہ کی دہائی پکارتے لوگ دوڑ پڑتے تلواریں سونت لیتے اور فتنہ پھیل جاتا فتسل السیوف وتثور الفتنۃ (جزو۳) اللہ تعالے کو مسلمانوں کی بہتری منظور تھی کہ ایسے نازک اور پر آشوب زمانہ میں مدبر اعظم امیر معاویہؓ کی سیادت و قیادت پر کل امت خوش دلی سے متفق ہو گئی نام ہی اس سال کا "عام الجماعت" رکھا گیا یعنی امت کے اتحاد و اتفاق کا سال ان کے بیس سالہ عہد خلافت میں امت کا یہ اتحاد و ائتلاف برابر قائم رہا۔ امیر المومنین کے حلیمانہ و مشفقانہ حکمت عملی و تدبر سے عصبیت جاہلیہ کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا کوفیوں نے البتہ ان کی وفات کے بعد انقلاب حکومت کے مقصد سے حضرت حسینؓ کو فریب دیا سانحہ کربلا کے بعد باغیانہ شورش کچھ عرصہ ہوتی رہیں بالآخر امیر المومنین عبدالملکؒ نے اپنے زمانہ میں بغاوتوں کا استیصال کر کے قومی قافلے کو جادۂ ترقی پر کچھ گامزن کر دیا۔ ان کے نامور فرزندوں کا عہد تو بلا شک و شبہ اسلامی تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ امت مسلمہ کو اس زریں عہد میں اقوام عالم پر غلبہ و تفوق حاصل ہوا۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی بشارت پوری ہوئی۔ امیر المومنین الولیدؒ کے مبارک عہد میں تو گویا جنت ارضی کا سماں تھا۔ قصہ آدمؑ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى (یہ قرار دیا ہے تیرے لئے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں نہ ننگا) یہی حالت عوامی آسودگی کی عہد ولیدی میں تھی اور یہی منشائے شریعت بھی ہے بقول علامہ اقبالؒ ؎

کس نگردد در جہاں محتاج کس　　نکتۂ شرع مبین این ست و بس

یہ زمانہ چونکہ فتوحات عظیمہ کا تھا عسکری و انتظامی کل مناصب پر صرف عرب ہی فائز تھے غیر عرب قومیں جو اسلام میں داخل ہوئیں۔ ایک صدی کے اندر انھوں نے اپنی عددی قوت

علمی قابلیت ذہانت اور دیگر اوصاف کی بدولت اسلامی معاشرے میں یوں تو اچھا درجہ حاصل کر لیا تھا مگر مناصب حکومت سے محرومی کی بنا پر عام ناراضی دیکھنے میں آئی جو پھیل گئی تھی جو محرک ہوئی عربوں کے خلاف شعوبیہ تحریک کے قائم ہونے کی کیونکہ اس وقت عربوں کی شان بیرونی حاکموں کی سی تھی اور غیر عرب رعایا کی محکوموں کی سی۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسی عرب و غیر عرب چپقلش میں قومی و نسلی امتیاز کی باتیں پھر شروع ہوئیں متعدد اقوال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عربوں اور قریش کی فضیلت میں منسوب کیے گئے۔ مثلاً مَن غشّ العرب لم یدخل فی شفاعتی ولم تنله مودتی (ترمذی) جو عرب سے نفرت و دشمنی کرے وہ میری شفاعت میں داخل نہ ہوگا اور نہ میری دوستی کا شرف اسے ملے گا نیز یہ کہ محبت قریش کی ایمان ہے ان سے بغض کفر ہے محبت عرب کی ایمان ہے ان سے بغض کفر ہے (الطبرانی) مَن اھان قریشاً اھانہ اللّٰہ (مسند احمد) جو قریش کی توہین کرے اللہ اس کو ذلیل و خوار کرے۔ عرب و غیر عرب کے قضیہ کے علاوہ اس زمانے میں عربوں ہی کے دو عدنانی قبیلوں ربیعہ و مضر کی باہمی عداوت نے ایسی شدت اختیار کر لی تھی کہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے ان واقعات نے اموی خلافت کی بنیادیں متزلزل کر دیں یہی زمانہ عباسی تحریک کے لئے جو بیس پچیس برس پہلے سے ممالک مشرقیہ خراسان وغیرہ میں جاری تھی بڑا ساز گار رہا کیونکہ اس تحریک کا مقصد ایسے نظام حکومت کو بروئے کار لانا تھا جس میں عرب و غیر عرب کا کوئی امتیاز نہ ہو حکومت کے عہدے اور منصب سب کے لیے یکساں کھلے رہیں اہلیت و قابلیت شرط ہو نہ قوم و نسل و نسب کا پاس و لحاظ عباسی مبلغین نے جو نقیب آل محمدؐ کہلاتے تھے ہاشمیوں کی نسبی برتری آل محمد و اہلبیت کی وضعی حدیثیں پھیلانی شروع کیں مثلاً آنحضرت صلعم سے یہ ارشاد منسوب کیا گیا افضل الناس نسباً بنو ھاشم ثم قریش ثم العرب (تبیین الحقائق) یعنی انسانوں میں باعتبار نسب بنی ہاشم سب سے افضل ہیں پھر قریش پھر عرب ہیں۔ تحریک خفیہ طور سے پھیل چکی تھی کہ بنی ہاشم ہی کے ایک فرد زید بن علی بن حسینؓ نے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود امیر المومنین ہشام جیسے مقبول امام اموی خلیفہ کے خلاف اقدام خروج کا کچھ ایسی عاقبت نا اندیشی کر دیا کہ مولانا روم کا وہ مشہور شعر صادق آیا کہ ؎

کور کورانہ مرو در کربلا تا نیفتی چون حسین اندر بلا

خود بھی اور ان کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بھی گرفتار بلا ہوئے اور خاندان کے اور لوگ بھی بلا میں پھنسے عباسی تحریک کے قائد ابراہیم الامام گرفتار و محبوس ہو کر غیر طبعی موت مارے گئے، اس کے تھوڑے ہی دن بعد عباسی پروپیگنڈے کا وہ سیاسی انقلاب تھا جس کے متعلق گورنر خراسان نصر بن سیار نے آخری اموی خلیفہ کو رپورٹ ارسال کرتے ہوئے اس مضمون کے اشعار بھی لکھ دیے تھے راکھ کے درمیان مجھے چنگاری نظر آ رہی ہے ممکن ہے بھڑک اٹھے کاش معلوم ہو جاتا کہ بنی امیہ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ یہ چنگاری بھڑکی اور امویوں کا سیاسی اقتدار ۱۳۲ھ میں ختم ہو کر عباسی خلافت قائم ہوئی جس کے تیرہ چودہ برس بعد سے اولاد علیؓ میں سے حسنی و حسینی طالبان خلافت کے خروجوں کا تانتا بندھ گیا ۱۴۵ھ سے ۳۴۵ھ تک دو سو برس کی مدت میں ۲۶ باغیوں نے علم بغاوت بلند کیا جن کے تفصیلی حالات کتاب "تحقیق مزید" میں ملاحظہ ہوں۔ اکثر و بیشتر ناکام ہو کر ہلاک ہوئے ان کی منقبت و تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں جن میں کہا گیا کہ مقتولین کے لیے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوئیں اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے جنت میں جا پہنچے وغیرہ وغیرہ۔ لقب بھی ان کے تجویز کر دیے گئے کسی کو شہید کہا کسی کو النفس الزکیہ۔ بر خلاف ان کے خلیفہ وقت اور عمال خلافت کو محض اس لئے غاصب و ظالم و جابر و فاسق بتایا گیا۔ قبیح اتہامات ان کی سیرت و کردار پر عائد کئے گئے کہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں انھوں نے بغاوتوں کا استیصال کر کے فتنہ کو دور کیا نظم و نسق مملکت بحال کیا۔ یہ اقدامات بغاوت کسی اصول اور سیاسی پروگرام سے تو نہ تھے حسب و نسب کی تعلیموں پر دار و مدار تھا۔ ان ناکامیوں کے مداوی کے لیے طرفداروں نے بعد میں سینکڑوں حدیثیں اور مہمل روایتیں نسبی برتری کی بنا پر ان کے حق و استحقاق کی وضع کیں، کفو کے مسئلہ میں عجیب عجیب نکتے تراشے گئے، مزالی نہیں ہاشمی و غیر ہاشمی کا امتیاز پیدا کیا گیا یہاں تک کہا گیا کہ قریشی گھرانے کا غلام ہاشمی گھرانے کی کنیز کا ہم کفو نہیں ہو سکتا۔ العلم الشامخ کے مولف نے بعض زیدیہ و تفضیلیہ کا یہ قول بھی لکھا کہ فاطمیہ خاتون کا کسی غیر فاطمی کے عقد میں آنا موجب ہوگا اہلبیت کی ہتک حرمت کا۔

جب دین عدل و مساوات و احکام شریعت میں نئی نئی باتیں پیدا کی گئیں مولانا نظامی گنجوی متوفی [illegible]ھ نے آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے عرض کیا تھا کہ آپ اب دین کو ملاحظہ کریں پہچان نہ سکیں گے ؎

دین ترا درپے آرائش اند — درپے آرائش و پیرائش اند

بستہ شد بسکہ برو برگ و ساز   گر تو بہ بینی نشناسیش باز

آرائشِ دین سے مراد بدعات و محدثات ہیں جو سیاسی اغراض سے مذہب میں شامل کی گئیں مثلاً درود میں "آل محمدؐ" کا شمول، غیر طبقاتی ملّت میں کفو کا مسئلہ یا حصول خلافت سے محرومی کی بنا پر خلافت کے مقابلہ میں امامت کا نظریہ، اذان کے الفاظ میں فقرات کا اضافہ اور چوتھے خلیفہ کو خلیفتہ بلافصل کہکر تینوں خلفائے راشدین کو برملا غاصب کہنا اور جزو دین سمجھنا شخصیت پرستی میں وہ غلو کہ مولانا رومؒ کو بھی لطیف پیرایہ میں کہنا پڑا ہے

ہیچ خر ساجد نہ دیدم پیش خر   آدمی زین خوئے شد از خر بتر

مگر باوجود اس غلو کے جو ہاشمیوں کی نسبی فضیلت اور نسلی امتیاز کے بارے میں وضعی حدیثوں میں کیا گیا ساتویں صدی ہجری تک کسی صحیح النسب ہاشمی نے خواہ عباسی و جعفری و عقیلی ہوں یا علوی و حسنی و حسینی نہ سیادت نسبی کا ادعا کیا، نہ اپنے کو نسباً سید کہا اور نہ آج تک عرب ممالک میں کوئی ہاشمی و حسنی و حسینی اپنی مادری زبان کے لفظ سید کو اظہار دلنسب میں استعمال کرتا ہے نہ اپنے منہ سے اپنے کو سید کہتا ہے نہ اپنے نام کے ساتھ لفظ سید لکھتا ہے۔ دوسروں کے لئے احتراماً یہ لفظ محترم و محترمی کی جگہ البتہ استعمال ہوتا ہے غیر مسلموں کے ناموں میں بھی مسٹر کی جگہ بالعموم مستعمل ہے جیسے سید جواہر لال نہرو یا سید چو این۔ لائی۔ عہد اکبری کے حسینی نسب بزرگ جو میر عدلی و گورنری کے مناصب جلیلہ پر فائز تھے اپنے قلم سے نام "عبدہ محمد الحسینی" لکھتے سید نہ لکھتے تھے ان کے فرزند کی مہر میں "فقیر ابوالحسن بن محمد الحسینی" الفاظ کندہ تھے لفظ سید شامل نہ تھا۔

عرب قبائل میں لفظ شریف و سید کے استعمال کے تاریخی حالات پیش کرنے کے ساتھ غیر عرب ممالک خصوصاً ہندوستان میں ان الفاظ کا استعمال کب سے کن حالات میں ہوا جس سے شریف و غیر شریف، سید و غیر سید کی تفریق پیدا ہو کر ذاتیں بن گئیں ان سب مباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ بحث محض علمی و تاریخی ہے، کسی گروہ و خاندان کی نسبی سیادت و شرافت سے اس بحث کا کوئی تعلق نہیں، نہ "اسمائی سید" ملی شوم "حضرات" کے ادعا سے کوئی تعلق ہے نہ ان اشخاص کے انساب کی تحقیق سے جو پاکستان بننے سے پہلے "ایسے ویسے" تھے۔ یہاں آکر "کیسے کیسے" ہو گئے۔

محمود احمد عباسی   کاشانۂ محمود۔ کراچی

سیّد

اہلِ عرب نے اپنی زبان کے اس مشہور لفظ سیّد کو نہ کبھی نسب و قومیت کے اظہار میں استعمال کیا اور نہ کوئی عرب و قریشی قبیلہ و خاندان سیّد کہلایا[1]۔ سَادَ یَسُودُ و سِیَادۃً کے معنی مجد و شرف کے ہیں۔ سیّد واحد ہے سادۃ جمع اور سادات جمع الجمع۔

لفظ سیّد کا صحیح مفہوم ہماری زبان میں سردار، سربراہ، مالک و آقا، مخدوم و محترم الفاظ سے ادا ہوتا ہے اور مسٹر و محترمی کا سیّد و سیدی ہے۔ غیر قوم و غیر مسلم اشخاص کو اہلِ عرب مسٹر اور محترم کے معنی میں سیّد کہتے ہیں۔

عرب قبیلے و خاندان

عرب قبائل عدنانی ہوں یا قحطانی از روئے تحقیق سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل ہیں بمرورِ زمانہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں متوزع و منقسم ہو کر اپنے اپنے مورثِ قبیلہ و خاندانوں کی نسبت سے موسوم رہے جیسے فہر ملقب بہ قریش کی اولاد قریشی، ہاشم بن عبد مناف کی ہاشمی وقس علیٰ ہذا۔

ظہورِ اسلام سے بہت پہلے سے قبیلہ قریش کے چھوٹے بڑے بیس خاندان تھے جو اپنے مورثوں کے نام سے موسوم تھے ان بیس قریشی خاندانوں میں یہ دس زیادہ ممتاز و معروف تھے یعنی بنی ہاشم (ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب کی اولاد) بنی امیہ (امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد) بنی نوفل (نوفل بن عبد مناف بن قصی کی اولاد) بنو عبد الدار (عبد الدار بن قصی بن کلاب کی اولاد) بنو اسد (اسد بن عبد العزیٰ

---

[1] نجرانی عیسائیوں کا لیڈر جو ان کے دنیاوی معاملات کا منتظم تھا البتہ السیّد کہلاتا تھا یہ منصب بھی متوارث نہ تھا بنو قضاعہ یمنی قبیلہ مالک بن حمیر کی نسل سے تھا اور یمن سے اٹھ کر ملک شام میں مسکن گزیں تھا ان میں ایک شاخ کلب بن وبرہ کی تھی۔ اس کے دس گھرانے تھے جن کے نام اسد، ثعلب، ذئب اور سِید وغیرہ تھے سِید بھیڑیے کو کہتے ہیں (السیّد۔ الذئب۔ نیز السیدانۃ بھی اسی معنی میں ہے اور بھیڑیے کی مادہ کو السیدہ کہتے ہیں۔ المنجد) جانوروں کے نام پر عرب جاہلیت میں نام رکھے جاتے تھے مگر لفظ السیّد سے اس نام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بن قصی بن کلاب کی اولاد) دوسرے پانچ خاندان قصی بن کلاب بن مرّہ کے چچوں کی اولاد میں بنو تیم (خاندان حضرت ابوبکر الصدیقؓ) بنو مخزوم (خاندان سیف اللہ حضرت خالد بن الولید) بنو عدی (خاندان حضرت عمر فاروقؓ) بنو جمح (خاندان حضرت عثمان بن مظعونؓ) اور بنو سہم (خاندان حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر تھے) بقیہ دس قریشی گھرانے عامر بن لوی اور اس کے بھائیوں و بنو الحرم کی اولاد سے تھے۔ ذیل کے شجرے سے قریشی خاندانوں کے انساب کا مجمل حال معلوم ہو سکے گا (جو اگلے صفحہ پر درج ہے)

قریشی گھرانے

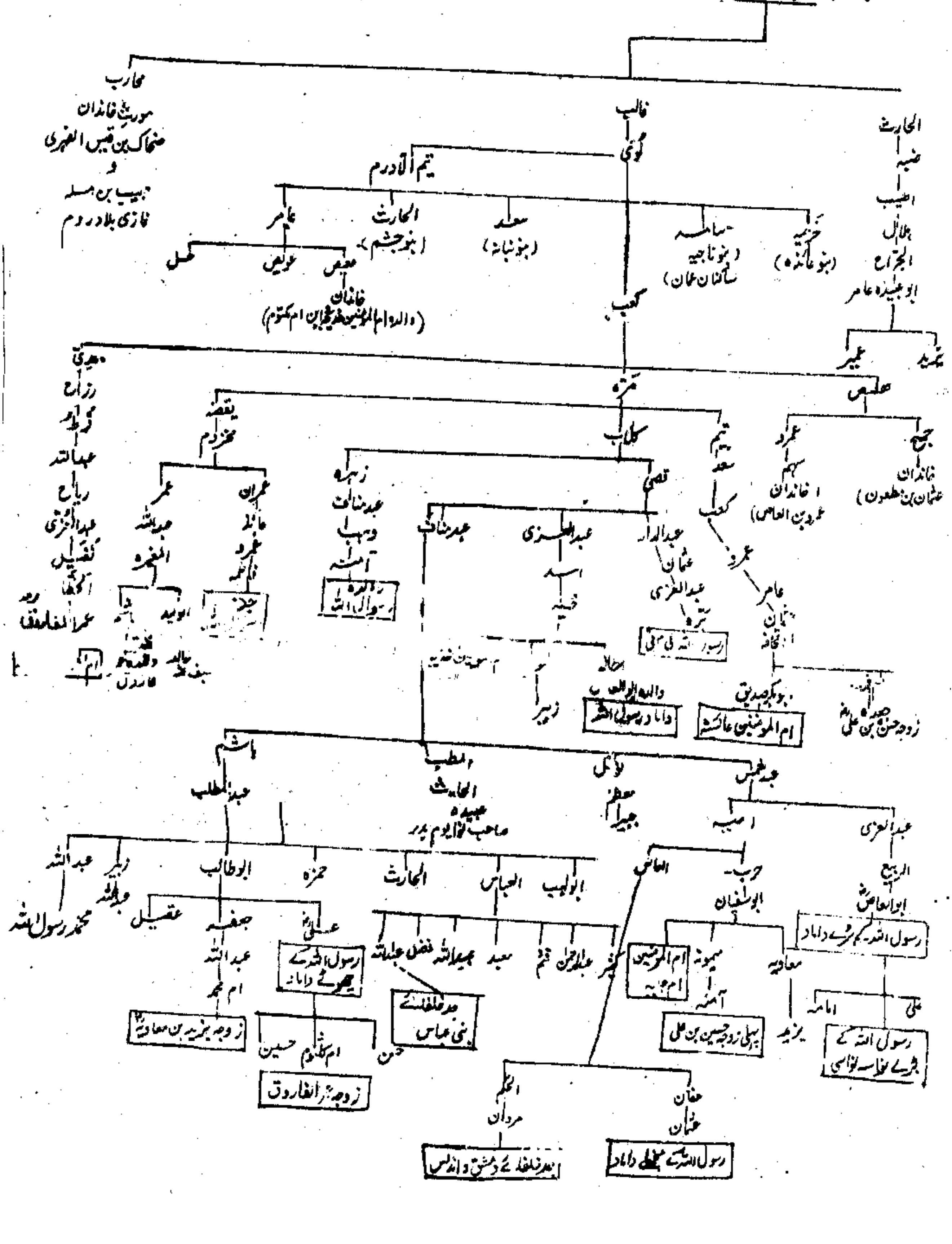
قصی بن کلاب جیسا مندرجہ شجرے سے واضح ہے ہاشمی و اموی و اسدی وغیرہ خاندانوں کے جد اعلیٰ تھے ان کا زمانہ تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا ہے مکّہ میں جس شہری جمہوریت کی بنیاد انھوں نے ڈالی تھی اس کے مذہبی و عدالتی و جنگی معاملات اور انتظامات کے چودہ عہدے تھے جو متذکرہ بالا دس قریشی خاندانوں میں منقسم تھے مثلاً بنی ہاشم کے سپرد سقایہ و عمارہ کے عہدے تھے یعنی حاجیوں کے لئے بہم رسانی آب اور خانہ کعبہ کی درستی کے انتظامات۔ ظہور اسلام کے وقت حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ان خدمات کو انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر الفاروقؓ کے خاندان بن عدی کے ذمہ نزاعی معاملات کے تصفیئے اور سفارت کی خدمات تھیں ان کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ سے قریش اپنے نزاعی معاملات فیصل کراتے تھے۔

نفیل بن عبدالعزیٰ وکان یتحاکم الیہ قریش (کتاب نسب قریش ص۳۴۶)	نفیل بن عبدالعزیٰ۔ قریش ان سے مقدمات کا فیصلہ کراتے تھے۔

سفارت کی خدمات حضرت عمر الفاروقؓ ظہور اسلام کے زمانہ تک انجام دیتے رہے۔ اشناق کا عہدہ بنی تیم میں تھا یعنی خون بہا اور مالی تاوان کا انتظام جو اس زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ انجام دیتے تھے۔ جنگی عہدوں میں بڑا عہدہ قریش کے قومی نشان کی علمبرداری کا تھا جو العقاب کہلاتا تھا یعنی بحالت جنگ سب قریشی خاندان قومی نشان کے علمبردار کی قیادت میں مجتمع ہوتے تھے۔ یہ عہدہ بنی امیہ میں متوارث تھا۔ حرب بن امیہ کے بعد حضرت ابوسفیانؓ بن حرب قریش کے قائد تھے۔ دیگر خدمات دوسرے خاندانوں کے سربراہ انجام دیتے تھے اور یہ سب قریشی سردار و سربراہ اپنے اپنے خاندانوں کے سیّد کہلاتے

شجرۂ قبیلہ قریش

فہر لقب قریش بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان



تھے نسب و قومیت کا اظہار ان کی خاندانی نسبت سے ہاشمی و اموی و تیمی و مخزومی و سہمی وغیرہ سے ہوتا تھا۔ یہ سب قریشی خاندان تعلقات مناکحت و مصاہرت میں ایک دوسرے کے ساتھ اس درجہ مربوط و منسلک تھے کہ ہاشمیوں کے نانا مخزومی و زھری اور مخزومی و زھری کے ہاشمی۔ انصاری اور دیگر عربی قبائل سے بھی رشتے ناتے قدیم الایام سے چلے آ رہے تھے۔

بنی ہاشم اور بنی اُمیہ تو دو حقیقی بھائیوں کی اولاد ہیں، ان کے آپس میں بیاہ شادی کے حالات بھی مشہور و معروف ہیں دوسرے قریشی و انصاری خاندانوں کی باہمی قرابتوں کی تفصیلات کتب انساب میں بالتصریح موجود ہیں۔ حضرت خالد بن الولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ نسباً مخزومی تھے ان کے خاندان کی ایک شاخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی فاطمہ بنت عمرو تھیں اور آپ کی دو پھوپیاں بھی اسی خاندان میں بیاہی گئی تھیں جن سے اولاد بھی تھی۔ آپ کے بڑے چچا زبیر بن عبد المطلب کی زوجہ بھی مخزومیہ تھیں اور ابو طالب نے اپنی ایک بیٹی اسی مخزومی گھرانے میں بیاہ دی تھی۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی والدہ ختمہ بنت ہاشم بن المغیرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی فاطمہ بنت عمرو دو حقیقی بھائیوں یعنی عبد اللہ و عمران فرزندان مخزوم کی پر وتیاں تھیں نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے دادا نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف آپس میں اخیافی بھائی تھے۔ (کتاب نسب قریش ص ۱۶)

قریشی سادات

قریشی خاندانوں کے سربراہ اور ممتاز اشخاص عہد جاہلیۃ ہو یا زمانہ اسلام سید کہلاتے تھے اسی طرح انصاری اور دوسرے عرب قبیلوں کے سردار و سربراہ بھی اپنے اپنے قبیلے کے سید تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب جو قریش میں درجہ امتیاز رکھتے تھے۔ سردار قریش کہلاتے تھے۔

فکان عبد المطلب سید قریش فی عصرہٖ (حذف من نسب قریش ص ۴)	عبد المطلب اپنے زمانہ میں قریش کے سردار تھے۔

ابو سفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اموی کی سیادت کے بارے میں ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ

ہی فرماتے ہیں:۔

ھو سَیّد قریش کلھا فی زمانہ (ج صفحہ ۳۸۰)	وہ (یعنی ابوسفیانؓ) اپنے زمانہ میں تمام قریش کے سردار تھے۔

مخزومی خاندان قریش کا مقتدر خاندان تھا۔ ہشام بن المغیرہ مخزومی اور اس کے بیٹوں کی سیادت و سرداری کا شہرہ مکہ میں تھا۔

وکان لھشام وبنیہ صیتٌ بمکۃ و ذکرٌ عالٍ وکان ھشام سَیّد قریش فی دھرہ (کامل ابن اثیر صفحہ)	ہشام اور اس کے بیٹوں کا شہرہ اور ذکر عالی مکہ میں تھے اور ہشام اپنے زمانہ میں قریش کا سردار تھا۔

بنو تیم یعنی خاندان حضرت ابوبکر صدیقؓ میں عبداللہ بن جُدعان جو رشتے میں حضرت صدیقؓ کے چچا ہوتے تھے اپنے زمانہ میں قریش کے بڑے دریادل اور ہر دلعزیز سردار تھے:۔

وکان عبداللہ بن جُدعان سَیّد قریش فی الجاھلیۃ (کتاب نسب قریش صفحہ ۲۹۱)	عبداللہ بن جُدعان زمانہ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے۔

ان ہی عبداللہ[1] بن جُدعان کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر حلف الفضول کا مشہور تاریخی معاہدہ ہوا تھا اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے تایا کے ساتھ موجود تھے۔ آنحضرتؐ کے ان ہی تایا زبیر نے آپ کی پرورش کی تھی۔

یہی چند مثالیں اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ قبیلہ و خاندان کے سربراہ و سردار سیّد کہلاتے تھے۔ اور یہ تخصیص کچھ قریشی خاندانوں ہی کی نہیں تھی ہر عربی قبیلے کا سربراہ خواہ انصاری ہو یا کسی دوسرے عرب خاندان کا اپنے منصب سربراہی و سرداری کے اعتبار سے سیّد کہلاتا تھا اس کی مثالیں اپنے مقام پر آگے آتی ہیں۔

یہود و نصاریٰ جو جزیرہ نمائے عرب میں صدیوں سے آباد تھے مادری زبان اُن کی بھی عربی تھی ان کے سردار و سربراہ بھی سیّد کہلاتے تھے بلکہ نجران کے نسطوری عیسائیوں کے

---

[1] عبداللہ بن جُدعان کی سخاوت و بخشش و عطا کے بہت سے واقعات کتب تاریخ و تذکرہ میں جا بجا ملتے ہیں حضرت صہیب بن سنان رومی کو جو نسباً نمر بن قاسط کی نسل سے تھے اور روم میں غلام بنا لئے گئے تھے۔ انہی نے ان کے مالک سے خرید کر آزاد کرایا تھا۔ واقعہ ظہور اسلام سے پہلے کا ہے۔

یہاں سرداری کے تین عہدے تھے یعنی اسقفؑ (مذہبی سردار) العاقبؑ (امور داخلیہ کا مہتمم) اور السیّد جو امور خارجیہ کا منتظم تھا یعنی:۔

وھوالذی یدبّر امورھم الخارجیۃ ویتولی امور العلاقات بینھم وبین القبائل الاخری۔ (فجر الاسلام صفحہ ۲۶)	اور وہ (یعنی السیّد) ان کے امور خارجیہ کی تدبیر کرتا اور دوسرے قبائل کے اور ان کے مابین معاملات کا بھی۔

یہ نجرانی عیسائی السیّد جس کا نام الایہم تھا نجرانی وفد کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تھا اور مباہلہ سے گریز کرکے معاہدہ کیا تھا جس کی تفصیلات کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہیں۔

آیات قرآنی میں سیّد کا مفہوم

قرآن شریف کی ان تین آیات میں لفظ سیّد آیا ہے اور سردار و آقا ہی کے معنی و مفہوم میں آیا ہے۔ نسب و قومیت کے لئے ہرگز نہیں:۔

(۱) اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (سورۂ آل عمران آیت ۳۸)	کہ اللہ تجھکو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو گواہی دے گا اللہ کے حکم کی اور سردار و پاکباز ہوگا اور نبی صالحین میں سے۔
(۲) يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ (الاحزاب آیت ۶۷)	جس دن کہ ان کے (کفار کے) چہرے آگ میں سیاہ ہو جائیں گے وہ کہنے لگیں گے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور وہ یہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا کہا مانا انھوں نے ہم کو راہ سے بھٹکا دیا۔
(۳) وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ (سورۂ یوسف آیت ۲۵)	اور دونوں دوڑے دروازے کو اور (عورت نے) چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے اس کے خاوند (آقا) کو دروازے کے پاس۔

پہلی دو آیتوں میں سیّد اور سادتنا کے معنی سردار کے ہیں اور آخری آیت میں سیّدھا سے مراد اس کے آقا (خاوند) سے ہے۔ ان تینوں آیتوں کے سوائے کلام اللہ میں اور کہیں یہ لفظ نہیں آیا۔

کلام نبوی میں سیّد کا مفہوم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں لفظ سیّد سردار و سربراہ ہی کے معنی و مفہوم میں آیا ہے نسب و قومیت کے لئے ہرگز نہیں۔ چند مثالیں کلام نبوی کی پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت سعد بن معاذؓ انصاری اپنے قبیلہ اوس کے سردار تھے سیّد الاوس کہلاتے تھے۔ (الاصابہ و انساب الاشراف) نیز صحابی جلیل تھے ان کے قبیلہ اوس کی حلیفی عہد جاہلیۃ سے بنی قریظہ یہود سے تھی۔ غزوہ خندق کے زمانہ میں یہود نے خطرناک سازش اور غداری کی تھی۔ سزا اور سرزنش کے لئے ان کا محاصرہ کیا گیا تھا مجبور ہو کر اپنے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد انصاریؓ کو اپنے معاملہ میں حَکَم مان لیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرمایا۔ حضرت معاذؓ جب یہود کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آرہے تھے آپ نے صحابہ سے فرمایا:۔

قوموا الیٰ سیّدکم او خیرکم۔	اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کی
(صحیح بخاری ج ۱ ص۳۴۶ و ص۵۳۶	پذیرائی کرو۔

(الاصابہ و دیگر کتب۔)

(۲) حضرت قیس بن عاصم بن سنان بن خالد بن منقر غیر قریشی عرب تھے بعد فتح مکّہ وفد تمیم کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا تھا:۔

سیّد اھل الوبر (المعارف ص۱۳۱ والعقد الفرید ج ۱ ص۲۶۶)

یعنی اہل بادیہ کے سردار۔ مورخین نے ان کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں "کان شریفاً سیّداً" یعنی وہ معزز سردار تھے۔

(۳) غزوہ حنین میں ہوازن و ثقیف قبائل کے تیر اندازوں نے بڑی شدّت سے جنگ آزمائی کی تھی ان میں بنی کنّہ کا ایک بہادر جوان الجلاح نام بے جگری سے لڑ کر

مارا گیا تھا ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین بلغہ قتل الجلاح قتل الیوم سید شباب ثقیف (طبری ج ۳ ص ۱۳)	جب الجلاح کے قتل ہوجانے کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے فرمایا آج ثقیف کے جوانوں کا سردار قتل ہو گیا۔

(۴) حضرت بشر ابن البراء بن معرور انصار کے بنی سلمہ میں سے بدری صحابی تھے۔ یہی وہ انصاری صحابی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے اوّل کعبہ کے رُخ سے نماز ادا کی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ سے پوچھا تھا من سیدکم؟ یعنی (تمہارا سردار کون ہے) لوگوں نے جد بن قیس کا نام لیا جن کی طبیعت میں بخل کا مادہ تھا آپ نے فرمایا:۔

سیدکم الابیض الجعد بشر بن البراء۔ (انساب الاشراف بلاذری ج ۱ ص ۲۴۲)	تمہارا سردار سفید بالوں والا بشر بن البراء ہے۔

خیبر کی ایک یہودیہ نے جو مسموم گوشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا آپ نے دہن مبارک میں لے کر تھوک دیا تھا حضرت بشر لقمہ نگل گئے تھے۔ یہی سبب اُن کی موت کا ہوا تھا۔

(۵) صحیح بخاری میں ایک باب ہے "العبد راع فی مال سیدہ و نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم المال الی السید (ج ۱ ص ۳۴۷) یعنی غلام اپنے آقا کے مال میں چرواہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو سردار کی طرف منسوب کیا ہے اس حدیث کے مضمون میں لفظ سید جو متعدد بار آیا ہے وہ سردار کے معنی میں آیا ہے۔

(۶) غزوہ اُحد میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب عم رسول اللہ علیہ وسلم بڑی جانبازی سے تیغ زنی کر کے شہید ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے انھیں سید الشہداء فرمایا اور اسد اللہ (شیر خدا) کا لقب دیا:۔

ولقبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسد اللہ وسماہ سید الشہداء (الاصابہ ج ۱ ص ۳۵۴)	انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیر خدا کا لقب دیا اور سید الشہداء سے موسوم کیا۔

کلام الٰہی ہی کی طرح کلام نبوی میں سید سردار و سربراہ و آقا ہی کے معنی میں آیا ہے۔ کسی خاندان یا کسی شخص کے اظہار نسب و قومیت میں ہرگز نہیں۔

اقوال صحابہ میں سیّد کا مفہوم

۱۔ ابن جریر طبری نے سردار قریش ابوسفیانؓ کے قبل فتح مکہ تجدید معاہدہ صلح حدیبیہ کے سلسلے میں مدینہ آنے کی جو روایت درج کی ہے اس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علیؓ نے اثنائے گفتگو میں ان سے کہا تھا کہ میں نہیں جانتا تمھارے مفید مطلب کیا بات ہوسکتی ہے لیکن تم بنی کنانہ کے (یعنی قریشی و غیر قریشی عربوں کے) سردار ہو کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ صلح قائم ہے۔ حضرت علیؓ کی گفتگو کا یہ فقرہ نقل ہوا ہے۔

ولکنك سَيّد بنی کنانة	لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو
(طبری ج ۳ ص ۱۱۱ و جوامع السیرہ ص ۲۲۵ و دیگر کتب)	

۲۔ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے رومی عیسائیوں کی دشمن اسلام زبردست طاقت کے مقابلہ میں جب مجاہدین اسلام کے دستے بھیجنا شروع کئے قیس بن ھبیرہ بن مکشوح المرادی بھی اپنے قبیلے کے غازیوں کے ساتھ حضرت موصوف کی خدمت میں آئے وہ حرب و ضرب کے ماہر شجیع و بہادر تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے اثنائے گفتگو میں اُن سے فرمایا۔

انک شریف، بأس سَيّد مجرب	تم تو شریف دبہادر سردار آزمودہ کار ہو۔
(فتوح الشام ازدی ص ۲۱ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء)	

۳۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت عباسؓ بن عبد المطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوسفیانؓ سردار قریش کا اکرام کرتے گدے پر اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

وکان عمر بن الخطاب یفرش له فراش فی بیته فلا یجلس علیه احد الا العباس بن عبد المطلب	حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں ان کے گھر میں نشست کے لئے فرش بچھایا جاتا اس پر سوائے حضرت عباس بن

والبوسفیان بن حرب۔ (العقد الفرید ج ۲ ص ۲۹۳)	عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیان بن حرب اور کوئی نہ بیٹھتا تھا۔

ابوالجہم بن حذیفہ العدوی نے جو حضرت عمرؓ کے قبیلے کے تھے ایک مرتبہ جب یہ کہا تھا کہ ہم کو بنو عبد مناف سے توقع کسی راحت کے پہنچنے کی نہیں حضرت عمرؓ نے اس پر فرمایا:۔

ھٰذا عم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھذا سید قریش (شرح ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۰)	یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں (یعنی حضرت عباسؓ) اور یہ سردار قریش ہیں (یعنی حضرت ابوسفیانؓ)

۴۔ احنف بن قیس مشہور تابعی اپنی قوم کے وفد کے ساتھ بصرے سے امیرالمومنین عمر الفاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنی قوم کے سردار (سید) تھے اہالیان بصرہ کے معاملات پیش کرتے ہوئے ایسی فصیح و برجستہ تقریر کی کہ امیرالمومنین نے سنکر فرمایا:۔

ھذا واللہ السیّد ھذا واللہ السیّد (العقد الفرید ج ۱ ص ۱۹۱)	یہ شخص واللہ سردار ہے یہ شخص واللہ سردار ہے۔

ان ہی احنف کو امیرالمومنین نے جہاد خراسان پر متعین کیا تھا جہاں خدمات لائقہ انجام دیں ان کے دوسرے کوفی عزیزوں کو جو اپنی قوم کے اکابرین سے تھے ابن قتیبہ نے کہا ہے سیّدھم بالکوفۃ (المعارف ص ۱۸۷)

۵۔ حضرت اُبی بن کعب انصاریؓ کاتب وحی اور سابقون الاولون میں سے تھے۔ خلافت فاروقی میں جب ان کی وفات ہوئی امیرالمومنین نے فرمایا تھا۔

الیوم مات سیّد المسلمین (المعارف ص ۱۱۳)	مسلمانوں کے سردار کی آج وفات ہوگئی۔

۶۔ حضرت بلال بن رباحؓ نسباً حبشی تھے اور ایک قریشی کے غلام بھی ان کا آقا اسلام قبول کرنے کی وجہ سے انھیں سخت اذیتیں دیا کرتا تھا حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے رقم ادا کرکے انھیں بھی آزاد کرا دیا تھا امیرالمومنین عمر الفاروقؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔

ابوبکر سیّدنا و اعتق	ابوبکر ہمارے سردار تھے اور انھوں نے

سَیِّدُنا یریدُ بلالاً۔ — ہمارے (دوسرے) سردار کو آزاد کرایا
(صحیح بخاری والعقد الفرید ج ۲ ص۶۵) — تھا۔ اس سے مراد حضرت بلالؓ سے تھی۔

۷۔ حُیَیّ بن اخطب بنی النضیر و بنو قریضہ یہود کا سردار تھا اس کی دختر صفیہؓ جنگی قیدیوں میں شامل ہو کر آئیں حضرت دحیہؓ صحابی کے حصہ میں دیدی گئیں اس پر ایک اور صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

یا نبی اللہ! اَعطیتَ دحیۃ صفیۃ بنت حُیَیّ سَیِّدۃ بنی قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک
(صحیح بخاری ج۱ ص۵۴)

یا نبی اللہ! صفیہ بنت حُیی بنو قریظہ و بنو النضیر کی سیدہ کو آپ نے دحیہ کو عطا فرما دیا ہے مگر وہ تو آپ کے سوائے کسی اور کے شایاں نہیں۔

اسی طرح اور متعدد اقوال صحابہ کرامؓ کے کتب سیر و تاریخ میں جا بجا ملتے ہیں جن میں ان حضرات نے اپنی مادری زبان کے اس لفظ سَیِّد کو اس کے اصلی اور صحیح مفہوم یعنی سردار و سربراہ و مالک و آقا کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے، اظہار نسب و قومیت میں کبھی نہیں۔

لفظ سیّد شعرائے عرب کے کلام میں

ہر زبان کے کسی لفظ کے صحیح مفہوم اور استعمال کے لئے اس زبان کے مستند شعرا کے کلام سے سند لی جاتی ہے۔ عرب شعراء کے کلام میں لفظ سیّد سردار و سربراہ و مالک و آقا ہی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے قومیت و نسبی نسبت کے اظہار میں کبھی نہیں۔ چند مثالیں اس کی بھی ملاحظہ ہوں۔

حماسہ (ابی تمام) کا مشہور شعر ہے:۔

اذا سَیِّدٌ مِنّا خلا قامَ سَیِّدٌ[1] — قؤولٌ لما قال الکرامُ فعولُ

جب کوئی سردار ہم میں سے گذر جاتا ہے تو دوسرا سردار اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے — اور وہ وہی باتیں کرتا ہے جو پہلا سردار کیا کرتا تھا۔

---

[1] ۲۹۵ھ میں جب امیر المومنین المقتدر باللہ عباسیؒ سریر آرائے خلافت ہوئے الشریف ابو جعفر بن ابی موسیٰ الحنبلی نے بیعت کرتے وقت حماسہ کے اسی شعر کا پہلا مصرع یوں پڑھا اذا سَیِّدٌ مِنّا مضیٰ قام سیّد دوسرا مصرع اس وقت انھیں یاد نہ آیا۔ (بقایا صفحہ ۲۷ پر)

۲- المفضلیات (المفضل الضبی) کا یہ شعر لفظ سیّد کے صحیح مفہوم میں ہے۔

یا سیّد اما انت من سیّدٍ   مُوَطّا البیت رحیب الذراع

اے سردار! اور کیسا کچھ سردار!   جس کے گھر کا راستہ مہمان کیلئے ہموار رہتا ہے

۳- حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ کے دیوان میں بھی مندرجہ بالا شعر کے ہی مفہوم میں یہ شعر ہے :-

اذا مات منا سیّد ساد مثلہ   رحیب الذراع بالسیادة حضرم

جب کوئی سردار ہم میں سے فوت ہو جاتا ہے   اور وہ دریا دلی کے ساتھ مہمانی کرتا ہے

تو دوسرا اس کی مثل سردار بن جاتا ہے

۴- بنو ہاشم و بنو امیّہ کے جد امجد عبدمناف بن قصی کا نام مغیرہ تھا کتاب المحبر میں ان کے اور ان کی اولاد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ :-

فھولاء سادة قریش وناعتھم (ص ۱۶۳) | یہ لوگ قریش کے سردار اور ان کے سنبھالنے والے تھے۔

پھر یہ تین شعر مطرود بن کعب الخزاعی کے نقل کئے ہیں جن میں لفظ سیّد سردار و سربراہ کے ہی معنی میں متعدد جگہ آیا ہے :-

ان المغیرات وابناء ھم   لخیر آباء و اُمّہات[لہ]

آلِ مغیرہ (عبدمناف) اور ان کی نسل والے   بہترین ماں باپ کے ہیں

للبیض فیض کلھم سیّد   ابناء سادات لسادات

گوری چٹی یعنی شریف عورتوں کے بطن سے   اور جن سرداروں کی اولاد سے ہیں وہ بھی

ہیں اور سب کے سب سردار ہیں   سب سردار تھے۔

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۶ کا) امیر المومنین موصوف نے جو بقول علامہ ابن کثیرؒ حسن صورت و حسن سیرت دونوں اعتبار سے فی غایة الجمال تھے خود ہی دوسرا مصرعہ برجستہ پڑھ دیا یعنی قؤول بما قال الکرام فعول۔ الشریف ابو جعفر نے پہلے مصرعہ میں لفظ اذا کے بجائے مضی پڑھا تھا یعنی اذا سیّد منا مضیٰ قام سیّدٍ۔ (البدایہ ج ۱۲ ص ۱۱۱)

لہ بلاذری نے یہ مصرعہ اس طرح لکھا ہے ع لخیر احیاء واموات یعنی زندوں و مردوں سب کا بہترین۔

إخلصهم عبد مناة فهم ‏ ‏ من لوم من لام بمنجاة
ان میں خالص نسب کے عبد مناف ہیں ‏ ‏ اور ملامت کرنے والے کی وہاں تک رسائی نہیں

۵۔ اعشیٰ مشہور شاعر تھے نام عبداللہ بن اعور المازنی تھا اپنے ایک معاملہ میں دادخواہی کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آئے اور عرض مطالب کے لئے چند شعر کہے جن میں پہلے یہ دو شعر تھے۔

یا سیّد الناس ودیّان العرب ‏ ‏ ینمی إلی ذروة عبد المطلب
اے سردار عالم! اے شارع عرب ‏ ‏ اے عبدالمطلب کے نام روشن کرنے والے

تلك قروم سادة قد منجب ‏ ‏ إلیك أشكو ذربة من الذرب
اے وہ جو سرداروں کی اولاد نجیب الطرفین گھرانے کا فرد ہے۔ ‏ ‏ میں تیرے آگے اس کی زبان درازی کی شکایت کرتا ہوں

۶۔ سلم بن نوفل بنی کنانہ کا سردار تھا (ر سید ن انا نہ ۔ العقد الفرید) اس کے بیٹے اور بھتیجے کو ۔ ۔ ۔ کیا اور مجروح کردیا۔ یہ دونوں اُسے پکڑلائے اور اپنے باپ و چچا سے زیادتی اور طالب انتقام ہوئے سلم بن نوفل نے سمجھایا سرداری کے شایاں تو یہ بات ہے کہ غیظ و غضب کو پی جائیں، جہلا کی زیادتیوں کو برداشت کریں اور تحمل سے پیش آئیں چنانچہ حملہ آور کو چھوڑ دیا گیا اس پر ایک شاعر نے کہا تھا۔

یسود أقوام ولیسوا بسادة ‏ ‏ بل السیّد المندید سلم بن نوفل
لوگ سردار تو بنتے ہیں لیکن سردار ہوتے نہیں ‏ ‏ سرداروں کے سردار تو سلم بن نوفل ہی ہیں

۷۔ عبدمناف بن قُصی کے بھائی عبدالعزیٰ بن قصی کی نسل میں علی بن عبدالرحمٰن بن ابی البختری بن ہاشم بن الحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ بڑا ہر دلعزیز اور بہادر نوجوان تھا اور اسی خاندان اسدی کی خاتون بُرّہ بنت سعید بن الاسود بن ابی البختری کے بطن سے تھا حرورِیہ (خوارج) کے ہاتھ سے قتل ہوگیا شاعروں نے اس کے مرثیے کہے جن کی بیتیں ہر کہ و مہ کی زبان پر تھیں ایک بیت میں اسے سیّد الشباب (جوانوں کا سردار) کہا گیا ہے یعنی :-

یا علیّ بن برّة یا سیّد الشباب ‏ ‏ یا علی برة یا قاطع السخاب
اے علی بُرّہ کے لخت جگر! اے جوانوں کے سردار ‏ ‏ اے علی! بُرّہ کے سپوت! اے قلادہ کاٹنے والے

اسی طرح صد ہا اشعار میں لفظ سید سردار اور سربراہ وغیرہ ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قومیت و نسب کے اظہار میں کبھی نہیں۔

کتب سیر و تاریخ و انساب میں سید کا مفہوم

کتب سیر و تاریخ و انساب میں خواہ متقدمین کی تصنیف سے ہوں یا متاخرین کی یعنی آٹھویں نویں صدی ہجری تک کی تصانیف میں سید و سادات و اشراف نیز کبیر و زعیم و عظیم الفاظ سرداران قبائل و اکابر خاندان کی امتیازی حیثیت کے اظہار میں مستعمل ہوئے ہیں کسی فرد یا خاندان کی قومیت و نسب کے لئے ہرگز نہیں۔

قبیلہ قریش میں مخزومی خاندان ممتاز و مقتدر خاندان تھا ان کے سردار الولید بن مغیرہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

والولید سید من سادات قریش (حیات محمد ص ۱)	اور ولید قریش کے سرداروں میں ایک سردار تھا

اپنے دل میں تو نبوت کا مقر تھا مگر غرور سیادت (سرداری) سے ایک مرتبہ کہہ اٹھا تھا کہ

أينزل على محمد وأترك أنا كبير قريش وسيدها ويترك ابو مسعود عمرو بن عمير الثقفي سيد ثقيف ونحن عظيما القريتين۔ (ایضاً)	یہ کیا بات کہ نبوت تو محمد کو عطا ہوا اور مجھ جیسے بزرگ قریش اور سردار کو محروم کیا جائے اسی طرح ابو مسعود عمرو بن عمیر ثقفی کو بھی ترک جائے جو قبیلہ ثقیف کا سردار ہے حالانکہ ان دونوں شہروں (مکہ و طائف) کے بڑے لوگ تو ہم دونوں ہیں۔

مفسرین کا قول ہے کہ کلام پاک کی اس آیت میں ولید کی سرداری کے اسی گھمنڈ کی جانب اشارہ ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ	اور کہہ اٹھے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دونوں شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیا وہ تمہارے رب کی رحمت بانٹتے ہیں ہم نے ان کی زندگی کا سامان دنیا کی

الدّنیا۔	زندگی میں بانٹا ہے۔
سورۃ الزخرف)	

مندرجہ بالا آیت میں اور اس سے قبل کی عبارت میں رَجُلٌ عَظِیْمٌ و سیّد و سادات وکبیر الفاظ سے اشخاص کی ذاتی وصفاتی حیثیت کا اظہار ہے نہ کسی کی قومیت ونسب کا۔

عرب جاہلیت کے تاریخی واقعات زیادہ تر تو لڑائی جھگڑوں اور خونریزیوں کے ہیں۔ علامہ ابن عبد ربہ نے العقد الفرید جلد ثالث کے سولھویں باب میں بعنوان فی ایّام العرب ووقائعہا عرب قبائل کی ۸۷ خانہ جنگیوں کے حالات لکھے ہیں ان میں جابجا ان کے سادات یعنی قائدین کا ذکر ہے۔ مثلاً معرکہ شمطہ[1] میں جو حرب فجار کا آخری معرکہ تھا اس میں ہر قبیلہ کا سردار مع اپنے قبیلے کے شریک تھا جن کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

وعلی کل قبیلۃ من قریش وکنانۃ سَیِّدُھَا وکذالک علی قبائل قیس غیر ان امر کنانۃ کلھا الی حرب بن امیۃ وعلی احد مجنبتیہا عبد اللہ بن جدعان وعلی الاخری کریز بن ربیعہ وحرب بن اُمیۃ فی القلب وامر ھوازن کلہا الی مسعود بن معتب الثقفی۔	قریش وکنانہ کے ہر قبیلہ کی کمان اس کا سردار کررہا تھا اور اسی طرح قیس کے قبیلوں کی ان کے سردار البتہ قبائل کنانہ (یعنی قریش وغیر قریش) کی کمان کلیتًہ حرب بن اُمیہ کررہا تھا۔ پچھلے ایک دستہ پر عبداللہ بن جدعان تھا اور دوسرے پر کریز بن ربیعہ (حضرت عثمانؓ کے نانا) حرب بن اُمیہ لشکر کے قلب میں تھا اور قبیلہ ہوازن کی قیادت مسعود بن معتب کررہا تھا۔
صفحہ ۳	

یہی یوم شمطہ حرب فجار کی وہ لڑائی تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تایا زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ موجود تھے اور زبیر بن عبد المطلب اپنے خاندان کے سردار کی حیثیت سے شریک جنگ تھے۔ بلاذری وکتاب المحبر کے مولف نے ان سادات قبائل کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بنی ہاشم کے سالار زبیر بن عبد المطلب تھے۔ بنی عبد شمس اور ان کے حلیفوں کے حرب بن امیہ، بنی عبد الدار اور ان کے حلیفوں کے عکرمہ بن ہاشم (بن عبد مناف بن عبد الدار) اور بنی اسد کے خویلد بن اسد (حضرت

---

[1] یاقوت حموی نے اس کا نام طہ کے بجائے ظ سے شمظۃ لکھا ہے۔

خدیجہ ام المومنین کے والد) بنی زہرہ کے مخرمہ بن نوفل (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے ماموں) بنی مخزوم کے ہشام بن المغیرہ، بنی سہم کے العاص بن وائل (حضرت عمرو فاتح مصر کے والد) بنی عدی کے زید عمرو بن نفیل (حضرت عمرؓ کے چچیرے بھائی) یہ سب سالار و قائد اپنے خاندان و قبیلہ کے سیّد یعنی سردار تھے۔

بعض قریشی خاندانوں میں سرداری و سربراہی کئی پشت تک رہی مثلاً بنی امیہ میں حرب بن امیہ کے بعد ان کے فرزند ابوسفیانؓ بن حرب ہوئے زمانہ اسلام میں جیوش اسلامی کی سپہ سالاری ان کے فرزند حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان پھر ان کے فرزند امیر یزیدؒ بن معاویہؓ امیر یزید کے بیٹے پوتے بھی اپنے زمانہ میں فضائل ذاتی کی بنا پر سیّد کہلاتے تھے۔ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔

حرب بن خالد بن یزید بن معاویۃ ویزید بن خالد بن یزید بن معاویۃ کانا سیّدین (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۱۰۲)	حرب بن معاویہ بن یزید بن معاویہ و یزید بن خالد بن یزید بن معاویہ یہ دونوں سردار تھے۔

اسی خاندان اموی میں حضرت سعیدؓ بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ کے متعلق جو صحابہ صغار میں سے تھے ابن کثیر لکھتے ہیں۔

کان من سادات المسلمین والاجواد المشہورین وکان جدّہ سعید بن العاص رئیساً فی قریش یقال لہ ذو تاج۔	وہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے اور مشہور سخی لوگوں میں سے تھے ان کے دادا سعید بن العاص قریش کے رئیس تھے جو صاحب تاج کہلاتے تھے۔

یہ اموی و مخزومی سادات فضائل ذاتی اور سرداری کے سبب سیّد کہلاتے تھے ان کے اخلاف نے اپنے باپ دادا کے سیّد کہلانے کی بنا پر نہ کبھی اپنے کو نسباً سیّد کہا اور نہ سیادت نسبی کے مدعی ہوئے۔ دوسرے قریشی خاندان سہمی و جمحی وغیرہ امویوں اور مخزومیوں کی بہ نسبت کم مشہور و معروف ہیں لیکن ان کے سربراہ و سردار بھی سیّد کہلاتے تھے۔ اب چند مثالیں ان کی بھی ملاحظہ کیجئے۔

بنو سہم۔ اس قریشی خاندان میں قیس بن عدی اپنے زمانہ کے بڑی ذی وجاہت

سردار تھے۔

قیس بن عدی کان سَیّد قریش فی زمانہ (کتاب نسب قریش ص۳۰۲)	قیس بن عدی اپنے زمانہ میں قریش کے سردار تھے۔

مولف کتاب قریش نے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب قیس مذکور کی اعلیٰ منزلت کے اس درجہ معترف تھے کہ اپنے چھوٹے بچے کو جب پاتوں پر جھلاتے ایک شعر گنگناتے جاتے جس کے پہلے مصرعہ کا مضمون تھا کہ یہ میرا بیٹا شرف و عزت میں قیس بن عدی جیسا ہو۔ کَاَنَّہٗ فی العِزِّ قیس بن عدی۔ انہی قیس کے پوتے خنیس بن حذافہؓ صحابی تھے، غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے ان ہی کی بیوہ حضرت عمر الفاروقؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ تھیں جو ان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور اُم المومنین ہوئیں۔ قیس بن عدی کی بھتیجی الشفا حضرت عمر الفاروقؓ کی حقیقی نانی تھیں، سہمی خاندان کی قرابت ہاشمیوں سے بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیری بہن اروی بنت الحارث بن عبد المطلب ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی کی زوجہ تھیں اور ابو وداعہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تجارت بھی رہے تھے۔

قیس بن عدی کے چچا کی اولاد میں نبیہ بن الحجاج سہمی بھی اپنی قوم کا سردار تھا یعنی سَیّد بنی سہم (جمہرہ ابن حزم ص۱۵۶) اس کا بھتیجا العاصی بن منبہ غزوہ بدر میں مارا گیا تھا مشہور تلوار ذوالفقار اسی العاصی کی تھی جو اس کے مقتول ہو جانے پر مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے العاصی سہمی کی یہ تلوار غزوہ احد میں حضرت علیؓ کو عطا فرما دی تھی۔

بنو جمح ۔ سہمی خاندان کے مورث اعلیٰ سہم بن عمرو کا حقیقی بھائی جمح بن عمرو تھا اس کی اولاد بنو جمح کہلائی ان میں صفوان بن امیہ بن خلف بن جمح مذکور سردار خاندان تھے سکان سَیّداً (جمہرہ ابن حزم) اور ان کے دونوں بیٹے عبد الکریم و عبد اللہ الاصغر بھی کانا سیّدین (جمہرہ ص۱۵۱) یہ صفوان ابتداء میں اسلام کے سخت مخالفین میں تھے فتح مکہ کے بعد کفار کے دوسرے قائدین کی طرح بھاگ گئے تھے ان کے ایک مسلمان عزیز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا سَیّد قومی ہارب خوفاً (انساب الاشراف بلاذری ج ص۳۰۲)

کہ میری قوم کا سردار خوف کی وجہ سے بھاگ گیا ہے رحمۃ اللعالمین نے امان دی پھر یہ آئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی خاندان میں وھب بھی سردار تھے کان سید بنی جمح (کتاب مورج صـ ۹۲)

بنو معیص ۔ اس قریشی خاندان کا سلسلۂ نسب یہ ہے معیص بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر (لقب قریش)۔ بنو معیص میں رواحہ بن المنقذ بن عمرو بن معیص سردار خاندان تھے وکان سیدًا (جمہرہ ابن حزم صـ ۱۶۱) رواحہ کے بھائی الحارث کی اولاد میں مکرز بن حفص وغیرہ بھی اسی منزلت کے تھے۔ ابن حزم نے ان کے بارے میں لکھا ہے من سادات قریش (صـ ۱۶۱) یعنی یہ لوگ سرداران قریش سے تھے۔

غیر قریشی قبیلے

انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کے سادات (سرداروں) کا ذکر آچکا ' خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انصاریوں کو زبانِ مبارک سے سید فرمایا تھا نیز قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کو۔ اب چند دوسرے غیر قریشی خاندانوں کے سادات (سرداروں) کی مثالیں ملاحظہ ہوں:—

۱۔ ہوازن ۔ ان کی متعدد شاخیں تھیں ان میں بنو جشم کا سردار درید بن الصمہ تھا۔

کان درید رئیس بنی جشم وسیدھم (طبری ج ۳ صـ ۱۲۷)	درید بنی جشم کا رئیس اور ان کا سردار تھا

عہد جاہلیۃ میں قریش و بنو کنانہ و ہوازن کے مابین چار مختلف اوقات میں جدال و قتال کے معرکے ہوئے تھے آخری لڑائی اس وقت ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف بروایتِ مختلف چودہ پندرہ برس کا تھا آپ کے تایا زبیر بن عبد المطلب سردار بنی ہاشم شریکِ جنگ تھے۔ آپ اپنے ان تایا کے ساتھ تھے تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ سبب اس جنگ کا یہ تھا کہ ہوازن کے سردار عروہ کو ایک شخص البراض الضمری نے دھوکہ سے قتل کر دیا تھا نیز اس کے دو ساتھیوں کو بھی۔ یہ لڑائی حرب الفجار کہلاتی ہے اس کے ذکر میں سردار ہوازن کے بارے میں کہا گیا ہے "عروہ سید ہوازن" (العقد الفرید ج صـــــ) نیز اس کے قتل کا بدلہ قریش کے دو سرداروں کی جان لئے

جانے کے بارے میں لکھا ہے "ارادھا ان یقتلوا بہ سیداً من قریش"۔
(العقد الفرید ج ۲ ص ۳۷۷)

۲۔ بنو قضاعہ :۔ ان میں جشم بن عمرو بن سعد اپنے خاندان بنو نہد کا سردار تھا :۔

کان جشم سید بنی نہد فی زمانہ (العقد الفرید ص ۴۴۷)	اور جشم اپنے زمانہ میں بنو نہد کا سردار تھا۔
۳۔ بنو ضبیعۃ۔ الحارث بن عبد بن دوفن وکان سید ضبیعۃ فی الجاھلیۃ۔ (المعارف ص ۴۱)	الحارث بن عبد اللہ بن دوفن زمانہ جاہلیت میں ضبیعۃ کا سردار تھا۔
۴۔ بنو غطفان :۔ ومنھم حذیفۃ بن بدر سید غطفان۔ (المعارف ص ۳۰)	اور ان میں حذیفہ بن بدر غطفان کا سردار تھا۔
۵۔ ہمدان۔ کان سعید بن نمران سید ھمدان۔ (کتاب المحبر ص ۳۷۷)	اور سعید بن نمران ہمدانی سردار ہمدان تھے۔
۶۔ غسان :۔ کان عبید بن اوس الغسانی سید اھل الشام (کتاب المحبر ص ۳۷۷)	عبید بن اوس غسانی اہل شام کے سردار تھے۔

۷۔ حمیر :۔ رشید بن عریب بن ابرھہ بن الصباح جو حمیر کے فرمانرواؤں کے پوتے ہوتے تھے اور ملک شام میں آ بسے تھے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

کان سید حمیر بالشام (العقد الفرید ج ۲ ص ۴۴۷)	وہ ملک شام میں قبیلۂ حمیر کے سردار تھے۔

اسی ابرھہ بن الصباح شاہ حمیر کے پوتے کریم بن ابی شعشا معدی کرب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت معبد بن عباس کی دختر سیدہ ۔۔۔ ایک افریقہ کی خاتون کے بطن سے تھیں شادی ہوئی تھی ان کے فرزند النضر بن

یزیم حمیری کا فضائل ذاتی کی بنا پر اہل شام کے سادات میں شمار تھا۔

كان النضر سيدا من سادات اهل الشام (كتاب نسب قريش ص۳۰)	اور نضر اہل شام کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔

۸۔ بنو ذھل:۔ یہ ایک شاخ قبیلہ ربیعہ کی تھی ابن الحرث بن دعلہ سردار تھا۔

الحرث بن وعلة كان سيدا شريفا (العقد الفريد ج ۳ ص۲۲۵)	الحرث بن دعلہ سردار اور صاحب شرف تھا۔

۹۔ بنو قیس:۔ بنو ذھل کے بنو العم قیس بن ثعلبہ میں جعد بن قیس اپنے خاندان کا سربراہ تھا۔

الجعد بن قيس كان شريفا سيدا (العقد الفريد ج ۳ ص۲۴۰)	الجعد بن قیس سردار و صاحب شرف تھا۔

۱۰۔ بنو عجل:۔ یہ بھی ربیعہ کی ایک شاخ تھی ان میں حنظلہ سردار خاندان اور ذی قار کی مشہور جنگ میں قائد تھا۔

حنظلة بن ثعلبة بن سيار كان سيد بني عجل يوم ذي قار۔ العقد الفريد ج ۳ ص۲۳۰	حنظلہ بن ثعلبہ بن سیار جنگ ذی قار میں بنو عجل کا سردار تھا۔

۱۱۔ شیبان۔ مصلقہ بن ہبیرہ اس خاندان کا سردار تھا۔ بنو شیبان بھی ربیعہ کی ایک شاخ تھی۔

مصلقة بن هبيرة كان سيدا شريفا۔	مصلقہ بن ہبیرہ سردار و صاحب شرف تھا

۱۲۔ بنو المصطلق۔ یہ خزاعی خاندان تھا اس کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا۔ اس کی صاحبزادی حضرت جویریہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئیں۔

كانت جويرية بنت الحارث بن ابي ضرار سيد بني المصطلق (جوامع السير ابن حزم ص۲۰۷)	جویریہؓ بنی مصطلق کے سردار الحارث بن ابی ضرار کی دختر تھیں۔

ان ہی چند مثالوں سے آپ کو واضح ہو گیا کہ اہل عرب عہد جاہلیہ کے ہوں یا زمانۂ اسلام کے اپنی مادری زبان کے لفظ سید کو نسب و قومیت کے اظہار میں استعمال

نہیں کرتے تھے خصوصاً عرب جاہلیت جو نسبی تعلیوں اور تفاخر بالآباء کے بری طرح خوگر تھے اپنے خاندانی سرداروں کو منصب سرداری کے اعتبار سے سید کہتے تھے نسب اپنا اپنی خاندانی نسبت سے بتاتے جس پر ان کو فخر و ناز بھی ہوتا۔ ان کی شاعری کا جزء غالب یہی نسبی و قبائلی مفاخرہ ہی تھا۔ جاہلی شعراء کے کلام میں جس کی چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں لفظ سید سردار و سربراہ و مالک و آقا ہی کے معنی میں آیا ہے اظہار نسب میں کہیں نہیں۔

وحدت انسانی

اسلامی برکات میں توحید باری تعالیٰ کے عقیدے کے ساتھ ساتھ وحدت انسانی کا نظریہ بھی ہے اسی نے عربوں کی ذہنیت میں انقلاب عظیم پیدا کر کے نسلی و نسبی نخوت اور فخر و مباہات کی کایا پلٹ دی تھی، حمیت جاہلیہ و عصبیت خاندانی کی جگہ تقویٰ و پرہیزگاری، مساوات و اخوت نے لے لی تھی۔ خاندان اور قبیلے سے انتساب غرور و نخوت کے لئے نہیں محض تعارف اور پہچان کے لئے رہ گیا چنانچہ فرمایا گیا:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

(الحجرات)

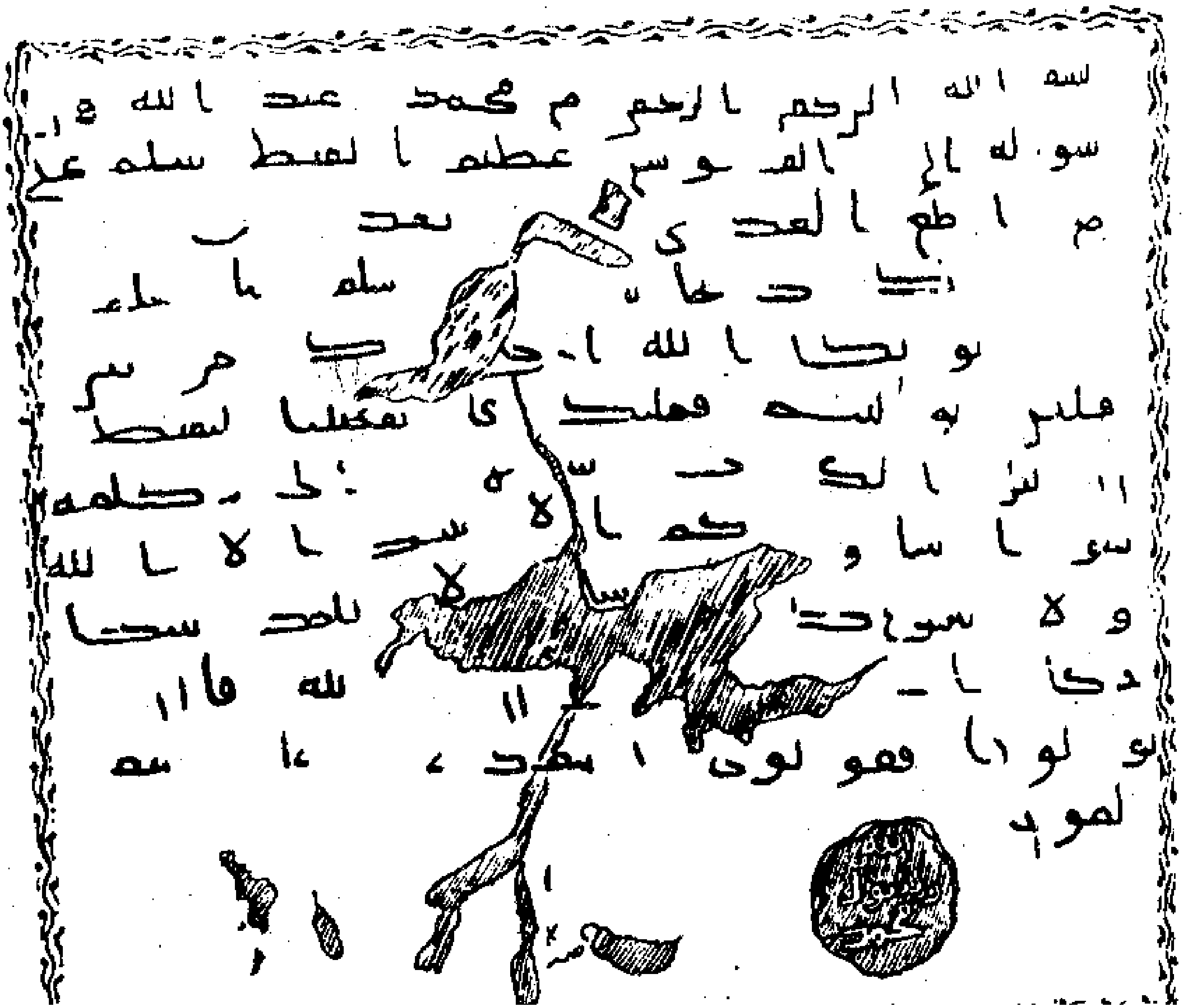
اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک نر و مادہ (مرد و عورت) سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیئے تاکہ باہم جانو پہچانو تحقیق کہ خدا کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے اللہ سب کچھ جانتا اور خبردار ہے

قریش نے جو نخوت نسبی میں بہت زیادہ مبتلا تھے اپنے مرکزی مقام میں پتھر کے محسوس بتوں کے ساتھ حسب و نسب کے گھمنڈ کا ایک معنوی بت بھی گھڑ رکھا تھا فتح مکہ کے وقت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ سے سیکڑوں بتوں کو جہاں مسمار کر دیا تھا حسب و نسب کے غرور و فخر کے بت کا بھی قلع قمع کر دیا اور قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

يامعشر قريش! ان الله قد اذهب نخوة الجاهلية وتكبرها بالآباء كلكم من آدم وآدم من تراب

اے دوستان قریش! اللہ نے جاہلیت کے غرور اور باپ دادا پر فخر کرنے کو آج سے مٹا ڈالا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کا خمیر مٹی سے تھا۔

فرمانِ والا شان حضرت سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) بنام سلطانِ مقوقس مصر



پھر سورۃ الحجرات کی مندرجہ بالا آیت تلاوت فرما کر وحدت انسانی کی تلقین کی ۔ حجۃ الوداع کے مشہور تاریخی خطبہ میں اپنی امت کو جو جو نصیحتیں اور وصیتیں فرمائی تھیں حاضرین کو جن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی یہ حقیقت بتاتے اور ذہن نشین کرتے ہوئے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ صراحتاً اعلان فرما دیا تھا کہ باعتبار رب و تخلیق کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں ۔ ارشاد ہوا تھا ۔

یٰاَیُّھَا النَّاس! اِلَّا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِد وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِد لَافَضل لِعَرَبِیِّ عَلٰی عَجَمِیِّ وَلَا لِعَجَمِیِّ عَلٰی عَرَبِیِّ وَلَا لِاَحْمَر عَلٰی اَسْوَد وَلَا لِاَسْوَد عَلٰی اَحْمَر اِلَّا بِالتَّقْوٰی	اے لوگو! خوب جان لو کہ تمہارا پروردگار بھی تنہا (ایک) ہے اور تم سب کا باپ (آدم) بھی ایک ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری نہیں ہاں مگر پرہیزگاری کے طفیل ۔

فرامین نبوی و مکاتیب صحابہ کرام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سب انسانوں سے بلند و برتر ہے آپ سید البشر سیدالوجود ہیں مگر اسم مبارک کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ نہ کبھی کہلوایا اور نہ لکھوایا آپ کے متعدد نامہائے مبارک اور فرامین کتب سیر و تاریخ میں نقل ہیں جن میں اسم گرامی اس طرح تحریر ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خطوط و تحریرات پر مہر کرنے کے لئے جو انگشتری بنوائی تھی اس میں "محمد رسول اللہ" تین سطروں میں اس طرح نقش کرایا تھا محمد رسول اللہ امت کی خوش بختی سے دو نامہائے مبارک تبرکات نبویہ کی صورت میں موجود ہیں ایک مقوقس حاکم مصر کے نام اور دوسرا منذر بن ساوی حاکم بحرین کے موسومہ ۔ پہلے فرمان کا عکس یہاں شامل کیا جاتا ہے ۔

مکاتیب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ آپ کی سنت کے اتباع میں خلیفہ بلا فصل حضرت ابوبکر الصدیقؓ کا بھی دستور العمل رہا۔ آپ کے مکتوبات اور فرامین فتوح الشام مولفہ ابو اسمٰعیل محمد الازدی میں نیز دوسری کتب میں موجود ہیں جو بیشتر امرائے جیوش اسلامی کے موسوم ہیں یعنی حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ و یزید بن ابوسفیانؓ و خالد بن ولیدؓ سیف اللہ وغیرہم کے نام۔ پھر ان حضرات کی تحریرات اور واقعات کی رپورٹیں ہیں۔ کاتب و مکتوب الیہ کے اسماء اسی سادہ طرز پر بغیر کسی تعظیمی لفظ سید وغیرہ کے لکھے گئے ہیں مثلاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من عبد اللہ ابی بکر خلیفۃ رسول اللہ الی عبیدۃ بن الجراح ....

دیکھیے اس سرنامہ کی اس عبارت "من اللہ کے بندے ابوبکر خلیفہ رسول اللہؐ" کے الفاظ میں تفاخر نسبی تو کجا نہ ولدیت کا اظہار ہے اور خاندان و قبیلہ کا اور نہ سردار و سربراہ ملت کی حیثیت سے لفظ سید کا۔

امراء بھی اسی سادگی سے نام اور منصب لکھتے جو مکتوب بھیجتے سرنامہ کی عبارت مثلاً یہ ہوتی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لعبد اللہ ابی بکر خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ من ابی عبیدۃ بن الجراح ...... (فتوح الشام ازدی ص۱۲)	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے ابوبکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابو عبیدہ بن الجراح کی جانب سے۔

مکاتیب امیر المومنین عمرؓ و دیگر خلفاء

حضرت عمر الفاروقؓ حضرت ابوبکر الصدیقؓ خلیفہ رسول اللہؐ کے جانشین و خلیفہ ہوئے انھیں خلیفۂ خلیفہ رسول اللہؐ سے مخاطب کرنا تکلف سے خالی نہ تھا۔ حسن اتفاق سے چند دن بعد لبید بن ربیعہؓ کوفہ سے مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہنچ کر رہے سے کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ اس مختصر سے لقب امیر المومنین کو سب ہی نے

پسند کیا حضرت علیؓ اس وقت سے حضرت عمرؓ کو نام یا کنیت سے انھیں مخاطب نہ کرتے امیر المومنین ہی کہہ کر خطاب کرتے چنانچہ ابو اسمٰعیل محمد الازدی کی کتاب فتوح الشام میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب ملک شام جانے کا قصد کیا صحابہ سے مشورہ کیا حضرت عثمانؓ وغیرہ جب اپنی رائے دے چکے حضرت عمرؓ نے حاضرین سے پوچھا کسی صاحب کو کچھ اور کہنا ہے حضرت علیؓ نے کہا "نعم یا امیر المومنین" (جی ہاں - امیر المومنین) پھر مختصر سی تقریر میں کئی مرتبہ تخاطب میں یہی الفاظ کہے (ص۲۲ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء) بلا شبہ باعتبار ان عظیم خدمات اور بے مثال کارناموں کے جو حضرت عمرؓ نے تعمیر ملت کے سلسلہ میں انجام دیں اس لقب کیلئے سب سے زیادہ وہی موزوں و مستحق تھے۔ ان کے معاصر جلیل القدر صحابہ ان کو سید المسلمین جانتے ہیں اور ان کے گوناگوں صفات اور اوصاف حمیدہ کے معترف تھے۔ اپنی پاک زندگی کے آخری لمحات میں جب امیر المومنین حسرت سے کہنے لگے ویلٌ عمر وویلٌ امہ ان لم یغفر اللہ لہ یعنی برا ہو عمر اور اس کی ماں کا اگر اللہ اس کی مغفرت نہ کرے۔ حضرت ابن عباسؓ پاس بیٹھے تھے حضرت عمرؓ کے منہ سے یہ حسرت آمیز کلمات سنکر انھوں نے کہا۔

فواللہ لقد کان اسلامك عزاً و امارتك فتحاً ولقد ملاءت الارض عدلاً فقال اتشھد لی بذلك یا ابن عباس! فقال لہٗ علیؓ قل نعم وانا معك۔

(شرح ابن ابی الحدید ج۳ ص۱۱۲)

قسم بخدا آپ کا اسلام لانا تو اسلام کی عزت کا موجب ہوا آپ کی امارت (خلافت) اسلام کی فتح کا باعث ہوئی۔ آپ نے تو عدل و انصاف سے دنیا کو بھر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابن عباس! کیا تم خدا کے سامنے اس کی شہادت دوگے حضرت علیؓ نے اس پر ابن عباسؓ سے کہا کہدو ہاں اور میں بھی تمھارے ساتھ ہوں یعنی شہادت دیتے ہیں۔

یہاں یہ ذکر اس سلسلہ میں آگیا کہ لقب امیر المومنین حضرت عمرؓ ہی کے لئے سب سے پہلے تجویز ہوا تھا ان کے بعد سب خلفاء امیر المومنین کہلائے۔ مکتوبات و فرامین میں یہی لقب لکھا جاتا مگر حد درجہ سادہ عبارت میں۔ نام کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ نہ ہوتا صرف اللہ کے بندے (عبداللہ) کے لفظ ہوتے نہ سیدنا نہ شریف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من عبد اللہ عمر امیر المومنین الی عبیدۃ بن الجراح	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی جانب سے عبیدہ بن الجراح کے نام ......

(فتوح الشام ازدی ص۱۴۱)

جو مکتوبات امیر المومنین کو بھیجے جاتے سرنامہ کی یہی سادہ عبارت ہوتی مثلاً۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لعبد اللہ عمر امیر المومنین من ابو عبیدۃ بن الجراح	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کے نام ابو عبیدہ بن الجراح کی جانب سے ......

(فتوح الشام ازدی ص۱۴۱)

صحابۂ کرام امرائے جیوش اسلامی اپنے مکتوب میں خلیفہ کے نام کے ساتھ سوائے خلیفہ کے منصبی لقب امیر المومنین کے نہ کوئی تعظیمی لفظ لکھتے ورنہ اپنے نام کے ساتھ اپنے عہدہ کا یا اپنی خاندانی نسبت کا اظہار کرتے۔ حضرت عمرؓ کے بعد سب خلفاء کا یہی دستور العمل رہا۔ حضرت عثمانؓ کا وہ مشہور تاریخی مکتوب ہے جو ان ایام میں کہ بلوائیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر رکھا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہاتھ مکہ معظمہ بھیجا تھا۔ کہ حج کے موقع پر دنیائے اسلام کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے مسلمانوں کو سنا دیں۔ اس مکتوب کے شروع کے الفاظ بھی اسی سادگی سے تحریر کئے گئے تھے یعنی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من عبد اللہ عثمان امیر المومنین الی المومنین والمسلمین	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے عثمان امیر المومنین کی جانب سے مومنین و مسلمین کے نام ....

(طبری جلد ۵ ص۱۴۰)

یہی صورت و کیفیت دیگر خلفاء حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ امیر یزیدؒ وغیرہم کے مکتوبات کی تھی ناسخ التواریخ کے شیعہ مورخ تک نے وہ مکتوب درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد عامل مدینہ کے نام ارسال کیا تھا۔ شروع کا فقرہ یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من عبد اللہ یزید امیر المومنین الیٰ فلان .... (تاریخ التواریخ ج ۲ از کتاب دوم ص۱۵۵)	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے یزید امیر المومنین کی جانب سے فلاں کے موسومہ۔

امیر المومنین یزیدؒ کو عمالِ خلافت و سپہ سالارِ افواج جو مکتوب و رپورٹ ارسال کرتے اس کے سرنامہ کی عبارت بھی اسی طرح سادہ الفاظ میں ہوتی۔ مثلاً:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لعبد اللہ یزید بن معاویۃ امیر المومنین من مسلم بن عقبۃ سلام علیک یا امیر المومنین و رحمۃ اللہ۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص۲۲۵)	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے یزید بن معاویہ امیر المومنین کی خدمت میں من جانب مسلم بن عقبہ۔ اے امیر المومنین تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔

مکاتیب حسین بن علیؓ

ابن جریر طبری اور دوسرے شیعہ مورخین نے حضرت حسینؓ کے موسومہ چند مکتوب درج کئے ہیں جو کوفہ کے شیعہ لیڈروں نے ان کو اس غرض سے بھیجے تھے کہ وہ جلد سے جلد کوفہ آجائیں جہاں ان کی خدمت اور مدد کے لئے لشکر تیار ہے یہ بھی لکھا تھا کہ جیسے ہی آپ کے آنے کی اطلاع ملی ہم موجودہ حکومت کے گورنر کو نکال باہر کر دیں گے۔ بعد کے مورخین میں سے علامہ ابن کثیرؒ نے ان خطوط کے مضمون کو حضرت حسینؓ کے خروج کا خاص باب قائم کر کے نقل کیا ہے۔ اس باب کا عنوان ہے۔

قصۃ الحسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما وسبب خروجہ باھلہ من مکۃ الی العراق فی طلب الامارۃ وکیفیۃ مقتلہ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۱۴۹)	قصہ حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور سبب ان کے مکہ سے عراق کو خروج کرنے کا مع اپنے گھر والوں کے بغرض طلب امارت (خلافت) اور کیفیت ان کے مقتول ہونے کی۔

پہلا خط بقول طبری اس وقت لکھا گیا تھا جب کوفہ کے شیعہ لیڈر سلیمان بن صُرد

کے گھر میں حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر سنکر جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں حاضرین سے کہا گیا کہ تم حسین کے اولیائے والد کے طرفداروں میں ہو اگر ان کے مخالف سے لڑنے میں اُن کی مدد کرنا چاہتے ہو تو ان کو کوفہ آنے کی دعوت دو اور خط بھیجو چنانچہ پہلا خط جو بھیجا گیا اس کے شروع کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم لحسین بن علی من سلیمان بن صُرد والمسیب بن نجبۃ و رفاعہ بن شداد و حبیب بن مظاہر و شیعتہ من المؤمنین والمسلمین من اھل الکوفۃ۔ (طبری ج صـ۱۹۷ و الامامۃ والسیاسۃ ج و ناسخ التواریخ و دیگر کتب)	حسین بن علی کو سلیمان بن صُرد و مسیب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد و حبیب بن مظاہر اور کوفہ کے شیعہ مومنین و مسلمین کی جانب سے ....

طبری کے اسی صفحے پر ان ہی کوفیوں کا دوسرا مکتوب بھی درج ہے جس کے ابتدائی الفاظ اور مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لحسین بن علی من شیعتہ من المؤمنین والمسلمین۔ اما بعد۔ فحی ھلا فان الناس ینتظرونک ولا رای فی غیرک فالعجل العجل والسلام علیک (ایضاً صـ۱۹۷)	حسین بن علی کو ان کے شیعہ مومنین و مسلمین کی طرف سے جلدی تشریف لے آئیے لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ ان کی رائے آپ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ پس جلدی کیجئے! والسلام علیک۔

ملّا باقر مجلسی نے ان خطوط کے ابتدائی کلمات کا ترجمہ فارسی میں یوں کیا ہے :۔

ا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ این نامہ ایست بسوئے حسین بن علی از جانب سلیمان بن صُرد خزاعی و مسیب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر و سائر شیعیان او از مومنان و مسلمانان اہل کوفہ۔ (جلاء العیون صـ۳۹)

۳۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ایں عریضہ ایست بخدمت حسین بن علی از شیعیان و فدویان و مخلصان آں حضرت اما بعد بزودی خود را بدوستان وہواخواہان خود برسان کہ ہمہ مردم ایں ولایت منتظر قدوم مسرت لزوم تو اند بسوئے غیر تو رغبت نمی نمایند البتہ بتعجیل تمام خود را بایں مشتاقان مستہام برساں ۔ والسلام ۔
(جلاء العیون ص۳۹۹)

یہ خطوط ۶۰ھ کے نوشتہ ہیں اس وقت تک مذہبی عقائد کا اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا سیاسی پارٹیاں البتہ بن گئی تھیں ان ہی کو شیعان علیؓ و شیعان معاویہؓ کہا جاتا تھا چنانچہ کوفی شیعوں نے ان خطوط میں حضرت حسینؓ کا نام اس زمانہ کے عام رواج کے مطابق بغیر کسی تعظیمی لفظ یا سید کے سادہ طور سے لکھا ہے۔ لفظ امام بھی ان کے نام کے ساتھ شامل نہیں کیا ہے[لہ]۔ تیسرا مکتوب کوفیوں کے سات لیڈروں کی جانب سے بھیجا گیا تھا جن میں شبث ربعی و یزید بن رویم و یزید بن الحارث و محمد بن عمیر التیمی وغیرہ شامل تھے طبری نے ان الفاظ میں اسے نقل کیا ہے :۔

اما بعد ۔ فقد اخضر الجناب و اینعت الثمار فاقدم علی جند لک مجند والسلام علیک	تو اجی کوفہ کا سبزہ زار لہلہا رہا ہے میوے پختہ ہو گئے ہیں چشمے چھلک رہے ہیں آپ جب جی چاہے ادھر تشریف لائیے آپ کے (حکم بجا لانے کو) یہاں لشکر تیار موجود ہے ۔

ملا باقر مجلسی نے آخری جملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے "لشکر ہائے تو مہیا و حاضر اند شب و روز انتظار مقدم تو میبرند"۔

لہ اماموں کی فہرست کے وضع و مرتب کئے جانے میں ابھی تقریباً دو سو برس کی مدت باقی تھی۔ حضرت علیؓ جن کو پہلا امام قرار دئے لیے ہے خلفائے ثلاثہ کی بیعت میں داخل تھے ان ہی کی امامت میں نمازیں ادا کرتے ان ہی کی امارت حج میں ارکان حج بجالاتے ان کے بعد حضرت حسن و حسینؓ حضرت معاویہؓ کی بیعت میں داخل تھے اور گرانبہار قوم وظائف و عطیات ان کے جود و کرم سے حاصل کرتے رہے تھے۔ حضرت حسینؓ تو امیر یزیدؒ کی قیادت و سپہ سالاری میں جہاد قسطنطنیہ میں موجود تھے امیر عسکر کی امامت میں نمازیں پڑھتے اور تین سال متواتر ان کی امارت حج میں ارکان حج ادا کرتے رہے اسی طرح حضرت حسینؓ کی اولاد و احفاد اپنے اپنے وقت کے خلفاء کی بیعت میں داخل رہے۔

حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے خطوط کے جواب میں جو مکتوب بھیجا تھا اس کے ابتدائی فقرات شیعہ مورخین نے یوں لکھے ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من حسین ابن علی الی الملاء من المؤمنین والمسلمین اما بعد۔ فان ھانئا وسعیداً قدما علی بکتبکم وکانا آخر من قدم علی من رسلکم وقد فھمت کل الذی اقتصصتم وذکرتم ومقالۃ جلکم انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الھدیٰ والحق۔ .... (طبری ج ۶ ص ۱۹۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسین بن علی کی طرف سے جماعت مومنین ومسلمین کو۔ ہانی وسعید تم لوگوں کے خطوط لیکر میرے پاس آئے۔ تمھارے قاصدوں میں یہ دونوں شخص سب سے آخر میں وارد ہوئے جو کچھ تم نے لکھا اور بیان کیا ہے اور تم سب لوگوں کا یہ قول ہے کہ ہمارا کوئی امام (لیڈر) نہیں ہے آپ آیئے تو شاید آپ کے سبب سے اللہ ہم کو ہدایت اور حق پر مجمع کر دے۔

ملّا باقر مجلسی نے فارسی ترجمہ میں "شیعان" کا اضافہ کرکے لکھا ہے کہ:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایں نامہ ایست از حسین بن علی بسوئے گروہ مومنان ومسلمانان وشیعان..." اس کے آگے کی عبارت کے ترجمہ کے بعد حضرت حسینؓ کا یہ قول بھی تحریر کیا ہے کہ "در جمیع نامہا نوشتہ بودید کہ ما امامے نداریم بزودی بیا نزد ما" یعنی ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ جلد ہمارے پاس آجائیے"

پھر ایک اور رضا شیعہ مورخ طبری و ناسخ التواریخ کے مولف نے درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے دوران سفر کوفیوں کو بھیجا تھا اس میں بھی اپنا نام اسی طرح تحریر کیا تھا یعنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من حسین بن علیؓ الی اخوانہ من المؤمنین والمسلمین (طبری ج ۶ ص ۲۲۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حسین بن علیؓ کی جانب سے برادران مومنین ومسلمین کو۔

کوفی شیعوں نے اپنے ان خطوط میں جن کے ابتدائی فقرات اوپر نقل ہوئے حضرت حسینؓ کو نہ سیّد لکھا اور نہ امام اور خود حضرت حسینؓ نے بھی اپنے نام کے ساتھ نہ امام لکھا اور نہ سیّد۔ کوفیوں نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ جلدی آجائیں تو شاید خدا تعالیٰ آپ کی برکت سے ہمیں حق پر مجمع کر دے ان کے اسی قول کو حضرت حسینؓ نے بھی اپنے مکتوب میں

دوہرا دیا ہے اس سے بخوبی واضح ہے کہ نہ کوفی ان کو امام معصوم و منصوص من اللہ جانتے تھے اور نہ حضرت حسینؓ ہی اس کے مدعی تھے ورنہ وہ اگر اپنے کو امام سمجھتے اور امام معصوم ہونے کے مدعی ہوتے تو کوفی شیعوں کے اس قول پر کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے ڈانٹ بتاتے اور کہتے ہم تو تمام شیعوں کے لئے خدائے تعالیٰ کے منصوص اور مقرر کردہ امام ہیں پھر تم یہ کیا بکواس کرتے ہو کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے مگر حضرت حسینؓ کے خط میں ایسا کوئی فقرہ نہیں ہے برخلاف اس کے آخری خط میں تو صاف لکھ دیا ہے کہ یہ خط "برادران مومنین و مسلمین کے نام ہے" وہ اگر اپنے کو امام جانتے تو یوں کہتے کہ یہ "ہدایت نامہ ہے اپنے متبع شیعوں کے نام"۔ کوفیوں کو تو ایک ایسے امام (لیڈر) کی ضرورت تھی جس کی شخصیت عوام کے لئے جاذب نظر اور کشش ہوتا کہ اس کی قیادت میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد کامیابی کے ساتھ کی جاسکے چنانچہ حضرت حسینؓ کی امداد و نصرت کے لئے لشکر کے جتھا و تیار ہونے کا جھانسہ اپنے خط میں دیا ہے اور نواحی کوفہ میں سبزہ لہلہانے، میوے پختہ ہونے اور چشموں کے چھلکنے کے سبز باغ دکھا کر جو غداری کی جس کے نتیجے میں کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا سب کو معلوم ہے بیان اس کا یہاں مقصود نہیں عرض کرنا یہ ہے کہ ان ہی غدار کوفیوں و عجمیوں کے جانشینوں نے بعد کی چند صدیوں میں ہزاروں لاکھوں حدیثیں اور روایتیں گھڑ کر غیر طبقاتی اُمت کی وحدت کو مٹانے کی غرض سے شریف و وضیع طبقے قایم کرنے کی کوششیں کیں جن کے لئے القاب بھی وضع کئے گئے لیکن چند صدیوں بعد تک تو صحیح النسب قریشی و ہاشمی ولم تزویر میں نہ پھنس سکے سلف صالحین کے مسلک پر رہے جس کی چند مثالیں یہاں اب پیش کی جاتی ہیں :-

بنی ہاشم اور سیادت نسبی

یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ بنی ہاشم نسباً قریش ہی کی ایک شاخ ہیں، انھیں دیگر قریشی خاندانوں بلکہ کل عرب اولاد سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام پر یہ فضیلت بلاشبہ حاصل ہوئی کہ سید البشر حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہاشمی خاندان میں ہوئی، اور ہاشم کے صرف ایک فرزند عبدالمطلب ہی سے ہاشم ہی کی نسل چلی باعتبار نسب اور قومیت سب قریشی خاندان اور خاندان بنو عبدالمطلب (ہاشمی) یکساں ہیں مگر ہر دور

زمانہ جب مناقب کی حدیثیں وضع ہونا شروع ہوئیں۔ بنو عبدالمطلب کی سیادت کی عموماً اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، علیؓ بن ابی طالب اور ان کے دو صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ وغیرہ کی سیادت کی حدیثیں خصوصاً وضع ہوئیں۔ چند وضعی حدیثیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا۔ ہے یعنی

بنو عبد المطلب سادات اھل الجنۃ۔ (ینابیع المودۃ از جامع الصغیر سیوطی ص۱۵۰)	عبدالمطلب کی اولاد اہل جنت کی سردار ہے
۲۔ عن العباس قال جئت انا وعلی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما رآنا قال تم لکما انا سید ولد آدم وانتما سیدا العرب (کنز العمال ص۳۳)	حضرت عباس سے روایت ہے کہ میں اور علی آنحضرت صلعم کی خدمت میں گئے۔ جب ہم کو آپ نے دیکھا تو فرمایا تمھیں مبارک ہو میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں اور تم دونوں عرب کے سردار ہو۔
۳۔ عن ابن مسعود قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشل ید العباس بن عبد المطلب قال ھذا عمی وصنوابی وسید عمومتی من العرب وھو معی والسنام الاعلیٰ من الجنۃ (ابن النجار از کنز العمال ص۶۸)	ابن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا حضرت عباس کے ہاتھ کو پکڑ کر اونچا کیا اور فرمایا یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور میرے چچوں میں عرب کے سردار ہیں اور میرے ساتھ ہوں گے جنت کے اعلیٰ حصہ میں۔

۴۔ حضرت علیؓ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ:۔

یا علی! انت سید فی الدنیا و سید فی الآخرۃ (محب الدین طبری)	اے علی! تم دنیا میں بھی سردار ہو آخرت میں بھی سردار ہو۔
۵۔ عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابنای ھذان الحسن والحسین سیدا	ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے یہ دونوں بیٹے حسن و حسین نوجوانان جنت کے سردار ہیں

شباب اهل الجنة وابوهما خیر منهما۔ اوران کے باپ ان دونوں سے بہتر ہیں۔

(کتاب الصواعق المحرقہ)

مگر ان وضعی احادیث میں باعتبار مضمون لفظ سید سے مراد نسبی سیادت نہیں بلکہ اُن حضرات کو جنت کے لوگوں کا سردار بتایا گیا ہے۔ حدیثیں وضع کرنے والے نے شاید اس دنیا پر قیاس کرکے جنت میں بھی افسری و ماتحتی، سرداری و بندگی کو ضروری سمجھا اور یہ خیال نہ کیا کہ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد کسے را با کسے کارے نہ باشد

یہ بات بھی اس سلسلہ میں قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کے اسمائے گرامی کسی عہد و زمانے میں بھی لفظ سید کے ساتھ سید عباسؓ بن عبدالمطلب، سید علیؓ بن ابی طالب، سید حسن بن علی بن ابی طالب، سید حسین بن علی بن ابی طالب لکھے ہوئے نہیں ملتے نہ کتب تاریخ و تذکرے میں، نہ کتب انساب میں اور نہ خطبات میں نہ لوگوں کی زبانوں پر۔ لفظ سید نا البتہ احتراماً کہا جاتا ہے لیکن اظہار نسب و قومیت کے لئے قریشی، ہاشمی، عباسی، طالبی ابتداءً اور بعد میں علوی وجعفری وعقیلی وحسنی وحسینی مستعمل رہے۔ مزید توضیح کے لئے اولاد حسنینؓ کے اسماء اور سلسلۂ نسب کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن میں ان کو نسباً طالبی وعلوی وحسنی وحسینی کہا گیا ہے نہ مجرد سید :-

حسنی خاندان حضرت حسن بن علیؓ بن ابی طالب طبعاً مرنجان مرنج، نرم خو و صلح جو تھے، مسلمانوں کے دو متحارب گروہوں میں صلح کرانے کی پیش گوئی میں الخیر، جو سید فرمایا گیا تھا اس سے نسبی سیادت اور قومیت مراد نہیں، صلح صفائی کا جو کام ان کی دوربینی و عاقبت اندیشی سے انجام پذیر ہوا وہ ایک سردار (سید) ہی کے شایانِ شان تھا۔ ان کی اولاد میں تیرہ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔

زید بن حسن :- بیٹوں میں بڑے زید تھے جو ایک انصاری خاتون ام بشر بنت ابو مسعود عقبہ انصاری کے بطن سے تھے۔ ان زید بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں ایک ہی بیٹے حسن تھے اور ایک ہی بیٹی نفیسہ تھیں جو امیر المومنین الولید بن عبدالملک بن مروان اموی کی زوجیت میں تھیں بقول شیعہ مولف عمدۃ الطالب :-

وکان لزید ابنة اسمها نفیسة
خرجت[1] الی الولید بن عبد الملک
بن مروان فولدت منه ......
وکان زید یفد علی الولید بن
عبد الملک ویقعد علی سریره
ویکرمه لمکان ابنته ووهب
له ثلثین الف دینار دفعة
واحدة

(ص ۴۹)

اور ان زید (بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب)
کے ایک بیٹی تھی جس کا نام نفیسہ تھا وہ نکل کر
ولید بن عبد الملک بن مروان کے پاس چلی
گئی اور اس سے اولاد ہوئی ......
زید ولید بن عبد الملک کے پاس جایا کرتے
تھے۔ وہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے
اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتے
انھوں نے زید کو صرف ایک ہی مرتبہ تین لاکھ
دینار عطا کئے تھے۔

حضرت حسن بن علی بن ابی طالب کے اُن پوتے حسن بن زید کا تذکرہ شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے ان الفاظ میں کیا ہے:-

حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی
طالب علیه السلام وکان حسن بن
زید یکنی ابا محمد وولد الحسن
بن زید محمد والقاسم وام کلثوم
بنت حسن تزوجها ابو العباس
امیر المومنین فولدت له غلامین
هلکا صغیرین وعلیا وزیدا و
ابراهیم وعیسی واسمعیل و
اسحق الاعور وعبد الله وکان

حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب
علیہ السلام ان حسن بن زید کی کنیت ابو محمد
تھی۔ ان کے بیٹے محمد اور قاسم اور بیٹی
اُم کلثوم تھیں جن سے امیر المومنین ابو
العباس (عبداللہ السفاح عباسیؒ) نے شادی
کی تھی دو بیٹے بھی ان کے ہوئے تھے جو بچپن
میں مر گئے تھے نیز علی و زید و ابراہیم و عیسیٰ
و اسمٰعیل و اسحٰق الاعور و عبداللہ بھی حسن
بن زید کی اولاد تھے حسن بن زید بڑے

---

[1] شیعہ مولف نے حضرت حسنؓ کی پوتی کے اموی خلیفہ کی زوجیت میں آنے کا ذکر کس سفیہانہ لہجے میں کیا ہے ہاشمی اور اموی خاندان میں جو ایک ہی گھرانے کی دو شاخیں اور حقیقی بھائیوں کی اولاد تھے باہم رشتے ناتے تو شروع ہی سے ہوتے رہے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کو اسی اموی خاندان میں بیاہا تھا۔ جناب زید کا اپنی بیٹی کو حضرت مروانؓ کے پوتے کے عقد میں دینا شیعہ مولف کو ایسا ناگوار ہوا کہ اپنے امام دوئم کی پوتی کی شادی کے بارے میں یہ سفیہانہ لہجہ بیان کا اختیار کیا ہے۔

حسن بن زید عابداً فولاہ ابو جعفر المدینۃ فولیھا خمس سنین (طبری ج۹ صـــ)	عبادت گذار تھے ابوجعفر المنصور عباسیؒ نے ان کو مدینہ کا والی مقرر کیا تھا پانچ برس تک والی رہے۔

شیعہ مورخ اپنے امام دوئم کا اوران کے بیٹے پوتے کا سلسلۂ نسب لکھتے وقت شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام تو لکھتے ہیں مگر کسی نام کے ساتھ سیّد نہیں لکھتے نیک دوسرے شیعہ مولف اور نساب جو خود بھی نسباً حسنی ہیں یعنی عمدۃ الطالب کے مصنف انہیں نسب میں جا بجا طالبی و علوی لکھتے ہیں سیّد نہیں کہتے۔

معہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے حضرت حسنؓ کے یہ بڑے صاحبزادے زید اور پوتے حسن بن زید بھی دیگر تابعین کرام کی طرح اموی و عباسی خلفا کو صحیح الامارت اور جائز امام و امیرالمومنین جانتے اور ان کی بیعت میں داخل تھے اور جیسا ابھی بیان ہوا زید کی صاحبزادی اموی خلیفہ کی زوجہ تھیں اور حسن کی دختر نیک اختر عباسی خلیفہ کے عقد میں تھیں۔ یہ دونوں باپ بیٹے قایم خلافتوں کے خلاف خروجوں اور بغاوتوں کے سخت مخالف تھے باغیوں کی ریشہ دوانیوں کی اطلاعات حکومت کو پہنچاتے رہتے تھے عمدۃ الطالب کے غالی مؤلف کو ان حضرات کا طرز عمل کیوں پسند ہوتا چنانچہ تنقیصاً لکھتے ہیں:۔

الحسن بن زید ویکنی ابا محمد وکان امیرالمدینۃ من قبل المنصور الدوانقی	حسن بن زید کی کنیت ابومحمد تھی وہ (خلیفہ) المنصور دوانقیؒ[1] کی جانب سے امیر مدینہ تھے

[1] دوانق جمع ہے دانق کی جو دمڑی کو کہتے تھے۔ رافضی وغالی شیعہ مولفین امیرالمومنین ابوجعفر عبداللہ المنصور عباسی علیہ الرحمۃ کو تنقیصاً دوانقی کہتے تھے چونکہ سرکاری حساب وکتاب کی جانچ میں ایک ایک پائی کا حساب لیتے تھے لیکن بذل وعطا میں خصوصاً علماء کے عطایا میں بہت مخیر تھے امام مالکؒ سے حدیث کی پہلی کتاب الموطا مرتب کرائی ہزاروں اشرفیاں اس خدمت کے لئے انھیں دوائیں۔ ابن اسحٰق سے سیرت النبی لکھوائی امام ابوحنیفہؒ سے فقہ اسلام کی تدوین کرائی۔ علمی کتب کے تراجم کا محکمہ قائم کرایا اور ان علمی کاموں کے لئے دریا دلی سے روپیہ صرف کیا۔ روافض کو ان علمی کارناموں سے غرض ہی کیا اور واسطہ ہی کیا وہ تو سوائے چند اشخاص کے جنھیں انہوں نے اپنا امام قرار دے لیا تھا۔ ملت اسلامیہ کی ہر بلند و بالا شخصیت کی تنقیص میں طرح طرح کے اکاذیب و اباطیل تراشتے رہتے جن میں سے کچھ نادان غیر شیعہ مولفین نے بھی اخذ کرکے اپنی کتابوں میں داخل کر لئے ہیں۔

وعمل له غير المدينه وكان مظاهرا لبني العباس على بني عمه الحسن المثنى وهو اول من لبس السواد من العلويين۔ (ص۴۹)

اور مدینہ کے علاوہ بھی ان کے عامل رہے وہ اپنے چچا حسن مثنیٰ کی اولاد (کی حرکتوں) کی مخبری بنی عباس سے کرتے تھے اور علویوں میں وہ ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے سیاہ (سرکاری) لباس اختیار کیا تھا۔

ان حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کے آٹھ بیٹے ہوئے جن میں سے پانچ سے نسل چلی ان میں سے ایک قاسم بن حسن بن زید مذکور تھے جن کے بارے میں یہی شیعہ مولف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ:۔

وكان زاهداً عابداً ورعاً الا انه كان مظاهراً لبني العباس على بني عمه الحسن المثنى (ص۵۰)

اور وہ زاہد و عابد اور متقی تھے مگر وہ اپنے چچا کے بیٹوں حسن مثنیٰ کی اولاد کی مخبری بنی عباس سے کیا کرتے تھے۔

قاسم مذکور کے ایک بھائی اسحٰق بن حسن کو بھی ان شیعہ مولف نے اولاد حسن مثنیٰ یعنی اپنے چچیرے بھائیوں پر عباسیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا ہے لکھا ہے کہ:۔

واسحٰق يكنى ابا الحسن كان اعور يلقب الكوكبي وامه ام ولد بحرانية وكان مع الرشيد قيل انه كان يسعى بآل ابي طالب اليه وكان عينا للرشيد عليهم وسعى بجماعة العلويين اليه وقتلوا برائيه۔ (ص۵۰)

اور اسحٰق ان کی کنیت ابوالحسن تھی اور وہ یک چشم (کانے) تھے لقب کوکبی تھا ان کی ماں بحرینی کنیز تھی وہ (خلیفہ ہارون) الرشید کی مصاحبت میں تھے کہتے ہیں کہ وہ آل ابی طالب کی مخبری خلیفہ سے کیا کرتے تھے اور (خلیفہ ہارون) الرشید کی جانب سے ان پر جاسوس تھے انھوں نے ہی علویوں کی ایک جماعت کی مخبری ان سے کی تھی اور ان ہی کی رائے سے قتل کئے گئے تھے۔

یہ شیعہ مولف ان حسنی اکابر کی قومیت ونسب کے اظہار میں علوی اور علویین تو لکھتے ہیں سید نہیں لکھتے اور لفظ سید ... سرداری و احترام ... استعمال کرتے ہیں مثلاً

اسی خاندان کے ایک شخص ابو جعفر محمد کے بارے میں کہتے ہیں "ابو جعفر محمد کان سیداً بالمدینہ (ص...) یعنی ابو جعفر محمد مدینہ میں محترم شخصیت تھے"

جناب زید بن حسن بن ابی طالب کی نسل ان کے اکلوتے فرزند حسن کے پانچ بیٹوں قاسم و علی و زید و اسحٰق و اسمٰعیل کی اولاد سے خوب پھیلی۔ تیسری صدی ہجری میں اس خاندان کے بعض من چلے طالبان جاہ طبرستان و دیلم وغیرہ میں سیاسی اقتدار کے حصول کی کوششوں میں چلے گئے اور وہیں مسکن گزین ہوئے بعض کامیاب بھی ہوئے مثلاً حسن و محمد فرزندان زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن مذکور نے ۲۵۰ھ میں دیلم اور طبرستان میں عباسی خلافت کے خلاف بغاوت کر کے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنی قومیت طالبی و علوی بتاتے تھے چنانچہ وہ اور ان کے اہل خاندان اسی خاندانی نسبت سے مشہور و معروف تھے نہ لفظ سید سے بلکہ ۲۸۷ھ میں محمد بن زید مذکور ایک معرکہ میں مجروح ہو کر مر گئے۔ ابن جریر طبری و دیگر مورخین نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے بعنوان "محمد بن زید العلوی" ان کے حالات لکھے ہیں نسباً علوی لکھا ہے نہ سید۔ اس خاندان کے لوگ مختلف دیار و امصار میں آباد تھے اپنی خاندانی نسبت ہاشمی و طالبی و علوی سے مشہور رہے۔ مثلاً :-

ان محمد بن زید العلوی کے بنی عم میں سے ابو محمد عبداللہ تھے جو مصر میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۳۴۸ھ میں فوت ہوئے وہ قومیت کے اعتبار سے ہاشمی اور سکنی نسبت کے لحاظ سے مصری کہلاتے تھے۔ علامہ ابن کثیر ان کے حالات میں لکھتے ہیں :-

ابو محمد عبد اللہ بن علی بن الحسن بن ابراھیم بن طباطبا بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب الہاشمی المصری کان من ساداتہا و کبرائہا۔ (البدایہ ج ص ۲۳۵)	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن علی بن حسن بن ابراہیم بن طباطبا بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب ہاشمی مصری وہ وہاں کے محترم اور معزز لوگوں میں سے تھے۔

قومیت کے اظہار میں ہاشمی کہا ہے اور احتراماً سید۔

جناب زید بن حسن کی نسل میں ایک بلند پایہ عالم حسن بن داؤد بن علی بن عیسیٰ بن محمد

بن قاسم بن حسن بن زید مذکور تھے جو اپنے نسب اور قومیت کے اعتبار سے "ابوعبداللہ العلوی الحسنی" کہلاتے تھے سنہ ۳۵[illegible]ھ میں وفات ہوئی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے تذکرے میں حاکم نیشاپوری کا جو کچھ عرصہ ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے یہ قول نقل کیا ہے کہ :-

ابوعبداللہ کان شیخ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عصرہ بخراسان وسید العلوم فی زمانہ وکان من اکثر الناس صلاۃ وصدقۃ ومحبۃ للصحابۃ وصحبتہ مدۃ فما سمعتہ ذکر عثمان الا قال : الشہید ویبکی وما سمعتہ ذکر عائشۃ الا قال الصدیقۃ بنت الصدیق، حبیبۃ حبیب اللہ ویبکی۔

(البدایہ ج ۱۱ ص ۲۶۱)

ابوعبداللہ اپنے زمانہ میں خراسان میں خاندان رسالت کے بزرگ (شیخ) تھے اور اپنے عہد کے سید العلوم تھے وہ سب لوگوں سے زیادہ نماز پڑھنے والوں صدقہ دینے والوں اور صحابہ سے محبت کرنے والوں میں تھے۔ مدت تک میں نے ان کی صحبت اٹھائی تھی اور کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا ہو اور "الشہید" نہ کہا ہو اور یہ کہہ کر وہ رو دیتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کا ذکر کرتے اور کہتے "صدیقہ بنت الصدیق حبیبہ حبیب اللہ" اور یہ کہہ کر رو دیتے تھے۔

حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب :- یہ زید بن حسنؓ کے سوتیلے بھائی حضرت حسنؓ کے منجھلے بیٹے تھے ان کی والدہ خولہ بنت منظور قبیلہ بنی ہلال کی خاتون تھیں حسن مثنیٰ اپنے چچا حضرت حسینؓ کے بھی داماد تھے فاطمہ بنت حسینؓ ان کی زوجہ تھیں کربلا میں اپنے خسر کے ساتھ گئے اور صحیح سلامت واپس آئے تھے۔ حادثہ کربلا سے ۳۶ برس بعد ۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

ان حسن مثنیٰ کے چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں گیارہ اولادیں تھیں۔ بڑے بیٹے عمر تھے ان کی کے نام سے ان کے والد کی کنیت ابو محمد تھی۔ ان محمد بن حسن مثنیٰ کی والدہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی بھانجی سیدہ رملہ بنت حضرت سعیدؓ بن زید[1] عمر بن نفیل تھیں۔ حسن مثنیٰ کی زوجہ ثانیہ

---

[1] یہ زید بن عمرو حضرت عمر فاروق اعظم کے حقیقی چچیرے بھائی تھے اور ان اشخاص میں سے ایک تھے جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بت پرستی ترک کر دی تھی اور موحد ہو گئے تھے۔ (بقایا صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ کیجئے)

سیدہ فاطمہ بنت الحسین کے بطن سے تین بیٹے عبد اللہ، حسن و ابراہیم اور دو بیٹیاں زینب و ام کلثوم تھیں۔ زینب بھی اموی خلیفہ امیرالمؤمنین الولید بن عبد الملک بن مروانؒ کی زوجیت میں آئیں۔ کتاب نسب قریش کے مؤلف مصعب زبیری لکھتے ہیں :-

وکانت زینب بنت حسن بن حسن بن علی عند الولید بن عبد الملک بن مروان وھو خلیفۃ (ص۵۲)	اور حسن بن حسن بن علی (بن ابی طالب) کی دختر زینب الولید بن عبد الملک بن مروان کی زوجہ تھیں اور وہ (ولید) اس وقت خلیفہ تھے۔

دوسری بیٹی ام کلثوم امامیہ کے پانچویں امام جناب محمد بن علی بن حسینؒ کے عقد میں تھیں اس رشتہ سے حضرت مروانؓ کے پوتے الولید اور جناب محمد بن علی بن حسینؒ جنھیں امامیہ نے ایک وضعی حدیث کی بنا پر الباقر کا لقب دے رکھا ہے ہم زلف تھے۔

حسن مثنیٰ باعتبار نسب و قومیت "القرشی الہاشمی" کہلاتے تھے۔ علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے ان کا تذکرہ اس عنوان سے کیا ہے :-

"الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ابو محمد القرشی الہاشمی"

خاندان عبد اللہ بن حسن مثنیٰ | حسن بن حسن (یعنی حسن مثنیٰ) کے فرزند عبد اللہ کی وفات ۱۴۵ھ میں ہوئی ۷۰ سال کی عمر پائی یہ عبد اللہ حضرت حسینؓ کے نواسے تھے۔ شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے ان کی وفات کے ذکر میں نام و نسب اس طرح لکھا ہے اور ایسے ہی ابن کثیرؒ نے بھی :-

"عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام"

اور بیان کیا ہے کہ اموی خلفا بھی ان کی عزت و تکریم کرتے تھے امیرالمؤمنین الولید

(بقایا صفحہ ۲۷) انہی زید کے یہ دو شعر مشہور ہیں :-

ارباً واحداً ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزّیٰ جمیعاً کذالک یفعل الرجل البصیر

مطلب ان اشعار کا ہے کیا میں ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں خداؤں کو میں نے لات و عزّیٰ سب بتوں کو ترک کر دیا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ انہی زید کے فرزند حضرت سعیدؓ صحابی تھے جن کی زوجہ حضرت فاروق اعظمؓ کی بہن فاطمہ تھیں اور انہی کے گھر قرآن شریف کی آیات تلاوت کر کے حضرت عمرؓ کو دین اسلام سے رغبت پیدا ہوئی تھی اور بالآخر اسلام قبول کیا تھا۔

جیسا اوپر ذکر ہوا ان کے بہنوئی تھے۔ عباسی خلافت قائم ہونے کے بعد ہی یہ عبداللہ بن حسن مثنیٰ امیر المومنین ابو العباس عبداللہ السفاحؒ کی خدمت میں انبار مقام پر گئے تھے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:۔

قدم عبد اللہ بن حسن علی ابی العباس بالانبار فاکرمہ و حباہ وقربہ وادناہ وصنع بہ اشیاء لم یصنعہ باحد وسمر معہ اللیل (ج ۹ صفحہ ۱۰۱)	عبداللہ بن حسن (امیر المومنین) ابو العباس (السفاح) کے پاس انبار میں گئے تھے انھوں نے ان کی عزت وتکریم کی محبت و یگانگت کا برتاؤ کیا۔ اپنے ہی پاس اور قربت میں رکھا اور رات کو اپنے ہی پاس سلایا۔

پھر یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک شب امیر المومنین نے جواہرات کا صندوقچہ منگوا کر ان کے سامنے کھولا اور نصف جواہرات ان کو عطا کئے۔ عبداللہ کے دل میں رشک و حسد پیدا ہوا دو شعر ایسے ان کی زبان سے ادا ہو گئے جن سے رشک و حسد کے جذبات کا اظہار ہوتا تھا امیر المومنین نے فرمایا کہ اے ابو محمد! تم اس برتاؤ پر بھی جو تمھارے ساتھ کیا گیا ہے ایسے شعر میرے سامنے پڑھتے ہو عبداللہ عذر و معذرت میں اتنا کہہ سکے

یا امیر المومنین ھفوۃ کانت واللہ ما اردت بہا سوأ ولکنہا ابیات حضرت فتمثلت۔ (ج ۹ صفحہ ۱۰۱)	اے امیر المومنین! خطا ہوئی واللہ مقصود برائی کا نہ تھا یہ شعر یکایک ذہن میں آ گئے اور تمثیلاً ادا ہو گئے۔

امیر المومنین نے اپنی عالی ظرفی سے معذرت قبول کر لی مگر عبداللہ کے دل میں رشک و حسد کے جذبات برابر بھڑکتے رہے۔

طلب خلافت کے لئے خفیہ خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے رہے سنہ ۱۳۲ھ میں جب عباسی خلافت قایم ہوئی عبداللہ کی عمر تقریباً ساٹھ برس کی تھی ان کے چھ بیٹے تھے محمد الارقط[۱] و ابراہیم و یحییٰ و موسیٰ و ادریس و سلیمان اور یہ سب بھائی تیس تیس چالیس چالیس برس کے صاحب اولاد تھے ان سب نے باوقات مختلف سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوششیں کیں محمد الارقط[۱] نے

---

۱ محمد الارقط کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں زینب و فاطمہ تھیں۔ زینب پہلے عباسی خلیفہ امیر المومنین ابو العباس عبداللہ السفاح کی بہو تھیں یعنی ان کے فرزند محمد کی زوجہ تھیں۔ اور فاطمہ اپنے ہی
(بقایا صفحہ ۵۵ پر دیکھئے)

۱۴۵ھ میں مدینہ میں خروج کیا عوام پر اثر ڈالنے کے لئے اپنے کو مہدی کہا چنانچہ محمد المہدی کہلائے۔ سرکاری فوجی دستے کے مقابلہ میں مع اپنے چند ساتھیوں کے مارے گئے شیعوں نے ان کے مارے جانے کے بعد ایک وضعی حدیث کی بنا پر انھیں

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۴ کا) چچیرے بھائی حسن بن ابراہیم بن عبد اللہ مذکور کو بیاہی گئیں۔ بیٹوں میں ایک عبد اللہ الاشتر تھے ان کے لقب کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ بھینگے ہونے کی وجہ سے الاشتر کہلائے دوسرے یہ کہ ان کے چچا ابراہیم نے جب بصرے میں بغاوت کی تھی وہ ان کے ساتھ تھے بغاوت کی ناکامی اور چچا کے مقتول ہو جانے کے بعد بخوف جان ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو اور سیکڑوں میل کی مسافت طے کر کے علاقہ سندھ آگئے جہاں کے گورنر کو ان کے باپ اور چچا اپنے سفر سندھ میں پہلے ہموار کر چکے تھے دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے والد نے اپنے مقتول ہونے سے پہلے ان کو تحائف دے کر گورنر سندھ کے پاس بھیجدیا تھا۔ اس زمانہ میں سندھ کا علاقہ وادیٔ مہران (دریائے سندھ) کا سارا علاقہ شمار ہوتا تھا جو ساحل سمندر سے توراح کابل تک پھیلا ہوا تھا۔ امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ کو جب یہ اطلاع ملی کہ عبد اللہ الاشتر کو گورنر سندھ کی حمایت حاصل ہے سرحدی علاقے میں بغاوت پھیلائی جارہی ہے انھوں نے اس گورنر کے تبدیل کئے جانے کا حکم دے دیا عبد اللہ کو اپنی جان کا خطرہ ہوا گورنر نے علاقہ سندھ کے شمالی حصہ میں جو چھوٹی سی بدھ مت کے لوگوں کی ریاست تھی عبد اللہ کو وہاں بھیجدیا یہ ریاست نواح کابل میں تھی عبد اللہ نے وہاں ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام اپنے والد کے نام پر محمد رکھا جو مقام تولد کی نسبت سے "محمد الکابلی" کہلایا۔ نئے گورنر کی ہدایت تھی کہ عبد اللہ الاشتر اور ان کے ساتھی جو باغیانہ سرگرمیوں میں منہمک ہیں گرفتار کئے جائیں اگر مقابلہ پر آئیں قتل کئے جائیں اور جس راجہ نے پناہ دی ہے اس کی ریاست کو اسلامی علاقہ میں شامل کر لیا جائے چنانچہ سرکاری فوجی دستے کے مقابلہ میں عبد اللہ الاشتر نواح کابل کے پہاڑی مقام علیج نام پر قتل ہو گئے ان کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیجدیا گیا۔ مؤلف عمدۃ الطالب جو نسباً اسی خاندان سے ہیں لکھتے ہیں کہ :-

ابی محمد عبد اللہ الاشتر الکابلی وکان قد ھرب بعد قتل ابیہ الی السند فقتل بکابل فی جبل یقال لہ علج وحمل راسہ الی المنصور فاخذہ الحسن بن زید

ابو محمد عبد اللہ الاشتر الکابلی وہ اپنے باپ کے قتل ہو جانے کے بعد سندھ کو بھاگ گئے اور کابل میں ایک پہاڑ پر جس کا نام علج ہے قتل ہو گئے ان کا سر خلیفہ المنصور کے پاس بھیجدیا گیا جسے حسن بن زید بن حسن بن علی

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۶ پر دیکھئے)

"النفس الذکیہ" سے ملقب کر دیا ان کے بھائی ابراہیم نے بصرے میں علم بغاوت بلند کیا تھا ان کا بھی یہی حشر ہوا یحییٰ نے دیلم (خراسان) میں خروج کر کے حاکمانہ اقتدار حاصل کر لیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد وزیر یحییٰ برمکی کی وساطت سے دربار خلافت میں حاضر ہو کر طالب معافی کے ہوئے قصور معاف ہوا اور بعطائے جاگیر اپنے وطن حجاز

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۵ کا) بن الحسن بن علی فصعد بہ المنبر وجعل یشھرہ للناس (ص۳۰۳ طبع اول)

عبداللہ الاشتر کی نسل ان کے اسی بیٹے محمد الکابلی سے چلی۔ محمد الکابلی بن عبداللہ بن محمد مولدہ کابل وانتقل عنہا بعد قتل ابیہ (ص۳۰۳ ایضاً)

نے ہاتھ میں لے لیا اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو دکھایا اور اعلان کیا۔

محمد الکابلی بن عبداللہ الاشتر بن محمد کا مقام ولادت کابل تھا جہاں سے ان کے باپ کے قتل ہو جانے کے بعد ان کو منتقل کیا گیا تھا۔

کتاب نسب قریش کے مؤلف مصعب زبیری متولد ۱۵۶ھ اور محمد الکابلی تقریباً ہم سن تھے اور رشتہ دار بھی اس لئے محمد الکابلی کے حالات سے تو انھیں ذاتی واقفیت تھی چنانچہ اسی ذاتی واقفیت سے وہ عبداللہ الاشتر کے متعلق لکھتے ہیں "قتل بکابل" (ص۵۲) یعنی عبداللہ الاشتر کابل میں قتل ہوئے پھر ان کے بیٹے کے بارے میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ کابل میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے مارے جانے کے بعد اپنی ماں کے ساتھ آئے۔ یہی بیان عمدۃ الطالب کے مولف کا بھی ہے جو خود اسی خاندان کے نسابہ تھے علامہ ابن حزم نے بھی جمہرۃ الانساب میں عبداللہ الاشتر کا کابل میں قتل ہونا اور اولاد میں اسی ایک بچے کا چھوڑ جانا بیان کیا ہے بعد کے مورخین ابن کثیر وابن خلدون وغیرہ نے بھی علاقہ سندھ میں عبداللہ کا مارا جانا ان کے ساتھیوں کی لاش کو دریا میں بہا دینا بیان کیا ہے بعض کا قول ہے کہ لاش شناخت نہ ہو سکی تھی۔ عبداللہ کی نسل ان کے اسی فرزند محمد الکابلی سے چلی جس کی صحت نسب کی تصدیق دربار خلافت نے کر کے پرورش کے لئے اہل خاندان کے پاس مدینہ بھیج دیا گیا تھا محمد الکابلی کی نسل سے ایک فاضل شخص امیر قطب الدین تباہی بغداد کے بعد ہندوستان آئے ان کی نسل میں علما و فضلا اور ذی وجاہت اشخاص ہوتے رہے مجاہد ہندی حضرت احمد شہید کا نسبی تعلق اسی خاندان سے ہے کوفہ، استرآباد و خراسان جرجان وغیرہ مقامات پر اس خاندان کے لوگ آباد رہے جو الاشتریہ و بنو الاشتر اور الاشتریوں کہلاتے تھے عبداللہ الاشتر کے مقتول ہونے کا واقعہ ۱۵۱ھ کا ہے یعنی اب سے بارہ سو بتیس ۱۲۳۲ برس پہلے کا۔ یوں سیاسی مصلحتوں سے تاریخی شخصیتوں کے واقعات مسخ کرنے کی مذموم حرکتیں پہلے بھی کی گئی ہیں لیکن بعض موقع شناسوں کی یہ ذلیل حرکت

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۷ پر دیکھئے)

چلے گئے، موسیٰ اپنے بھائیوں کے خروج کی ناکامی کے بعد بصرے میں روپوش ہو گئے تھے لیکن گرفتار ہو کر امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؒ کے حضور میں پیش کئے گئے خلیفہ نے قصور ان کے معاف کر دیئے۔

موسیٰ بن عبد اللہ اختفی بالبصرۃ فلخذہ فارسلہ الی المنصور فعفاعنہ (کتاب نسب قریش صفحہ ۵۳)	موسیٰ بن عبد اللہ بصرے میں روپوش ہو گئے تھے گرفتار ہو کر (امیر المومنین) المنصورؒ کے حضور میں بھیجے گئے انھوں نے ان کو معاف کر دیا۔

مؤلف عمدۃ الطالب نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ اپنے بھائیوں کے بغاوت میں مقتول ہو جانے کے بعد موسیٰ بھاگ کر مکہ پہنچ گئے تھے جب امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ کے فرزند محمد المہدی عباسیؒ حج کے لیے مکہ پہنچے طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر مجھے امان ملے تو موسیٰ بن عبد اللہ کا پتہ بتلا دوں، امان ملنے پر کہنے لگے کہ میں خود ہی موسیٰ بن عبد اللہ ہوں یہ سنکر محمد المہدی عباسی نے فرمایا من یعرفک ممن حولک من الطالبیۃ۔ (طالبیوں میں سے جو تمھارے ارد گرد ہیں تمھیں کون شناخت کرتا ہے) ان کے اور ان کے اہل خاندان کی نسبی نسبت اور قومیت کے بارے میں طالبی کہا گیا نہ سید۔

موسیٰ بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ کی نسل ان کے دو بیٹوں ابراہیم اور عبد اللہ سے چلی اور خوب پھیلی۔ ابراہیم کے ایک بیٹے یوسف کا لقب الاخیضر تھا ان کی اولاد بنو الاخیضر کہلائی یمن دیمامہ پر بڑی مدت تک ان کا تسلط رہا۔ یوسف کے دو بیٹوں حسن اور اسمٰعیل نے ۲۵۱ھ میں مکہ اور مدینہ میں خروج کیے۔ ان میں اسمٰعیل جس نے مدینہ میں خروج کیا تھا۔ قبیح سیرت تھا، علامہ ابن حزم نے لکھا ہے۔

وھو الذی حاصر المدینہ حتی مات اھلھا جوعاً ولم یصلّ احدٌ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	وہی تھا جس نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا یہاں تک مدینہ کے لوگ بھوک سے مرنے لگے اور مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی

(نوٹ بقایا صفحہ ۵۶ کا) صد درجہ شرمناک ہے کہ کسی مجہول الحال شخص کی قبر کو جو کراچی میں کلفٹن پر واقع ہے عبد اللہ الاشتر مقتول بکابل کی قبر بنایا جائے اور اس سلسلے میں انتہائی لغو بیانیوں سے اخبارات کے کالم سیاہ کیے جائیں اور قبر پرست عوام کو انتہائی جھوٹی کہانیاں سنا سنا کر چڑھاوے چڑھانے پر اکسایا جائے۔

ثم مات بالجُدری فی سنة ۲۵۱ھ (جمہرہ ص۴۱)	ایک شخص بھی نماز ادا نہ کر سکا بالآخر ۲۵۱ھ وہ چیچک سے مرگیا۔

خود عمدۃ الطالب کے غالی شیعہ مؤلف جو اسی ظالم کے خاندان کے تھے فرماتے ہیں کہ اس شخص نے (امیر المؤمنین) المستعین (باللہ عباسیؒ) کے زمانہ میں مکہ پر تسلط کرلیا تھا آب نوشیدنی کے کنویں خراب کردیئے تھے اور

اعترض الحاج فقتل منهم جمعاً كثيراً ونهبهم (ص۹۲)	حاجیوں کو گھیر لیا اور ان کی بڑی تعداد کو قتل کرڈالا اور ان کا مال اسباب لوٹ لیا۔

مگر اس خاندان کی دوسری شاخوں میں نیک سیرت اشخاص ہوتے رہے۔ کچھ لوگ بلخ و نیشاپور و طبرستان جیسے دور دراز مقامات پر چلے گئے وہاں ان کی نسل خوب پھیلی مختلف گھرانے مختلف ناموں سے موسوم رہے۔ مثلاً بنو دہاش بنو شماخ۔ بنو مکثر۔ بنو ہشام بنو علی و بنو حسان وغیرہ لیکن کوئی گھرانا نسباً سید نہیں کہلایا اور نہ کسی نے اپنے کو نسباً سید کہا

شرفائے مکہ

عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی نسل میں ایک حامل انار خاندان شرفائے مکہ کا تھا ان کے کئی گھرانے تھے مثلاً بنو ہاشم اولاد ابو ہاشم بن محمد جو ۴۶۰ھ سے ۵۹۸ھ تک امرائے مکہ رہے نیز بنو قتادہ جن کے متعلق نہایۃ الارب فی معرفۃ الانساب العرب کے مؤلف (۸۲۱-۷۵۶ھ) کہتے ہیں کہ "الذین منهم امراء مكة والينبع الآن و اودية مكة عامرة منهم وباقيهم منتشرون فى المشرق والمغرب (ص۱۲۷)

یعنی ان میں اب تک مکہ اور ینبع کے امراء ہیں اور مکہ کی وادیاں ان سے آباد ہیں اور باقی مشرق و مغرب میں منتشر ہیں۔ ان کے علاوہ سلیمان بن عبداللہ حسن مثنیٰ کی اولاد میں سے بھی کچھ لوگ عباسی اقتدار زائل ہونیکے بعد امرائے مکہ رہے یہ سلیمانی کہلاتے تھے (ص۱۲۷ ایضاً) بنو قتادہ میں سے شریف حسین تھے جنھوں نے انگریزوں سے ساز باز کرکے سلطان ترکی کا حاکمانہ اقتدار اور خادم حرمین شریفین کی حیثیت کا خاتمہ کرا دیا تھا۔ پھر ان کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ان کی اولاد میں سے انگریزوں نے ایک کو عراق پر مسلط کیا وہاں کے سیاسی انقلاب میں ان کا بھی خاتمہ ہوگیا دوسرے کو اردن پہ متعین کیا جن میں سے شاہ حسین ہیں۔ موسیٰ بن عبداللہ

بن حسن مثنیٰ کی اولاد کے یہ سب گھرانے اپنی نسبی نسبت سے ہواشم دبنو قتادہ وسلیمانی وغیرہ کہلائے مگر نسباً سید کوئی نہیں کہلایا بلکہ سید ان کے ناموں کے ساتھ نہ کبھی پہلے تھا اور نہ اب ہے شریف والشریف ہی کہلاتے رہے۔ غرضکہ حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب کی نسل کے لوگ جہاں کہیں بھی آباد رہے اپنی خاندانی نسبت ہاشمی وطالبی وعلوی حسینی سے معروف رہے نہ بمجرد لفظ سید سے[5]۔

---

[5] موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے خاندان کی اسی شاخ میں جس میں شرفائے مکہ اور مولف کتاب عمدۃ الطالب کے خاندانوں کا شمول ہے سید المشائخ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا سلسلۂ نسب متصل کیا جاتا ہے مولف عمدۃ الطالب نے اپنی شاخ کے انساب قدرے تفصیل سے بیان کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شیخ ممدوح نے یا ان کے بیٹوں میں سے کسی نے بھی اس نسب کا کبھی دعویٰ نہیں کیا البتہ ان کے ایک پوتے قاضی ابوصالح ابونصر بن ابوبکر نے یہ دعویٰ کیا تھا لیکن اثبات دعوے میں کوئی بیّن دلیل اور ثبوت پیش نہ کر سکے بلکہ پیش کرنے سے عاجز رہے مزید برآں یہ کہ اپنے جدگرامی اور فرزندان شیخ ممدوح کی اس بارے میں عدم موافقت کا اقرار بھی کیا تھا۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کے والد کا نام "جنگی دوست" تھا جو صریحاً عجمی نام ہے۔ فوات الوفیات کے مولف علامہ محمد بن شاکر متوفی ۷۶۴ھ نے شیخ ممدوح کے دادا کا یہ نام بتایا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار "جنگی دوست" کے بجائے "زنگی دوست" کہتے ہیں اور کتاب عمدۃ الطالب کے حاشیہ نویس نے "جنگ دوست" لکھا ہے علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت شیخ کے نسب کے بارے میں تو سکوت اختیار کیا ہے مگر والد کا نام البتہ ابوصالح ابومحمد بتایا ہے اور بعض نے ابومحمد موسیٰ۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ اپنے زمانہ کے جید عالم، زبردست خطیب اور صاحب باطن بزرگ تھے ان کے نزدیک فلاں ابن فلاں قابل التفات نہ تھا کہ اپنے نسب کا اعلان کرتے ؎ بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی + کہ اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔ ان کی ولادت ۴۷۱ھ میں ایک غیر معروف موضع میں ہوئی جس کا نام نِیف یا ناعیف بتایا جاتا ہے اور جو جیلان یا گیلان کے علاقہ میں بحر اخضر کے جنوب میں واقع تھا۔ ابتدائے عمر میں تحصیل علم کے لئے سفر کئے ۴۸۸ھ سے ۵۲۱ھ تک کہ عمر تیس سال سے متجاوز تھی ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا ۵۲۱ھ میں یہ واقعہ بغداد میں پیش آیا کہ ابوالفتوح اسفرائینی نے اپنے وعظ میں بہت سی منکر احادیث سے استدلال کرتے ہوئے ایسی باتیں کہیں جن سے عام وخاص میں سخت اشتعال پیدا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے اس موقع پہ مجمع عام میں پہلا وعظ کہا جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا اس کے بعد سے وہ باب حلبیہ کے میدان میں وعظ کہا کرتے تھے بغداد میں برج عجمی میں رہتے تھے شاید اسی تعلق سے عجمی کہلاتے ہوں شیخ حماد دباسؒ کا یہ قول ان کے

(بقایا نوٹ صفحہ ۶۰ پر)

ادریسی خاندان۔ موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے بھائی ادریس اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی ناکام بغاوتوں کے بعد مصر کا رخ کیا جہاں خلافت عباسی کے محکمہ ڈاک کے اہلکار ابن واضح کی مدد سے جو مورخ یعقوبی کا دادا اور علوی خاندان کا طرفدار تھا ادریس مغربی افریقہ چلے گئے۔ جہاں بربری قبائل میں اثر و رسوخ پیدا کر کے اپنی حکومت قایم کی جو ان کے نام سے ادریسیہ کہلائی ان کے ایک بھتیجے محمد بن سلیمان بن عبداللہ مذکور بھی وہاں پہنچ گئے ان دونوں کی نسل خوب پھیلی۔ اس صحیح النسب حسنی خاندان کے افراد نسب قومیت کے اعتبار

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۹ کا) متعلق کتب صوفیہ میں منقول ہے کہ "این مجی را قدمے ہست کہ در وقت ولے بر گردن ہمہ اولیا خواہد بود" شیخ ابوسعد المخرمی سے استفادہ کیا اور ان ہی کے مدرسہ میں درس و تدریس کا عرصہ تک مشغل رہا پر عام چندے سے رباط قائم ہوئی ہر اتوار کو خانقاہ میں اور جمعہ کی صبح اور دوشنبہ کی شام کو مدرسہ میں وعظ کہتے۔ تصانیف کی تعداد نو دس ہے جس میں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب زیادہ مشہور ہیں ان تصانیف میں اچھے مضامین بھی ہیں اور ضعیف اور موضوع احادیث بھی۔ متاہل زندگی بسر کی کثیر الاولاد تھے ان کے صاحبزادے عبدالرزاق ہی کا بیان ہے کہ میرے والد کے ۴۹ اولادیں تھیں بیس بیٹے اور ۲۹ بیٹیاں ۵۶۱ھ میں منزل عقبیٰ طے کی نوے برس کی عمر پائی۔ ان کا زمانہ خلافت عباسیہ کے اضمحلال کا زمانہ تھا جب رفض و تشیعت کا ہر طرف زور تھا عقاید باطلہ کی پُر زور تردید کرتے تھے ان کے احفاد نے بغداد کی تباہی کے بعد سلسلہ قادریہ کی اشاعت ایسے وسیع پیمانہ پر کی کہ دنیائے اسلام کا کوئی خطہ باقی نہ چھوڑا جہاں یہ سلسلہ قایم نہ کیا گیا ہو۔ اصحاب سلسلہ نے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے اقوال و مکاشفات اس درجہ مبالغات اور افسانوی طرز پر بیان کئے ہیں کہ مشایخ میں سے کسی کے تذکرے میں ایسے اباطیل نہیں پائے جاتے حالانکہ کرامات و خرق عادات کے من گھڑت واقعات سے سب ہی تذکرے ملو ہیں نہج البلاغۃ کے مصنف نے جعلی خطبات کے علاوہ بعض صحیح اقوال بھی حضرت علی کے شامل کر لئے ہیں ان میں یہ قول شیدائیان سیادت نسبی کے لئے لائق عبرت ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔

ان ولی محمد من اطاعہ وان بعدت لحمتہ وان عدو محمد من عصاہ وان قربت لحمتہ

(نہج البلاغۃ طبع مصر)

بہ تحقیق کہ محمد صلعم کا دوست وہی ہے جس نے ان کی اطاعت کی اگرچہ گوشت اس کا دور کا ہو یعنی نسبی قرب آپ سے نہ ہو اور دشمن محمد صلعم کا وہ ہے جس نے آپ کی نافرمانی کی اگرچہ گوشت اس کا آپ سے قریب ہو یعنی نسبی قربت آپ سے رکھتا ہو۔ ۱۲

حسنی العلوی وحسنی الطالبی کہلاتے نہ سید مثلاً:-

(۱) یحییٰ بن ادریس بن عمر بن ادریس الحسنی العلوی۔

یہ یحییٰ بن ادریس مغربی افریقہ کے بڑے بادشاہوں میں سے تھے من اعظم ملوک الادارسۃ المغرب الاقصیٰ (قاموس التراجم ج۴) ۳۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ ان ہی کے زمانہ میں ان کے ہم نام یحییٰ ریاست آشغول کے رئیس تھے وہ سلیمان بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے اخلاف میں سے تھے ۲۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے دادا محمد بن سلیمان بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے یہ ریاست ساحل تلمسان (مغربی شمالی افریقہ) سے ملحق ۲۳۰ھ میں قائم کی تھی ان کی نسل سے کثیر تعداد اس علاقہ میں آباد ہے واحفادہ بالمغرب کثیر جداً (جمہرہ ابن حزم) قومیت کے اعتبار سے الحسنی الطالبی کہلاتے تھے مثلاً:-

(۲) یحییٰ بن ابراہیم بن عیسیٰ بن محمد بن سلیمان الحسنی الطالبی (ایضاً ج۹)

علامہ ابن حزم نے مغربی وشمالی افریقہ کے متوطن حسنیوں کے انساب تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان میں ملوک وامراء کے علاوہ بڑے بڑے فضلاء اور علماء ہوتے رہے لیکن کسی نے بھی ان میں سے نہ پہلے اپنے کو نسباً سید کہا اور نہ آج کہتے ہیں ان کو شریف کہلاتے ہیں۔

حسینی خاندان: حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کی نسل ایک ہی فرزند جناب علی بن حسینؓ سے چلی۔ شیعہ مورخ ابن جریر طبری ان کی وفات کے ذکر میں پدری و مادری نسب ان کا ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام وامہ غزالۃ امولد خلف علیہا بعد حسین زبید مولی الحسین فولدت له عبدالله بن زبید وهو اخو علی بن الحسین و لعلی بن حسین هذا العقب من ولد حسین (طبری ج۱۱ ص۳۰)

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام والدہ ان کی غزالہ نام کنیز تھیں جو حسین کے بعد ان کے غلام زبید کے عقد میں آئیں ان کے بطن سے عبداللہ بن زبید پیدا ہوئے جو علی بن حسین کے مادری بھائی تھے ان ہی علی بن حسین سے حسین کی نسل چلی۔

شیعہ مورخ نے اپنے مسلک وشیعہ شعار کے مطابق نام کے ساتھ "علیہ السلام" تو لکھا "سید" لکھا اور نہ وضعی لقب جو ظاہر ہے کہ مورخ مذکور کے زمانہ میں مروج نہ ہوا تھا۔

جناب علی بن الحسینؓ کے بیاضا بیوی سے حسین الاکبر و محمدؒ و عبداللہ تین بیٹے تھے اور سات بیٹے کنیزوں سے تھے جن میں بڑے زید تھے۔ جناب محمد بن علی بن حسینؓ کی کنیت ابوجعفر تھی اور وضعی حدیث کی بناپر لقب باقر قرار دیا گیا ہے۔ جناب زید بن علی بن حسینؓ اموی خلیفہ امیرالمومنین ہشام بن عبدالملکؒ کے خلاف خروج کرنے میں مقتول ہو گئے انھیں زیدالشہید کہاجاتا ہے۔

جناب ابوجعفر محمدؒ کو امامیہ و اسماعیلیہ امام پنجم کہتے ہیں اور جناب زیدؒ کو بھی ایک طبقہ امام مانتا ہے ان دونوں بھائیوں کے نام و نسب شیعہ مورخ اس طرح لکھتے ہیں:۔

(۱) ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام وامہ ام عبداللہ ابنۃ حسن بن علی علیہ السلام ...... توفی ابوجعفر محمد بن علی بن حسین علیہ السلام سنہ ۱۱۷ وھو ابن ثلاث وستین سنۃ۔ (طبری ج۹ صفحہ ۹۶)	ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ والدہ ان کی ام عبداللہ دختر حسن بن علی علیہ السلام تھیں ...... ابوجعفر محمد بن علی بن حسین علیہ السلام کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی وہ ۶۳ سال کی عمر کے تھے۔

ان تین سطروں میں شیعہ مورخ نے "علیہ السلام" تو تینوں ناموں کے ساتھ لکھا مگر نہ شیعہ لکھا اور نہ امامیہ کا وضع کردہ لقب الباقر تحریر کیا ظاہر ہے ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کے زمانہ میں یہ لقب رائج نہ ہوا تھا۔

جناب ابوجعفر محمد کے چار بیٹے تھے جعفرؒ و عبداللہؒ و ابراہیمؒ و علیؒ۔ اول الذکر کو امامیہ و اسماعیلیہ اپنا امام ششم مانتے ہیں ان کے نام و نسب کا اندراج ابن جریر طبری نے اس طرح کیا ہے:۔

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (ایضاً صفحہ ۱۰۲)	جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔

جناب زید بن علی بن حسینؓ کے نام و نسب کی تصریح ابن شیعہ مورخ نے اس طرح کی ہے:۔

زید بن علی ابن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام وامہ ام ولد...	زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام والدہ ان کی کنیز تھیں......

وقتل زید علیہ السلام یوم الاثنین للیلتین خلتا من صفر سنۃ ۱۲۰ھ ویقال سنۃ ۱۲۲ھ وکان لہ فیما قیل اثنتان و اربعون سنۃ۔
(طبری ج ۱۳ ص ۹۷)

زید علیہ السلام دوشنبہ ۲ صفر ۱۲۰ھ کو قتل ہوئے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ۱۲۲ھ میں قتل ہوئے ان کی عمر ۴۲ سال بتائی جاتی ہے۔

جناب زید کی اولاد و احفاد اپنی قومیت طالبی و علوی ہاشمی و قریشی سے ظاہر کرتے تھے نہ محض لفظ سید سے۔ صاحب عمدۃ الطالب نے آل ابی طالب کے انساب میں جابجا طالبی و علوی یا طالبین و علویین کے الفاظ لکھے ہیں اسی طرح دیگر مورخین نے۔ علامہ ابن کثیرؒ جناب زید کی نسل کے ایک بزرگ کے تذکرہ میں جو مفسر و محدث و فقیہ و ادیب تھے کوفہ و بغداد میں سکونت تھی، ۵۳۹ھ میں وفات ہوئی ان کا نام و نسب اس طرح بیان کرتے ہیں :-

"عمر بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن علی بن حسین بن علی بن حمزہ بن یحییٰ بن الحسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، القرشی العلوی، ابوالبرکات الکوفی البغدادی" (البدایہ ج ۱۲ ص ۲۱۹)

مولف عمدۃ الطالب نے بھی ان کا ذکر کیا ہے کہ : ابوالبرکات عمر الشریف عمر کہلاتے تھے علامہ تھے ادیب تھے محدث و فقیہ تھے۔ لغوی و نحوی تھے ثقہ و صدوق تھے۔

اسی زیدی گھرانے کی ایک شاخ بنی اسامہ کے ذکر میں صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ ۸۱۴ھ تک یہ لوگ حلہ (عراق) میں مسکن گزیں تھے کچھ لوگ ہندوستان چلے گئے پھر کہتے ہیں کہ :-

کانوا بیتاً جلیلاً مقدماً من اعظم بیوت العلویین وکان زید بن علی النقیب جلال الدین اسامہ بن عدنان بن اسامہ وھو ابو الغنائم شاعراً فاضلاً فارق العراق ومضی الی الھند واخوہ ضیاء الدین ابوالقاسم علی وولی ھناک

علویوں کے بڑے گھرانوں میں سے ان لوگوں کا گھرانا سربرآوردہ اور صاحب وجاہت تھا اور ابوالغنائم زید بن نقیب جلال الدین علی بن اسامہ بن عدنان بن اسامہ شاعر اور فاضل تھے وہ عراق چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے وہ اور ان کے بھائی ضیاء الدین ابوالقاسم وہاں
[illegible]

زعامۃ الطالبین (صـ۲۶۹) | وسربراہ رہے۔

جناب زید بن علی بن حسینؓ کے سب سے چھوٹے بیٹے محمد بن زید عالم و فاضل شخص تھے ان کی صاحبزادی عباسی خاندان میں امیر المومنین محمد المہدیؒ کو بیاہی گئی تھیں (عمدۃ الطالب صـ۲۵۰) صاحب عمدۃ الطالب نے ان کے تذکرے میں ایک حکایت الداعی کبیر محمد بن زید الحسنی کی درج کی ہے جنھوں نے اپنے زمانہ میں دیلم پر کچھ مدت تک حکومت کی تھی ایک مرتبہ بیت المال کی رقوم قبائل قریش و انصار و فقہا و اہل قرآن اور سب طبقات میں تقسیم کرنی شروع کیں ابتداء اپنے قبیلہ بنی عبد مناف سے کی، بنی ہاشم کو دے چکے تو ایک شخص سامنے آئے پوچھا بنی عبد مناف کی کس شاخ سے ہو کہا بنی امیہ سے، پوچھا بنی امیہ کے کس گھرانے سے؟ جواب دینے میں تامل ہوا تو محمد بن زید حسینی نے کہا شاید اولاد معاویہ سے ہو گے اس نے اقرار کیا تو پوچھا معاویہ کے کس بیٹے کی نسل ہو وہ شخص خاموش رہا تو محمد بن زید سے کہا لعلک من ولد یزید شاید تم یزید کی اولاد سے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں:—

فنظر الیہ العلویون نظراً شزراً | علوی لوگ اس شخص کو تیز تیز نظر سے دیکھنے لگے

محمد الداعی نے چلا کر کہا کہ ان کو کوئی کچھ نہ کہے پھر اس طرح کی ایک اور حکایت بیان کرکے اس اموی یزیدی کو بھی اسی قدر حصہ دیا جو سب بنی عبد مناف یعنی ہاشمیوں وغیرہ کو دیا تھا۔ مؤلف عمدۃ الطالب کی بیان کردہ حکایت صحیح ہو یا غلط اس سے یہاں بحث نہیں۔ انھوں نے جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے" احسان العلوی الی الاموی من بنی یزید صـ۲۸۹)

یعنی" ایک علوی کا احسان ایک اموی یزیدی پر" اب دیکھئے آٹھویں صدی ہجری کے شروع کے یہ شیعہ مؤلف جب بنو عبد مناف کی دونوں شاخوں کے اشخاص کی نسبت نسبی کا اظہار کرتے ہیں حسینی کو علوی اور یزیدی کو اموی کہتے ہیں، اظہار نسب میں نہ حسینی کو سید کہتے ہیں نہ یزیدی کو غیر سید۔ بعض ممتاز و محترم اشخاص کو فضائل ذاتی کے اعتبار سے انھوں نے البتہ سید کہا ہے نہ محض نسبت نسبی کے اعتبار سے۔

خلاصہ کلام

قریشی قبائل ہوں یا بنی ہاشم و بنی امیہ کا کوئی گھرانا نسبی نسبت کے اظہار کے لئے محض لفظ سید کبھی عرب نے کبھی استعمال نہیں کیا احتراماً ایک دوسرے کو سیدی و سیدنا کہتے رہے

ہیں چنانچہ اوصاف و فضائل ذاتی کی بنا پر یا قومی و ملی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں جیسا مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے یہ لفظ استعمال کیا جاتا تھا قریش و بنی ہاشم کا کوئی خاندان کوئی گھرانا کبھی نسباً سیّد کہلایا اور نہ کسی شخص نے اظہار نسب میں اپنے منہ سے اپنے کو سیّد کہا۔

تاریخی واقعات ... بنی ہاشم ... اپنے بعض افراد کی شدید سیاسی لغزشوں اور غلطیوں سے جن کے سبب ہولناک خونریزیاں ہوئیں اور یکجہتی ملت میں پھوٹ پڑ گئی ایسا صدمہ پہنچا کہ خلفائے راشدین کے بعد سے جو دور زبردست فتوحات کا دور تھا قیادت و سیادت کے کارہائے نمایاں کی انجام دہی سے محروم ہو کر انھیں کنج خموں میں چلا جانا پڑا۔ اس زمانہ میں عرب کے سب ہی قبیلوں کے افراد اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے تھے اور اپنے کارناموں سے سید قوم کہلاتے تھے۔ مثالیں تو بہت پیش ہو چکیں یہاں ایک ایسے قبیلے کے بعض افراد کی مثال پیش کی جاتی ہے جسے بنظر حقارت دیکھا جاتا تھا یعنی قبیلۂ باہلہ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہا قبیلۃ ھی ذولۃ عند العرب۔ یعنی عربوں کی نظر میں یہ قبیلہ حقیر تھا۔ اسی قبیلہ کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں اور پوتوں نے وہ شاندار خدمات ملی انجام دیں کہ تین پشت تک سیّد القوم کہلاتے رہے۔

ابتدا ابو صالح مسلم بن حصین بن اسید بن زید بن قضاعی بن بلال بن عمرو قوم باہلہ سے ہوئی۔ ابن قتیبہ نے المعارف کے ایک باب "المشہورون من الاشراف واصحاب السلطان" کے تحت ان کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ ذاتی اوصاف اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر امیر المومنین یزید بن معاویہ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔

وکان مسلم بن عمرو عظیم القدر عند یزید بن معاویۃ۔ (المعارف ص)	مسلم بن عمرو کی یزید بن معاویہؓ بڑی قدر کرتے ہیں۔

اسپ تازی ان کا حرون کہلاتا تھا اور کنیت ابو صالح تھی ایک شاعر نے ان کی قائدانہ صلاحیتوں کی بنا پر کہا تھا اگر قریش سلطنت کھو بیٹھے تو خلافت قبیلہ باہلہ میں چلی جائیگی اور حرون کا مالک ابو صالح سنت عادلہ کی بنا پر اس کا مستحق ہے کہتا ہے ؎

اذا ما قریش خلا ملکہا	فان الخلافۃ فی باھلہ
لرب الحرون ابی صالح	وما تلک بالسنۃ العادلہ

مسلم کے تیرہ بیٹوں میں بشار سب سے بڑے تھے۔ "نہر بشار ان" کے نام سے موسوم

ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "سَیّد ولد مسلم حتی سبق علیہ قتیبۃ۔ یعنی مسلم کے بیٹوں کے سرخیل تھے۔ یہاں تک کہ قتیبہ (ان کے چھوٹے بھائی) ان پر سبقت لے گئے۔ یہ قتیبہ بن مسلم تیرہ برس تک خراسان کے گورنر رہے اور اس زمانہ میں نہ صرف خوارزم و سمرقند و بخارا میں عظیم فتوحات حاصل کیں بلکہ بے شمار مخلوق نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وقد کان قتیبۃ بن مسلم بن عمرو بن حصین ابو حفص الباهلی من سادات الامراء وخیارهم وکان من القادة النجباء الکبراء والشجعان وذوی الحروب والفتوحات السعیدة والآراء الحمیدة وقد هدی الله علی یدیه خلقاً لا یحصیهم الا الله فاسلموا ودانوا لله عزوجل وفتح البلاد والاقالیم الکبار والمدن العظام شیئاً کثیراً۔

(البدایہ ج ۹ صـ۱۶۷)

بہ تحقیق مسلم بن قتیبہ بن عمرو بن حصین ابو حفص باہلی سادات امراء میں سے اور ان کے نیک کرداروں میں سے تھے اور رفیع المنزلت نجیبوں، بہادروں اور سورماؤں اور معرکہائے جنگ کے ماہرین کے سرخیلوں میں سے تھے انھوں نے بڑی اچھی فتوحات کیں اور قابل توصیف خیالات رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے لا تعداد مخلوق نے کہ شمار ان کا اللہ ہی جانتا ہے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا کہ یوں اللہ بزرگ و برتر سے بھٹکے ہوؤں کو قربت نصیب ہوئی قتیبہ نے بڑے بڑے ملک اور اقلیمیں اور عظیم خطے فتح کیے۔

قتیبہ بن مسلم کے یہ کارنامے ان ہی تک محدود نہ تھے ان کے بیٹوں میں سلم بن قتیبہ اموی و عباسی خلافتوں میں عرصہ دراز تک بصرے کے گورنر رہے المعارف میں ان کے بارے میں کہا گیا کہ کان سَیّد قومہ (وہ اپنی قوم کے سردار و سربراہ تھے) ان سلم کے ایک فرزند سعید تھے جو آرمینیہ و موصل و سندھ و طبرستان و سجستان و الجزیرہ کے باوقات مختلف گورنر رہے دوسرے بیٹے ابراہیم یمن کے والی تھے تیسرے بیٹے عمر بن سلم رَے اور بلخ کے امیر تھے چوتھے بیٹے مسلم بن سلم سجستان کے گورنر رہے۔ قتیبہ بن مسلم کے دوسرے بیٹے قطن بن قتیبہ بھی سمرقند ... تھے غرضیکہ اسی ایک خاندان کے افراد میں ملک کے نظم و نسق کی اہلیت اور جہانگشائی

اسلامی کی قیادت کی صلاحیتیں تین چار پشت تک بطناً بعد بطنٍ اس درجہ رہیں کہ ضربات لا ابقہ سے اقران و اماثل میں ممتاز رہے ایسے ہی لوگ سردار اور سَیِّد کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں نہ وہ جو اپنی کوتاہ دستی سے تعمیری کاموں میں حصہ نہ لے سکے دنیا دار العمل ہے، ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔

الشریف

شریف و الشریف کی جمع ان کی شرفا و اشراف آتی ہے صاحب شرف و مجد کو کہتے ہیں اور شرف کے معنی میں علو و رفعت و برتری کا مفہوم شامل ہے۔ قریشی خاندانوں کے ممتاز اشخاص شریف و اشراف کہلاتے تھے اور ان کے زیر دست غلام و موالی ضعیف و ضعفا۔ بعد میں شریف و وضیع و سفہاء و اراذل کی اصطلاح بھی بن گئی۔ قریش کے علاوہ دیگر قبائل کے معزز اشخاص شریف و اشراف کہلاتے تھے اور ادنیٰ اشخاص ضعفاء۔

امام بخاری نے پہلا باب ابتداء وحی کا بعنوان کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی چنانچہ اس ضمن میں اس تاریخی واقعہ کا بھی بیان ہے کہ تبلیغ دین متین کے سلسلہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم ہرقل کو نامہ مبارک بھجوایا تھا اُسے جستجو ہوئی کہ مکہ کے کسی شخص سے جو پیغمبر صاحب سے نسبی قرابت رکھتا ہو حالات معلوم کرے اس زمانہ میں قریش کا تجارتی قافلہ ملک شام گیا ہوا تھا جس کے سربراہ ابو سفیان تھے۔ ہرقل نے انھیں بلوا کر منجملہ متعدد باتوں کے یہ بھی پوچھا تھا کہ :-

قال فاشراف الناس اتبعوہ ام ضعفاؤھم فقلت بل ضعفاؤھم (صحیح بخاری)	(ہرقل نے پوچھا) اشراف نے ان کی پیروی کی ہے یا ضعیف (ادنیٰ) لوگوں نے (ابوسفیان نے جواباً کہا کہ (اشراف نے نہیں) بلکہ ادنےٰ لوگوں نے کی ہے۔

ابو سفیانؓ کے جواب میں اسی حقیقت کا اظہار تھا کہ اوّل اوّل اسلام قبول کرنے والوں میں اکثریت ضعفاء کی تھی بیشتر غلام تھے جیسے حضرت بلالؓ و عمار بن یاسرؓ۔ زید بن حارثہؓ و صہیبؓ بن سنان وغیرہم اور اشراف میں سب سے پہلے مومن حضرت ابو بکر الصدیقؓ تھے۔

جنھوں نے اپنے مال سے ان ضعفاء کو آزاد کرا دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی اشراف اور ضعفاء کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے مشہور واقعہ ہے کہ قریش کے معتبر گھرانے بنی مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ نام نے زیور سرقہ کیا تھا۔ اس کے لوگوں کے اصرار پر جب حضرت اسامہ بن زید نے جو رسول اللہ کے ... سفارش عرض کیا کہ چوری کے جرم میں ہاتھ اس کا نہ کاٹا جائے۔ آپ نے فرمایا تھا ـــ

ان بنی اسرائیل کان اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف قطعوہ ولو کانت فاطمۃ (بنت محمدؐ) لقطعتُ یدھا

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳ و دیگر کتب)

بنی اسرائیل کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی شریف ان میں سے چوری کرتا اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی ضعیف (ادنیٰ حیثیت کا) چوری کرتا اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے اگر فاطمہ (بنت محمدؐ) ایسا کرتیں تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح طور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شریف و اشراف کسی خاص قوم و قبیلے یا گھرانے کے افراد ہی نہیں کہلاتے تھے۔ کتب تاریخ کی تصریحات بھی اسی حقیقت کی موید ہیں۔ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ نے جو مبسوط کتاب قریش کے خاندانی تذکروں میں تالیف کی ہے اس کا نام ہی انساب الاشراف ہے یعنی قریش کے سب ہی گھرانوں کے تذکرے اور مختصر سلسلۂ انساب اس میں درج ہیں۔ بلاذری کے قریب العہد کتاب المحبر کے مؤلف ابو جعفر محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ اپنی کتاب میں "اشراف قریش" کے عنوان سے رؤساء قریش کی فہرست درج کرتے ہیں اور جن قریشیوں کی آنکھیں معرکہائے جنگ میں جاتی رہی تھیں ان کی فہرست کا عنوان باندھتے ہیں "من فقئت عینہ من الاشراف فی الحرب" پھر سات جداگانہ فہرستیں ان قریشیوں کی شائع کی ہیں جن میں کوئی نہ کوئی جسمانی نقص تھا مثلاً اشراف العمیان، البرص الاشراف، العرجان الاشراف، العوران الاشراف وغیرہ یعنی اندھے اشراف، مبروص اشراف، یک چشم اشراف، لنگڑے اشراف وغیرہ۔

اسی تیسری ہجری کے دوسرے مورخ مسلم ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے المعارف میں ایک باب "صناعات الاشراف" کا قائم کیا ہے اس میں قریش کے مختلف خاندانوں کے ایسے ایسے افراد کی فہرست درج کی ہے جو کسب معاش کے لئے کوئی نہ کوئی پیشہ یا حرفہ کرتے

تھے۔ ان ہی مولف کی دوسری کتاب عیون الاخبار میں ایک باب[۱] افعال السادۃ والاشراف نیز ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ نے العقد الفرید میں قریشی کاتبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست اس عنوان سے دی ہے "اشراف کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان قریشی کاتبان میں نصف سے زیادہ تعداد اموی حضرات کی تھی[۱]۔

کتب تاریخ میں شریف و اشراف غیر ہاشمی اور غیر قریشی اکابر کے ناموں کے ساتھ بالعموم استعمال ہوتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت مروانؓ اموی کو جب مصر پر تسلط کرنے کے لئے ۶۵ھ میں بذات خود جانا پڑا تھا معرکہ جدال و قتال میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عامل عبدالرحمن بن جحدم کے ساتھیوں کی جنہیں "خواص اہل البلد" کہا گیا ہے کثیر تعداد قتل ہوئی تھی ان میں عبداللہ الکلاعی بھی تھے جن کے مقتول ہونے کا ذکر ابن کثیرؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

وقتل یومئذ عبداللہ بن یزید
معدی کرب الکلاعی احد الاشراف
(البدایہ جلد ۸ صفحہ ۲۵۶)

اور اس دن اشراف میں سے ایک عبداللہ بن یزید بن معدی کرب الکلاعی بھی قتل ہوئے۔

اسی طرح اشراف الحیرہ، اشراف کوفہ، اشراف خراسان کے الفاظ جا بجا ملتے ہیں جن میں مختلف قبائل عرب کے لوگ شامل تھے مثلاً ۱۴۵ھ میں بنی نمیر و بنی کلاب عربوں نے نواح کوفہ میں بغاوت کا ارتکاب کیا تھا امیر کوفہ نے اس کے فرد کرنے کو جو اجتماع کیا تھا صلۃ تاریخ طبری میں بیان ہوا ہے کہ "جمع من اشراف کوفۃ وبنی هاشم العباسیین والطالبیین (صفحہ ۵۰) یعنی اشراف کوفہ میں سے لوگوں کا اور ہاشمیوں میں سے عباسی اور طالبی اشخاص کا اجتماع کیا۔

غرضیکہ ہر قوم و قبیلہ کے قریشی ممتاز افراد اشراف کہلاتے تھے۔ لغت میں الشریف کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جو کریم الآباء ہو۔ جبلہ بن الایہم قبیلہ غسان کا جو ملک شام میں آباد تھا رئیس تھا۔ عہد فاروقی میں اسلام لایا۔ مدینہ حاضر ہوا اس کا مشہور واقعہ ہے کہ طواف کعبہ کرتے اس کی چادر کا گوشہ کسی کے پاؤں تلے آگیا۔

---

[۱] حضرت عمرو بن العاص السہمیؓ فاتح مصر کا نام بھی قریشی کاتبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہے اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات طیبہ کے آخری زمانہ تک کتابت کا کام ان ہی سے لیتے رہے تھے ۱۲

جبلہ نے غصہ میں اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا اس شخص نے جواب میں جبلہ کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ جبلہ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس آکر شکایت کی آپ نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا اس کی سزا پائی۔ جبلہ یہ سنکر حیرت سے کہنے لگا کہ ہم تو سردار ہیں ہم سے کوئی گستاخی سے پیش آتا قتل کر دیا جاتا امیر المومنین نے فرمایا یہ تو عہد جاہلیہ کی باتیں ہیں اسلام نے تمھیں اور دوسروں کو سب کو مساوی کر دیا، معیار برتری تقویٰ ہے نہ معاشرتی امتیاز۔ جبلہ مدینہ سے بھاگ کر شام چلا گیا اور مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا، ایک قطعہ اشعار میں اس نے اپنے کو اشراف کہہ کر طمانچہ کے مارے نصرانی ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔

تنصرت الاشراف من عار لطمة ۔۔۔ وما كان فيها لو صبرت لها ضرر

الہیثم بن عدی متوفی سنہ ۲۰۷ھ کی دو تالیفات کے نام اور حوالے ملتے ہیں یعنی تاریخ الاشراف الکبیر و تاریخ الاشراف الصغیر۔ علی بن محمد المدائنی متوفی سنہ ۲۱۳ھ تقریباً تیس کتابوں کے مصنف ہیں جو دستبرد زمانہ سے باقی نہیں رہیں ان کی ایک کتاب کا نام "اشراف عبد القیس" تھا اسی طرح ابن عبیدہ کی ایک کتاب "اشراف بکر و تغلب" کے حالات میں تھی اور یہ ظاہر ہے کہ عبد القیس اور بکر و تغلب قبائل قریش بھی نہ تھے۔ قریش کے مورث اعلیٰ فہر بن مالک کے اجداد میں سے سات پشت اوپر مضر کے بھائی ربیعہ کی نسل سے تھے بایں ہمہ ان قبائل کے ممتاز افراد شریف و اشراف کہلاتے تھے بالفاظ دیگر شریف و اشراف کسی قبیلے و خاندان کے افراد کے لئے مخصوص نہ تھا۔

لقب الشریف بنی ہاشم سے کب مخصوص ہوا

علامہ جلال الدین سیوطی کثیر التصانیف تھے تقریباً پانسو کتابیں تصنیف کی تھیں ان کا ایک کتابچہ العجاجة الزرنبیه فی السلالة الزینبیه ہے اسعاف الراغبین مطبوعہ مصر میں ان کی بعض عبارتوں کے اقتباسات ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

اسم الشریف یطلق فی الصدر الاول علی کل من اهل البیت سواء کان حسنیاً او حسینیاً ام علویاً من ذریة محمد بن الحنفیة وغیرہ من اولاد علی بن

لقب الشریف کا اطلاق صدر اول میں تمام اہلبیت کے افراد پر ہوتا تھا خواہ وہ حسنی ہوں یا حسینی یا علوی ہوں اولاد محمد بن حنفیہ سے یا سوائے ان کے دیگر اولاد علی بن ابی طالب

ابی طالب ام جعفریا ام عقیلیاً ام عباسیاً ولھذا نجد تاریخ الحافظ الذھبی مشحوناً فی التراجم بذلک یقول الشریف العباسی الشریف العقیلی الشریف الجعفری والشریف الزینبی فلما ولی الفاطمون بمصر قصروا اسم الشریف علی ذریة الحسن والحسین فقط واستمر ذلک بمصر الی الآن۔

سے ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی یا عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی کو دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں تذکرے اسی سے کہ کہتے ہیں الشریف عباسی، الشریف عقیلی الشریف جعفری، والشریف زینبی لیکن جب فاطمیوں (عبیدیوں) کی سلطنت مصر میں قائم ہوئی تو انھوں نے اسم الشریف مختصر کر دیا اولاد حسن و حسین کے لئے فقط اور یہ جاری ہے اب تک مصر میں۔

مرحوم احمد تیمور نے بقول ڈاکٹر حمید اللہ اس عبارت کو اپنی کتاب التذکرہ میں کتاب شاہد الصفا سے نقل کیا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں علامہ سیوطی نے لقب الشریف کے بنی ہاشم سے مخصوص کئے جانے کا زمانہ متعین کرنے میں غلطی کی ہے۔ صدر اول سے بالعموم مراد پہلی صدی ہجری سے لی جاتی ہے۔ مگر پہلی صدی ہجری تو درکنار پانچویں صدی ہجری تک اس لقب کے بنی ہاشم کے کسی گھرانے یا کسی فرد کے ساتھ مخصوص کئے جانے کا مطلق کوئی ثبوت کتب تاریخ سے نہیں پایا جاتا اور سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے قدیم مورخین کا کوئی حوالہ اپنے اس قول کی تائید اور ثبوت میں پیش نہیں کیا لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترینی عزیز جو آپ کی رحلت کے بعد بقید حیات رہے آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب تھے جنھیں آپ صنوابی (میرے باپ کے مثل) فرمایا کرتے تھے ۳۲ھ میں وفات ہوئی مگر الشریف عباسیؓ تو وہ کبھی نہیں کہلائے نہ ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن عباسؓ متوفی ۶۸ھ اور نہ ان کے پوتوں پر پوتوں میں سے کوئی اس لقب سے ملقب ہوا حتی کہ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری تک عباسی خاندان کے کسی فرد کے نام کے ساتھ لقب الشریف بطور مخصوص خاندانی لقب کے کتب تاریخ و تذکرہ کے صفحات پر نہیں پایا جاتا اسی طرح آپ کے دوسرے چچا ابوطالب کو الشریف ابوطالب کبھی نہیں کہا گیا اور نہ ابوطالب کے فرزندان حضرت عقیلؓ و جعفرؓ و علیؓ میں سے کسی کو الشریف عقیلؓ، الشریف جعفرؓ و الشریف علیؓ کہا گیا نہ ان کی اولاد و احفاد میں سے کوئی بھی چوتھی یا پانچویں صدی ہجری تک اس لقب سے ملقب ہوا

مثلاً حضرت حسنؓ کبھی الشریف حسنؓ والشریف حسینؓ نہیں کہلائے اور نہ ان کے بیٹے پوتے یہ سب حضرات شرافتِ نسبی وحسبی کے اعتبار سے بلاشبہ شریف واشراف تھے۔ اور اسی طرح دوسرے قریشی وغیر قریشی خاندانوں کے اکابر بھی عمومی طور سے شریف واشراف کہے جاتے تھے لیکن صدرِ اوّل یا اس کے بعد چار پانچ صدیوں تک مخصوص خاندانی لقب کے طور سے کوئی ہاشمی الشریف نہیں کہلاتا تھا۔

کتاب الانساب مجلد اوّل (طبع جدید) کے مصحح ڈاکٹر حمید اللہ نے "الاشراف" کے عنوان سے جو مختصر سا دیباچہ شاملِ کتاب کیا ہے اس میں اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ بنی ہاشم اور حضرت علیؓ کی نسل کے ناموں کے ساتھ لقب الشریف کے استعمال کا اظہار چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے قبل کبھی نہیں ہوا وہ مزید کہتے ہیں کہ :۔

اما قبل ذالک فقد کان یطلق علی نسل الامام علی لفظ العلویین و علی نسل ابیہ الطالبین ۔ (ص ۲۰)	لیکن اس سے (اواخر چوتھی صدی ہجری سے) قبل امام علیؓ کی نسل کے لوگوں پر لفظ علوی کا اطلاق ہوتا تھا اور ان کے والد کی نسل پر طالبی کا۔

چنانچہ اس قول کے ثبوت میں انھوں نے حضرت علیؓ کی نسل میں چند ممتاز اشخاص کے اسماء مثالاً پیش کئے ہیں جن کا زمانہ ۸۰ھ سے ۳۳۰ھ تک کا ہے ان میں امامیہ کے بعض آئمہ کے اور ان کی اولاد کے نام شامل ہیں مگر کسی نام کے ساتھ لقب الشریف کا اطلاق خاندانی لقب کے طور سے کبھی نہیں کیا گیا ہے۔

یعنی جناب جعفرؒ (الصادق) جن کا زمانہ ۸۰ھ سے ۱۴۸ھ تک کا ہے نیز ان کے صاحبزادے جناب موسٰی بن جعفرؒ متوفی ۱۸۳ھ الشریف جعفر والشریف موسٰیؒ کبھی نہیں کہلائے اسی طرح جناب علی الرضا (۱۵۳ - ۲۰۳ھ) بن موسٰی بن جعفرؒ کا یا ان کے پوتے جناب حسن بن علی بن محمد بن علی الرضا (۲۳۱ - ۲۶۰ھ) کا حتٰی کہ شریف المرتضٰی وشریف الرضی کے والد حسن بن موسٰی بن محمد بن ابراہیم بن موسٰی بن جعفر (الصادق) کا لقب بھی الشریف نہ تھا بلکہ الطاہر ذوالمناقب تھا حالانکہ ان کا زمانہ ۳۰۰ - ۴۰۰ھ کا تھا۔ چوتھی پانچویں صدی ہجری میں البتہ ان اسباب سے جن کا ذکر آگے آتا ہے عباسی وعلوی اکابر کے ناموں کے ساتھ لقب الشریف کا استعمال شروع ہوا چنانچہ سیوطی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ :۔

ولاشک ان المصطلح القدیم اولیٰ	اور اس میں شک نہیں کہ قدیم اصطلاح بہتر ہے

وهو اطلاقه (اسم الشريف) على كل علوی وجعفری وعقيلی وعباسی كما صنعه الذهبی وكما اشار اليه الماوردی من اصحابنا والقاضی ابویعلی الفرا من الحنابلة كلاهما فی الاحكام السلطانيه ونحوه قول ابن مالك فی الالفية۔

اور وہ یہ کہ لقب الشریف کا اطلاق ہر علوی وجعفری وعقیلی وعباسی پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے اور جس طرح الماوردی نے جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابویعلی الفرا نے جو حنبلیوں میں سے ہیں ان دونوں کا احکام السلطانیہ میں ذکر ہے اور اسی طرح کا قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے۔

ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کا زمانہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کے زمانے تقریباً پونے دو سو برس پہلے ہے وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ:۔

الشريف ببغداد لقب لكل عباسی وبمصر لكل علوی (كتاب الالقاب)

بغداد میں ہر عباسی کا لقب الشریف تھا اور مصر میں ہر علوی کا۔

مگر کب سے اور کس زمانے سے تھا اور کن اسباب سے یہ لقب عباسیوں علویوں اور دوسرے ہاشمیوں کے لئے مخصوص ہوا۔ آئیے تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔

خلافت عباسیہ کا ضعف اور فروغ رفض وشیعیت

عباسی خلافت ۱۳۲ھ میں قائم ہوئی ۶۵۶ھ میں خاتمہ ہوا اس سوا پانسو برس کی مدت میں دو سو برس کا ابتدائی زمانہ اس کی قوت و شوکت اور جاہ وجلال کا زمانہ تھا اس کے بعد سے بعض عباسی خلفاء کی سوء تدبیری کی بدولت جن کی تفصیلات یہاں پیش کرنا ضروری نہیں اس میں ضعف واضمحلال شروع ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تقریباً سو برس تک عباسی خلیفہ کی حیثیت بساط سیاست پر شاہ شطرنج سے زیادہ باقی نہ رہی مملکت کے بعض بڑے بڑے صوبوں پر مختلف سیاسی قسمت آزما قابض و متصرف ہوتے گئے جن میں بیشتر رافضی تھے۔ علامہ ابن کثیر ۳۴۷ھ کے حالات کے ضمن میں کہتے ہیں کہ:۔

وقد امتلات البلاد رفضا وسبا للصحابة من بنی بويه وبنی حمدان

بنی بویہ و بنی حمدان اور (عبیدی) فاطمیوں کے سبب تمام ممالک صحابہ کی بدگوئی اور

واللہ طمین وکل ملوک البلاد مصراً وشاماً وعراقاً وخراسان وغیر ذلک من البلاد وکانوا رفضاً و کذالک الحجاز وغیرہ وغالب بلاد المغرب فکثر السب والتکفیر منھم للصحابۃ ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۲۳۳)	رفض سے بھر گئے تھے مصر، شام، عراق وخراسان وغیرہ ملکوں کے بادشاہ رافضی تھے اور اسی طرح حجاز وغیرہ کے اور مغرب (افریقہ) کے اکثر مقامات کے جن کے سبب صحابہ کی بدگوئی اور تکفیر بکثرت کی جاتی تھی ۔

یہی وہ زمانہ تھا جب قرامطہ کے مسلح گروہ جن میں موالی عجمیوں کا عنصر غالب تھا مسلمانوں کے سیاسی نظام کو درہم برہم کرنے کی غرض سے بحرین سے اُٹھے لوٹ مار اور قتل وغارتگری کا بازار گرم کیا حاجیوں کے قافلوں پر بار بار حملے کیے برسوں تک ان کے خوف سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے عراق سے ایک متنفس بھی نہ جاسکا ۔ ان خبیثوں نے ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کر کے ہزاروں حاجیوں کو تہہ تیغ بے دریغ کیا ۔ حجراسود اکھاڑ کر لے گئے جو اکیس برس تک مقام ہجر (بحرین) میں ان کے پاس رہا ۳۳۹ھ میں واپس کیا[۱]۔ دین اسلام اور مسلمانوں کی سیاسی قوت کو مٹانے کے مقصد سے منافقین عجم کی سازشیں طرح طرح سے ہو رہی تھیں بعض ایرانی جو شاہان ایران کی نسل سے تھے قرامطہ سے ساز باز کر رہے تھے ۔ مورخ مسعودی ۔ نے جنہیں ایرانیوں کے حالات سے نسبتاً زیادہ واقفیت حاصل تھی اپنے زمانہ کے واقعات کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ عجمی بادشاہوں کی اولاد میں سے علاقہ اصفہان کا ایک نوجوان جو "الزکری" سے معروف تھا ۔ قرامطہ میں آکر شامل ہوگیا تھا اور قرامطہ کے سربراہ ابی طاہر نے اس کو اپنا قائد تسلیم کرلیا تھا (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۹۱) شواہد تاریخی سے یہ بات بدرجہ یقین ثابت ہے کہ ایرانیوں کو اپنی شہنشاہیت اور سیاست کی شکست تو

---

[۱] قرمطی لیڈر نے حجر اسود واپس کرتے ہوئے لکھا تھا "انا اخذنا ھذا الحجر بامر وقد رددناہ بامر من امرنا بأخذہ" (البدایہ ج ۱۱ ص ۲۲۳) (ہم نے اس پتھر کو بموجب حکم اکھاڑا تھا اور ہم ان ہی کے حکم سے واپس کرتے ہیں جنھوں نے اس کے اکھاڑنے کا حکم دیا تھا) یعنی عبیدی فاطمیوں کے حکم سے جن کے ایجنٹ کے طور سے قرمطیوں نے کام شروع کیا تھا بے شمار حاجیوں کو قتل کیا تھا ان کا مال واسباب لوٹا اور حجر اسود اکھاڑا تھا پھر ان ہی کے کہنے سے واپس کیا۔

چاروناچار قبول کرنا پڑی تھی لیکن جذبۂ حب وطنی اور احساسات نے کی شکست انھوں نے کبھی قبول نہیں کی تھی۔ عربوں کے خلاف کینہ و جوشِ انتقام ان کے دلوں میں موجزن رہا بہت سے ان میں منافقانہ طور سے اسلام میں داخل ہوئے تھے جب کبھی موقع ملتا عربوں اور غیر عربوں کے درمیان سیاسی رقابتیں پیدا کرنے اور ابھارنے کی جدوجہد کرتے رہتے۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانہ تک صحیح النسب حسنی اور حسینی طالبانِ خلافت کے تقریباً پچاس خروج مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات پر ہو چکے تھے خروج کرنے والوں نے اپنے حسب و نسب کی برتری کا پروپگنڈا کیا تھا اور بعض نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت سی وضعی حدیثیں بھی مشتہر ہو چکی تھیں چنانچہ ہر جگہ اس بات کا چرچا تھا کہ مہدی کا ظہور ہونے والا ہے جو اولادِ فاطمہؓ سے ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے آمدِ مہدی سے دنیا میں خوشی کا دور شروع ہو جائیگا اور تمام ممالک پر ان کا تسلط ہو جائیگا چنانچہ اس آمدِ مہدی کے پروپگنڈے نے جو فضا پیدا کر رکھی تھی سیاسی قسمت آزما اس سے فائدہ اٹھاتے مہدویت کے مدعی ہو کر دامِ تزویر میں پھانستے اس طرح متبعین کی جمعیت بآسانی اکٹھی کر لیتے ایرانی نسل کے چند عیار یکے بعد دیگرے اسی دعوے سے اٹھے پہلے تو ایرانی نسل کا یحییٰ بن زکرویہ بن مہرویہ مہدی ہونے کا مدعی ہوا اپنے کو جناب جعفرؒ (الصادق) کا پروتا بتاتا اور یہ کہتا تھا کہ میں محمد بن عبداللہ اسمٰعیل بن جعفر (الصادق) ہوں حالانکہ اس کے باپ دادا کے نام زکرویہ اور مہرویہ ہی سے ظاہر ہے کہ نسلاً عجمی تھے علوی و ہاشمی گھرانے کے کسی فرد کے یہ نام نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ بنی الاصبغ کی ایک جماعت اس کے متبعین میں ہو گئی سب سے پہلے انھوں نے ہی اپنے کو فاطمیین سے موسوم کیا (سموا بالفاطمیین (طبری ج۱۱ ص۳۴۲ والبدایہ ج۱۱ ص۷۳) ابن کثیرؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

کان یدعی انہ من سلالۃ علی بن ابی طالب من فاطمۃ وھو کاذب افاک اثیم قبحہ اللہ (ج۱۱ ص۹۶)	وہ اس کا مدعی تھا کہ حضرت علی بن ابی طالب و فاطمہؓ کی نسل سے وہ جھوٹا دروغ گو تھا اور مرتکب گناہ کا۔ قبحہ اللہ۔

اس کو قریش و بنی ہاشم سے سخت عداوت تھی ملک شام کے قصبہ سلمیہ میں جب داخل ہوا وہاں کے بنی ہاشم کو تہِ تیغ کیا بچوں کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ ان مظالم کی اطلاع جب عباسی

خلیفہ امیرالمومنین المکتفی باللہ عباسیؒ کو بڑی زبردست افواج بھیجنے کا انتظام کیا جس پر کثیر زر و مال صرف کیا اور بنفس نفیس افواج کے ساتھ تشریف لے گئے مقام رقہ پہنچکر فوجی دستے قرمطیوں کے استیصال کے لئے ہر طرف یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے جنھوں نے جلدی ان مفسدین کا خاتمہ کر دیا۔ یہ واقعات علامہ ابن جریر طبری نے تفصیلاً بیان کئے ہیں کیونکہ سنہ ۳۰۰ھ سے چند سال پہلے کے اور ان کے سامنے کے ہیں۔ یحییٰ اور اس کا بھائی حسین بن زکرویہ بن مہرویہ دونوں مہدویت و فاطمیت کے مدعی تھے اپنے پیروؤں کو جو مکتوب بھیجتے اپنے ناموں کے ساتھ کیسے کیسے شاندار القاب لکھتے ابن جریر طبری و ابن کثیرؒ نے اس کے ایک مکتوب کو درج کیا ہے جس سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے مہدویت و فاطمیت کا پروپیگنڈا کس درجہ موثر اور کارآمد سمجھا جاتا تھا ذیل میں اس مکتوب کے ابتدائی فقرات درج ہیں جن میں اس ایرانی نسل والے نے اپنے کو المختار من ولد رسول اللہ اور ولد خیر الوصیین یعنی اولاد رسول میں سے پسندیدہ اور وصیوں میں سے بہتر وصی کی اولاد تک لکھی ہے چونکہ اس کے زمانہ میں الشریف اور سید لقب رائج نہیں ہوئے تقریباً سو برس بعد ہوئے ورنہ وہ یہ لقب بھی لکھتا۔ اس کے خود ساختہ القاب ملاحظہ ہوں۔ جن میں اس ایرانی منافق دشمن اسلام اپنے کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دینے والا منافقین کو ذلیل کرنے والا حتیٰ کہ دونوں جہان میں اپنے کو خلیفۃ اللہ تک کہا ہے:۔

من عبد اللہ احمد بن عبد اللہ المهدی المنصور
الناصر لدین اللہ القایم بامر اللہ الحاکم بحکم اللہ الداعی
الی کتاب اللہ الذاب عن حرم اللہ المختار من ولد
رسول اللہ امیر المومنین وامام المسلمین ومذل
المنافقین خلیفۃ اللہ علی العالمین وحاصد الظالمین
وقاصم المعتدین ومبید الملحدین وقاتل القاسطین
ومهلك المفسدین وسراج المبصرین وضیاء المستضیئین
ومشتت المخالفین والقیم بسنۃ سید المرسلین وولد
خیر الوصیین صلی اللہ علیہ وعلی اهل بیتہ الطیبین

وسلم کثیرا ....

(طبری ج۱۱ ص۳۴۴، البدایۃ ج۱۱ ص۹۶)

اسی مکتوب میں یہ ایرانی مدعی فاطمیت مکتوب الیہ کو لکھتا ہے کہ "میرے جد محمدﷺ [illegible] "۔ [illegible] پھر یہ الفاظ درج ہوئے ہیں لکھتا ہے:۔

واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ
علی جدی محمد رسول اللہ وعلی اھل بیتہ وسلم کثیرا

اس مدعی جدّدیت د فاطمیت کا زمانہ ۳۰۰ھ سے چند سال پہلے کا ہے جب عباسی خلافت کو کمزوری لاحق نہ تھی اس لئے جلد ہی اس کا اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا چونکہ یہ گروہ پہلا گروہ ہے جس نے اپنے کو **فاطمیین** سے موسوم کیا اس لئے ان کا تذکرہ یہاں کیا گیا اگرچہ لقب **الشریف و السید** اپنے لئے مختص کرنے اور اپنی حکومت قائم کرنے کی مہلت نہ ملی جیسا دوسرے مجوسی عبیداللہ بن میمون القداح کی اولاد کو مصر میں اپنی حکومت کو "خلافت فاطمیین" سے موسوم کرنے اور ان القاب کو مختص کرنے کا موقع ملا جن کا ذکر آگے آتا ہے تسلسل واقعات کے سلسلہ میں بنو بویہ کا مختصر حال پہلے سنئے کہ رفض اور شیعیت کے فروغ کے ساتھ شیعہ اکابر کو اعلیٰ مناصب کے علاوہ لقب الشریف اور دیگر القاب ان کی جانب سے عطا کئے گئے۔

بنی بویہ یہ تین بھائی تھے احمد (معز الدولہ) علی (عماد الدولہ) حسن (رکن الدولہ) باپ کا نام ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو تھا بارہ تیرہ واسطوں سے قدیم شاہ ایران بہرام گور کی نسل میں اسے بتایا گیا ہے گردشِ روزگار سے ایسا مفلس و نادار تھا کہ مچھلیوں کی تجارت سے آذوقہ حاصل کرتا تھا حُسنِ اتفاق اور یاوری بخت سے یہ تینوں بھائی علاقہ طبرستان کے ایک مقامی رئیس ماکان بن کالی کے متوسلین میں شامل ہو کر فوج کی کمان کرنے لگے ۳۱۶ھ میں جب ایک سیاسی قسمت آزما مرداویج بن زیاد دیلمی نے اس علاقہ پر تسلط کر لیا یہ لوگ مرداویج سے وابستہ ہو گئے اس نے انتظامی عہدوں پر فائز کیا۔ رعایا ان کے حُسنِ انتظام سے خوش تھی مرداویج نہایت قبیح سیرت تھا وہ جب مارا گیا انھیں ایران کے بعض علاقوں پر تسلط کرنے کا موقع مل گیا یہ زمانہ عباسی خلافت کے ضعف و

اضمحلال کا زمانہ تھا ان کی بڑھتی قوت اور عزائم کو دیکھ کر کہ دار الخلافہ کی جانب بھی رُخ کر القاہر باللہ عباسی خلیفہ نے سنہ ۳۲۲ھ میں ان القاب کے ساتھ جو اوپر ان کے ناموں کے ساتھ درج ہیں امیر الامرائی کا منصب جلیل عطا کر کے کاروبار مملکت میں دخیل کر دیا یہ اور ان کے فوجی سب ظالم و متعصب شیعہ تھے۔ عباسی خلافت کو جائز خلافت نہیں جانتے تھے۔

بنی بویہ ومن معھم من الدیلم کان فیھم تعسف شدید وکانوا یرون ان بنی العباس قد غصبوا الامر من العلویین حتی عزم معز الدولۃ علی تحویل الخلافۃ الی العلویین (البدایۃ والنہایۃ ج۱۱ ص۲۴۲)	بنی بویہ اور اُن کے دیلمی ساتھیوں میں ظلم و جبر کا مادہ شدید تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ بنی عباس نے علویوں سے حکومت کو غصب کر لیا ہے چنانچہ معز الدولہ نے ارادہ کیا کہ خلافت علویوں کی جانب پھیر دے۔

مگر اس کے ایک مشیر نے سمجھایا کہ عباسی خلیفہ کو تم معزول تو کر سکتے کیونکہ تمہارے فوجی اس کام میں تمہارا ساتھ دیں گے اس لئے کہ وہ عباسی خلیفہ کو جائز خلیفہ نہیں جانتے لیکن تم نے کسی علوی کو خلیفہ بنا دیا پھر کسی وجہ سے معزول کرنا چاہا تو تمہارے ساتھی اس کام میں موافقت نہ کریں گے کیونکہ وہ اسے صحیح الامارت جانتے ہوں گے" یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی یہ خیال اس نے چھوڑ دیا مگر رافضیوں سے اسے بڑی محبت تھی۔ "وقد کان معز الدولۃ بن بویہ یحب الرافضۃ (البدایہ ج۱۱ ص۲۴۳) اس کے زمانہ میں شریف الرضی و شریف المرتضی امامیہ بغداد کے اکابر میں سے تھے جن کی وہ بہت قدر کرتا تھا ان کو اور ان کے والد کو مناصب اور القاب عطا کئے تھے سنہ ۳۸۸ھ کے ماہ ذیقعدہ میں شریف الرضی[1] کو لقب الشریف سرکاری طور سے عطا کیا تھا (انسائیکلوپیڈیا آف

---

[1] شریف الرضی جن کو یہ لقب شیعہ امیر الامراء نے عطا کیا تھا جناب موسیٰ بن جعفرؒ (الصادق) کی نسل سے تھے نام و سلسلہ نسب یہ ہے:۔ ابو الحسن محمد بن ابو طاہر حسن بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ شعر گوئی عطیہ وہبی تھا بقول مؤلف عمدۃ الطالب قریش کے ان بلند پایہ شعراء میں ان کا شمار تھا جن میں الحارث بن ہشام و ھبیرہ بن ابی وھب (برادر ابو طالب) عمر بن ابی ربیعہ اور یزید بن معاویہؓ جیسے چوٹی کے

(بقایا نوٹ صفحہ ۷۹ پر)

اسلام ج ۲ ص ۳۱۹) النجوم الظاہرہ وابو المحاسن میں یہ واقعہ ۳۱۲ھ کے تحت بیان ہوا ہے کہ نذیر اللہبی نے چند اشخاص کو جو عقیدہ تناسخ کے قائل تھے گرفتار کرالیا تھا ان میں ایک شخص مدعی تھا کہ علیؓ بن ابی طالب کی روح مجھ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ ایسے ہی ایک عورت کہتی تھی کہ حضرت فاطمہؓ کی روح میرے جسم میں ہے۔ تیسرا شخص جبرئیل ہونے کا مدعی تھا ان تینوں کو کوڑے لگوانے کی سزا دی گئی تو وہ مرد اور عورت کہنے لگے کہ نسباً اولاد علیؓ سے ہیں یہ سنتے ہی معز الدولہ نے انھیں چھوڑ دیا۔ مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ سب بنی بویہ کٹر رافضی تھے اور خاندان علیؓ سے عقیدت بے پایاں رکھتے تھے اور دیگر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض چنانچہ اسی زمانہ میں معز الدولہ نے فضائل صحابہ علی الاعلان بیان کرنے کی ممانعت کردی تھی۔

(البدایہ ج ۱۱ ص ۲۶۰)

علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ حکم انتناعی کے باوجود بغداد کے شافعی عالم ابوبکر محمد بن عبداللہ جو محدث دارقطنی کے شیوخ میں سے تھے ایک دن جامع مدینہ المنصور میں فضائل صحابہ علی الاعلان بیان کرتے اور دوسرے دن مسجد باب الشام میں فضائل صحابہ کے علی الاعلان بیان کرنے کی ممانعت کے علاوہ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مساجد کے دروازوں پر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدگوئی کے الفاظ بھی لکھوا دئے گئے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ اس سال

(بقایا نوٹ صفحہ ۷۸ کا) عرب شعرا کا شمول ہے۔ شریف الرضی کے دیوان میں بنی بویہ خصوصاً بہاء الدولہ کی مدح میں قصیدے شامل ہیں۔ امیر المومنین القادر باللہ عباسیؒ کے مدح میں بھی قصیدہ ہے جس کی ان دو بیتوں میں ہاشمی نسب پر فخر کیا ہے اور کہا ہے کہ تفاخر نسبی کے اعتبار سے تو ہم دونوں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں سوائے اس بات کے کہ خلافت نے آپ کو منزلت دی ہے اور میں اس سے محروم ہوں ؎

مابیننا یوم الفخار تفاوت — ابدا کلانا فی المفاخر معرق
الا الخلافۃ قد میزتک واننی — انا عاطل منہا وانت مطوق

دربار خلافت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سرکاری سیاہ لباس پہنتے تھے شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب اس کے متعلق کہتے ہیں۔ ھو اول طالبی جعل الیہ السواد (ص ۱۹۴)۔ عمر کم پائی ۴۰۶ھ میں فوت ہوئے ان کے بھائی شریف المرتضیٰ کو ان کے مرنے کا اتنا شدید غم تھا کہ جنازہ نہ دیکھ سکے بغداد سے باہر چلے گئے۔ دیوان شعر کے علاوہ چند تصانیف بھی ہیں۔ جن میں معانی القرآن اور مجازات القرآن بھی شامل ہیں۔۱۲

کے واقعات کے ضمن میں کہتے ہیں:۔

وفیہا کتبت العامۃ من الروافض
علی ابواب المساجد لعنۃ معاویۃ
بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وکتبوا
ایضاً ولعن اللہ من غصب فاطمۃ حقہا
وکانوا یعنون ابابکر ومن اخرج
العباس من الشوریٰ یعنون عمرؓ
ومن نفی اباذر یعنون عثمان

....

ولما بلغ ذالک جمیعہ معز الدولۃ
لم ینکرہ ولم یغیرہ ثم بلغہ
اہل السنۃ محوا ذلک [1]
(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۲۴۳)

اور اس سنہ میں رافضیوں کے عوام نے
مسجدوں کے دروازوں پر (حضرت) معاویہ
بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر لعنت لکھی
تھی اور ایسے ہی یہ بھی لکھا کہ لعنت ہو اس پر
جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا مراد (حضرت)
ابوبکرؓ سے تھی جس نے (حضرت) عباسؓ کو
شوریٰ سے خارج کیا مراد اس سے (حضرت)
عمرؓ سے تھی اور جس نے ابوذرؓ کو شہر بدر کیا۔
(حضرت) عثمانؓ سے مراد تھی۔ .....

....

ان سب باتوں کی اطلاع جب معز الدولہ
کو پہنچی اس نے ان باتوں سے نہ منع کیا اور
نہ انھیں مٹوایا پھر جب اطلاع ملی کہ اہل
سنت ہی نے اسے مٹا ڈالا۔

اسلام کی تاریخ میں بنی بویہ کا عروج سیاہ ترین دور تھا اور باتوں کے علاوہ اس دور میں

---

[1] صحابہ کرام کی بدگوئی کو سنکر ایک حسینی بزرگ نے بدگویوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا عزم کرلیا تھا۔ یہ بزرگ ابو عبداللہ محمد بن حسین تھے جو ابن الداعی کہلاتے تھے انھوں نے ۳۵۳ھ میں بلاد دیلم میں مہدی کہکر ظہور کیا کثیر مخلوق ان کی طرف ملتفت ہوگئی ابن الناصر علوی ان کے مقابلے میں فرار ہوگئے بڑے عبادت گذار و مرتاض شخص تھے لباس صوف پہنتے تھے۔ ابن کثیرؒ ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ جب انھیں یہ اطلاعات پہنچیں کہ بغداد وغیرہ میں صحابہ کی بدگوئی کی جاتی ہے انھوں نے جہاد فی سبیل اللہ کا عزم کرلیا۔

وکتب الی الآفاق حتی الی بغداد
دعوا الی الجہاد فی سبیل اللہ لمن
سب اصحابہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۲۵۳)

(ابن الداعی نے) ان لوگوں کے خلاف رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کرتے تھے جہاد
فی سبیل اللہ کرنے کے لئے ہر جگہ حتیٰ کہ بغداد کے
لوگوں کو تحریراً دعوت دی۔

صحابہ کرام کی بدگوئی کی اس رسم بد و بدعت شنیعہ کی بنیاد پڑی۔ خود ایک شیعہ مؤلف جنھوں نے اب سے تقریباً بیس برس پہلے "مجاہد اعظم" نام سے سانحہ کربلا پر کتاب تالیف کی تھی "رسوم عزاداری محرم میں ایک غیر متعلق طرز عمل کی آمیزش" کے جلی عنوان سے تبرّے کے بارے میں صراحتاً لکھتے ہیں کہ :—

> "فاطمی خلافت کی مصر میں بنیاد پڑی یا دیلمی خاندان (یعنی بنی بُوَیہ) کو بغداد میں عروج ہوا اُس وقت سے شیعوں نے بطور انتقام یہ طریقہ اختیار کیا پھر شیعوں میں اس کا رواج ایسا عام ہوا کہ جو آج تک کم و بیش جاری ہے حالانکہ یہ ان کے پیشوایان دین کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے" (ص ۲۱۳) اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں بُرا کہنے کی اجازت نہیں دیتی مذہبی احکام سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو عقلاً بھی کوئی ضمیر دوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا" (ص ۲۲۲)

بنی بُوَیہ خصوصاً معزالدولہ نے فروغ رفض کے سلسلہ میں جو کارروائیاں کیں مورخین نے ان کا ذکر متفرق طور پر کیا ہے مثلاً ۳۵۲ھ میں سب سے پہلے معزالدولہ نے ہی ماتم حسین کی بنیاد قائم کی۔ اس سے پہلے کسی ملک و دیار میں ماتم حسین نہیں ہوتا تھا اور نہ مظالم کربلا کی وضعی داستانیں مشہور ہوئی تھیں۔ علامہ ابن کثیرؒ ۳۵۲ھ کے حالات میں لکھتے ہیں :—

۱- ماتم حسین کی ابتداء

فی عاشر المحرم من هذه السنة امر معز الدولة بن بُوَیه قبحه الله ان تغلق الاسواق وان یلبس النساء المسوح من الشعر وان یخرجن فی الاسواق حاسرات عن وجوههن ینحن علی الحسین بن علی بن ابی طالب ولم یمکن اهل السنة منع ذلک لکثرة

اس سال کی ۱۰ محرم کو معزالدولہ بن بُوَیہ نے خدا اس کا بُرا کرے حکم دیا کہ بازار بند رہیں عورتیں ٹاٹ کا ماتمی لباس پہنیں اور بازاروں میں اپنے چہرے کھولے بال بکھیرے اور سینہ پیٹتی نکلیں اور حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کریں۔ اہل سنت کو ممکن نہ تھا کہ ان باتوں کو روک سکتے منع کرتے بوجہ شیعوں کی کثرت و شوکت اور حکومت کا ان کے طرفدار ہونے کے باعث۔

الشیعة وظہورھم وکون السلطان
معھم (البدایة والنہایة ج ۱۱ ص ۲۴۳)

شیعہ مؤلف مسٹر جسٹس امیر علی نے بھی معزالدولہ ہی کو ماتم حسین کا بانی مبانی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"معزالدولہ یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ سانحہ کربلا کی یادگار کے طور سے مقرر کی تھی۔
(ص ۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیریسینز مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

ایک اور شیعہ مؤلف اپنی تالیف "مجاہد اعظم" میں اسی بات کو صراحتاً لکھتے ہیں کہ معزالدولہ نے ہی سب سے پہلے بغداد میں ماتم حسین حکماً شروع کرایا تھا وہ فرماتے ہیں:-

سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بُویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معزالدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح بہ تغیر توجیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی (ص ۳۴۲)[1]

۲۔ عید غدیر کی ابتداء

معزالدولہ نے ماتم حسین کی ابتداء کرنے کے ساتھ ساتھ اسی ۳۵۲ھ میں عید غدیر کی خوشی منانے کی بھی ابتدا کی۔ غدیر عربی زبان میں جوہڑ کو کہتے ہیں یعنی چھوٹی سی برساتی تلیا جہاں بارش کا پانی اکٹھا ہو جائے۔ مکہ و مدینہ کے راستہ سے کچھ دور ہٹا ہوا یہ جوہڑ تھا[2]۔ وضعی روایت میں کہا گیا ہے کہ حجة الوداع کی واپسی میں

---

[1] مؤلف موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہ تعزیئے جس طرح ہندوستان میں ہوتے ہیں کہیں بھی نہیں ہوتے یہاں تک کہ ایران جو شیعوں کا خاص گھر ہے وہاں بھی اس کا رواج نہیں .... آخر اس کی ابتدا کب سے ہوئی اور کس نے کی اور کیوں ہوئی افسوس ہے کہ اس سوال کے جواب میں تاریخ خاموش ہے" (ص ۳۴۳) تعزیئے اور جلوس ہی نہیں ماتم و سینہ کوبی و نوحہ خوانی کا وجود معزالدولہ کے زمانہ (۳۵۲ھ) سے پہلے کسی ملک و دیار میں تاریخ سے نہیں پایا جاتا۔ سانحہ کربلا کے تین سو برس بعد تک کسی اسلامی ملک میں خاص کر مدینہ و مکہ میں ماتم حسین کا نہ منایا جانا بجائے خود اس بات کی بین دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت وہ ہرگز نہ تھی جو تیسری صدی ہجری میں ابو مخنف جیسے کذاب راویوں کی افسانہ طرازی [illegible] ہوئی شروع ہوئی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "خلافت معاویہ و یزید"

[2] یہ [illegible] اس لئے عید غدیر خم بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام پر قیام کرکے۔ خطبہ ارشاد فرمایا اور حضرت علیؓ کی جانشینی کا اعلان کیا چنانچہ اس مفروضہ اعلان کی خوشی میں ساڑھے تین سو برس بعد بنی بُوَیہ کے زمانۂ اقتدار میں پہلی مرتبہ یہ عید بغداد میں منائی گئی تھی جس کا حال علامہ ابن کثیرؒ کی زبانی سُنیئے فرماتے ہیں:—

وفی ثامن عشر ذی الحجة منها امر معز الدولة بن بُوَیه باظهار زینة فی بغداد وان تفتح الاسواق باللیل کما فی الاعیاد وان تضرب الدبادب والبوقات وان تشعل النیران فی ابواب الامراء وعند الشرط فرحاً بعید غدیر (ایضاً)

اسی سال کی اٹھارویں ذی الحجہ کو معز الدولہ بن بویہ نے حکم دیا کہ عید غدیر کی خوشی میں زینت و آرائش بغداد میں کی جائے بازار رات میں اسی طرح کھلے رہیں جس طرح عیدین میں کھُلے رہتے ہیں۔ ڈھول اور نقارے بجائے جائیں امراء کے یہاں اور چھاونی میں آتش بازی چھوڑی جائے۔

مشہد علیؓ عضد الدولہ۱؎ فناخسرو برادرزادہ معز الدولہ نے اپنی وفات سے دو تین سال قبل ۳۶۹ھ میں شہر کوفہ سے تقریباً سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک بنجر اور ریگستانی

۱؎ عضد الدولہ صرف چھ سات برس ہی بغداد میں امیر الامراء کی حیثیت سے فائز رہا۔ بنی بویہ میں وہی سب سے زیادہ عاقل و فاضل، صاحب علم تھا اور حسن سیاست میں معروف مگر رفض و تشیع سے بھرپور تھا کان فیہ رفض وتشیع (البدایہ) اس کے پیشرو معز الدولہ اور اس کے بیٹے بختیار بن معز الدولہ کی کوششوں کی وجہ سے جو رفض و تشیع کی ترویج میں انھوں نے کی تھیں بغداد میں ایسی خراب فضا پیدا ہوگئی تھی کہ فریقین میں آئے دن فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے عضد الدولہ نے اس کے انسداد کے لئے یہ حکم دے دیا کہ کوئی خطیب و واعظ اپنے وعظ میں کسی صحابی کا نام تک نہ لے اس زمانہ کے صالحین میں ابوالحُسین بن سمعون واعظ تھے وہ بدستور وعظ کہتے رہے۔ عضد الدولہ نے طلب کیا اور خلوت میں گفتگو کرنی چاہی واعظ موصوف نے سورہ یونس کی یہ آیت تلاوت کی۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (پھر ہم نے تمھیں زمین پر ان کے بعد ان کا جانشین کیا تھا کہ دیکھیں تم کیا عمل کرتے ہو) اور عضد الدولہ کو تنہا طلب کرکے اس کی تشریح میں اس درجہ مؤثر تقریر کی کہ وہ بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ واعظ موصوف جب رخصت ہو گئے اپنے حاجب کو حکم دیا کہ تین لاکھ درہم اور دس پارچہ لباس کے لے جا کر انھیں دے، قبول کرلیں تو ان کا سر کاٹ لانا۔ مگر واعظ موصوف نے لینے سے صاف انکار کردیا۔ عضد الدولہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے انھیں مجھ سے بچایا اور مجھکو اُن سے۔

علاقہ میں جو النجف کہلاتا تھا مشہد کی عالیشان عمارت تعمیر کرائی تھی ۳۷۲ھ میں فوت ہو گیا تو اسی مشہد کے قرب میں دفن ہوا۔ تربت پر یہ کتبہ کندہ تھا۔

هذا قبر عضد الدولة وتاج الملة ابی شجاع بن رکن الدولة
احب مجاورة هذا الامام المتقی لطمعه الخلاص والحمد لله
وصلوته علی محمد وعترته الطاهرة۔

تدفین۔ حضرت علیؓ پر عبدالرحمٰن بن ملجم نے قاتلانہ حملہ شہر کوفہ میں کیا تھا۔ اور وہیں آپ کی وفات بھی ہوئی تھی اور وہیں آپ کے جسد بے جان کو آپ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے اس نیت سے عارضی طور پر سپرد خاک کیا تھا کہ بعد میں مدینہ جا کر اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم مورخین نے کوفہ میں دفن کئے جانے کی معتمد روایتیں لکھی ہیں تین سو برس بعد عضد الدولہ نے جب یہ مشہد تعمیر کرایا تو مقام تدفین کے بارے میں طرح طرح کی روایتیں وضع ہوتی رہیں جن کا مختصر حال ذیل میں درج ہے اول قدما کی روایتیں ملاحظہ ہوں:۔

قدیم مورخ مسلم ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے کتاب المعارف میں صراحتاً بیان کیا ہے کہ کوفہ کے قصر امارت کی مسجد جامع کے پاس دفن ہوئے چنانچہ ان کے مقتول ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قتل لیلة الجمعة لسبع عشرة لیلة
مضت من شهر رمضان سنة
اربعین ....
قتله عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی
قال الواقدی دفن لیلا وغبی قبره
وقال ابو الیقظان صلی علیه الحسن
ودفن بالکوفه عند مسجد الجماعة
فی قصر الامارة۔ (ص ۹)

وہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی رات میں قتل ہوئے تھے ....
ان کو عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی نے قتل کیا واقدی کہتے ہیں کہ رات کے وقت دفن ہوئے اور ان کی قبر چھپا دی گئی تھی ابو الیقظان نے کہا ہے کہ حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی اور وہ کوفہ میں قصر امارت کی مسجد جامع کے پاس دفن ہوئے۔

مورخ ابن قتیبہ کے بعد کے شیعہ مورخ علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بھی جو عضد الدولہ کے زمانہ سے تقریباً نصف صدی پہلے کے ہیں قصر الامارت کوفہ کی مسجد جامع کے قرب میں حضرت علیؓ کا مدفون کیا جانا بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

قتل علی علیہ السلام وھو ابن ثلاث وستین سنۃ صبیحۃ الجمعۃ لسبع عشرۃ لیلۃ خلت من شہر رمضان سنۃ ۴۰ ودفن عند مسجد الجماعۃ فی قصر الامارۃ۔ (ج ص۸۳)	علی علیہ السلام ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی رات کو تڑکے کے وقت قتل ہوئے اس وقت ان کا سن ۶۳ برس کا تھا اور قصر امارت کی مسجد جامع کے پاس دفن ہوئے۔

علامہ ابن جریر طبری شیعی سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد کے مورخ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے بھی تاریخ بغداد میں کوفہ میں دفن ہونا بیان کیا ہے مؤلف کی وفات عضد الدولہ کے مشہد تعمیر کرانے سے تقریباً نوے برس بعد ہوئی ان کے زمانہ کے لوگ نجف میں دفن ہونے کی روایت کو قبول نہیں کرتے بلکہ وہاں دفن ہونے سے منکر تھے۔ اب خطیب بغدادی سے چند روایتیں جو اسناد کے ساتھ درج کی ہیں سنئے :-

حضرت علیؓ کے تذکرہ کے سلسلہ میں اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ کی بیان کردہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے جناب ابوجعفر محمدؒ (الباقر) سے جب ان کے پردادا حضرت علیؓ کے مقام تدفین کے بارے میں پوچھا تھا تو فرمایا کوفہ میں رات کے وقت دفن ہوئے تھے اور مدفن ان کا چھپا دیا گیا تھا دفن بالکوفۃ لیلا وعُمّی دفنہ (ج ص۱۳۵) دوسرے راوی ابومسلم بن احمد بن عبداللہ العجلی نے حضرت موصوف کے مقتول ہونے کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ :-

علی بن ابی طالب قتل بالکوفۃ قتلہ عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی	علی بن ابی طالب کوفہ میں قتل ہوئے عبدالرحمٰن بن ملجم نے انھیں قتل کیا تھا۔
....	....
ودفن بالکوفۃ فلا یعلم این موضع قبرہ۔ (ایضاً)	دفن کوفہ میں ہوئے مگر ان کی کس جگہ ہے یہ کسی کو معلوم نہیں۔

شہر کوفہ حضرت علیؓ کا نہ صرف مستقر دارالخلافہ تھا بلکہ چند سال سے وطن ثانی کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ مدینہ چھوڑ کر وہیں رہنے لگے تھے اور بیشتر اہل خاندان بیٹے بھتیجے بھانجے وداماد وغیرہ سب ساتھ تھے جن کی سکونت کے لئے مکانات بھی تعمیر کرالئے گئے تھے۔ پھر اس شہر کوفہ ہی میں نہیں تمام صوبہ عراق میں ہزاروں جانثار وطرفداران کے موجود تھے[1]

[1] حضرت عثمان ذی النورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد قصاص خون عثمانؓ کے بارے میں بقایا نوٹ صفحہ ۸۶ پر دیکھئے۔

والكوفة علوية لانها وطن علي رضي الله عنه ودار ه (العقد الفريد ج ۲ ص ۲۷۶)	اور کوفہ تو طرفداران علیؓ کا شہر تھا کیونکہ وہ حضرت علیؓ کا وطن اور گھر تھا۔

ان [illegible] کے اعتبار سے شہر کوفہ میں قبر کو مخفی رکھنے کی کیا وجہ خاص ہو سکتی تھی اس ہی سلسلہ میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مؤلف فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو پہلے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے بعد "دولۃ بنی امیۃ" قائم ہو جائے گی، بنی امیہ کو چونکہ ان سے عداوت تھی اس لئے خود انھوں نے یہ وصیت کر دی تھی کہ قبر میری چھپا دی جائے تاکہ بنی امیہ کوئی فعل قبیح [illegible] ساتھ نہ کر سکیں۔ (ص ۴۳)

برخلاف [illegible] البدایۃ والنہایۃ کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ خارجیوں کے خوف سے [illegible] کے دارالامارت (گورنمنٹ ہاؤس) میں دفن کیا گیا تاکہ قبر کھود کر میت کی بے [illegible] کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ دفن بدار الامارۃ خوفاً علیہ من الخوارج ان ینبشوا [illegible] جثتہ (ج ۷ ص ۳۲۹) مگر درایت کے اعتبار سے یہ دونوں روایتیں ضعیف اور [illegible] کی ترجمان ہیں۔ حضرت علیؓ کو بفرض محال اگر اس بات کا پہلے سے علم بھی ہو گیا تھا کہ ان [illegible] بعد خلافت بنی امیہ قائم ہو جائے گی۔ تب بھی وہ یہ وصیت کیوں کرتے۔ بنی امیہ سے ذاتی [illegible] خصومت ان کی مطلق نہ تھی سیاسی معاملات میں البتہ اختلاف ہوا اور

(بقیہ نوٹ صفحہ [illegible]) جو تفرقہ امت میں پڑا اس کا قدرے اندازہ اصمعی کے اس قول سے ہو سکے گا۔ جو صاحب العقد الفرید نے نقل کیا ہے اصمعی کہتے ہیں:-

البصرۃ کلہا عثمانیۃ والکوفۃ کلہا علویۃ والجزیرۃ خارجیۃ والحجاز سنیۃ۔ (ایضاً)	بصرہ شہر تمام تر طرفداران عثمانؓ کا تھا اور کوفہ تمام تر طرفداران علیؓ کا اور ملک شام تمام تر طرفداران بنی امیہ کا تھا۔ جزیرہ خارجیوں کا اور حجاز اہل سنت کا۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا ہے کہ بصرے کے باشندے جس دن سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ طلب قصاص کے لئے کھڑے ہوئے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ قتل ہو گئے۔ سب طرفداران عثمانؓ ہی شامل ہو گئے چنانچہ کسی بصری سے جب پوچھا کہ تم علیؓ سے محبت نہیں کرتے اس نے کہا تھا کیف احب رجلاً قتل من قومی [illegible] میں ایسے شخص سے کیسے محبت کر سکتا ہوں جس نے میری قوم میں سے لوگوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ بصرہ کے برخلاف کوفہ والے حضرت علیؓ کے طرفدار رہے بعد میں البتہ غداری کی اور الکوفی لا یوفی مثل مشہور ہو گئی۔

نوبت بجنگ پہنچی لیکن صفین کی واپسی میں جب ان کے ساتھی عراقیوں نے اہل شام یعنی بنی امیہ اور ان کے اعوان و انصار پر سب وشتم کا آغاز کیا حضرت علیؓ نے سختی سے منع کیا اور گشتی فرمان جاری کیا جس میں صراحتاً بیان کیا گیا تھا کہ۔

"ہمارے معاملے کی ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک' ہمارا اور ان کا نبی ایک' ہماری اور ان کی دعوتِ اسلام میں ایک' اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔ (نہج البلاغۃ)

رہی دوسری روایت کہ خارجیوں سے خطرہ تھا کہ قبر کھود کر میت کی بے حرمتی کریں گے اس کی بھی کچھ اصلیت نہیں۔ خارجی تو ان ہی کی پارٹی کے لوگ تھے جو تحکیم کے معاملہ میں ان سے جدا ہو گئے تھے اور جدال و قتال کی نوبت پہنچی تھی جس کو بقول شیعہ مورخ مسعودی ایک سال پانچ مہینے اور پانچ دن کی مدت بھی گذر چکی تھی ان کے قاتل عبد الرحمٰن بن ملجم[1] کا ان پر

[1] عبد الرحمٰن بن ملجم مولد و منشاء کے اعتبار سے کوفی تھا مگر سکونت اس کی مصر میں تھی وہ قرآن شریف کا اچھا قاری تھا قرآن شریف کی تعلیم اس نے جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ سے یمن میں حاصل کی تھی قاموس التراجم میں اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ :۔

وکان عمر بن الخطاب قد کتب الی عمرو بن العاص یامرہ بمنزل بعبد الرحمٰن بن ملجم بقرب المسجد لیعلم الناس من القرآن وکان قد قرأ علی معاذ بن جبل بالیمن ثم انتقل الی مذھب الخوارج۔
(قاموس التراجم زرکلی ج ۱۰ ص ۲۹۸)

حضرت عمر بن الخطاب (فاروق اعظمؓ) نے حضرت عمرو بن العاصؓ (گورنر مصر) کو تحریراً ہدایت کی کہ عبد الرحمٰن بن ملجم کے رہنے کا مسجد کے قریب ہی انتظام کریں تاکہ وہ لوگوں کو قرآن شریف کی تعلیم دے اس نے قرآن کی تعلیم حضرت معاذ بن جبلؓ سے یمن میں حاصل کی تھی پھر وہ خوارج کے مسلک کا ہو گیا تھا۔

وہ مصر سے چل کر کوفہ آیا اور وردان بن مجالد کو حضرت علیؓ پر حملہ کرنے کے لئے یہ کہکر ورغلایا کہ انھوں نے ہمارے نیک سیرت بھائیوں کو قتل کیا ہے (قتل اخواننا الصالحین) لہذا ان کے بدلے میں انھیں قتل کر دیں چنانچہ انتقامی جذبے سے بدنائی تو اذن اپنا کھو بیٹھا اور اس فعل بد کا ارتکاب کیا حضرت علیؓ نے ہدایت کر دی تھی کہ میری وفات کے بعد قاتل کو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۸ پر)

قاتلانہ حملہ خارجیوں کی سازش سے نہ تھا یہ ان کا ذاتی اور انفرادی فعل بد تھا چنانچہ شیعہ مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ خارجیوں کی ا[illegible] ابن ملجم کے اس بزدلانہ و غدارانہ فعل سے کنارہ کش تھی اسے پسند نہ کرتے تھے وکثیر من الخوارج لا یتولّی ابن ملجم لقتلہ ایّاہ غیلۃً (کتاب التنبیہ والاشراف ص۲۹۶) خارجی حضرت علیؓ پر جب بزدلانہ حملہ کو ہی ناپسند کرتے تھے تو قبر کی بے حرمتی کا ارتکاب کیوں کرتے۔ غرضیکہ کوفہ میں قبر کے مخفی رکھے جانے کی یہ دونوں باتیں بے اصل ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ شہر کوفہ کے کسی مقام پر جب مدفون ہوئے خواہ گورنمنٹ ہاؤس (دار الامارۃ) میں یا مسجد جامع کے قرب میں یا جیسا ایک روایت میں ہے کہ اپنے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ کے مکان کے ایک حجرے میں دفن کئے گئے تو شہر کوفہ میں قبر کیوں نہیں ہے۔ تین سو برس بعد بنی بُویہ کے زمانہ امیر الامرائی میں کوفہ سے سات آٹھ میل دُور ریگستانی علاقہ میں کیسے ظاہر ہوگئی مختصر جواب اس کا ایک روایت سے ملتا ہے کہ ان کے صاحبزادوں نے ان کی میت کو تابوت میں اس نیت سے رکھکر عارضی طور سے سپرد خاک کیا تھا کہ مدینہ لیجا کر اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کرینگے چنانچہ کوفہ سے روانہ ہوتے وقت اس تابوت کو اونٹ پر لدوا کر لے گئے لیکن دورانِ سفر مدینہ بلا د طے میں شب کے وقت اونٹ مع تابوت گم ہوگیا وہاں کے بدوؤں نے یہ سمجھکر کہ اس میں مال ہے لے لیا میت مدینہ نہ پہنچ سکی۔ اس لئے ان کا مدفن نہ مدینہ میں ہے اور نہ کوفہ میں خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے ایک متشیع راوی کی جو روایت درج کی ہے اسے علامہ ابنِ کثیرؒ نے بھی الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

وقد حکی الخطیب البغدادی عن ابی نعیم الفضل بن دکین ان الحسن والحسین حولاہ فنقلاہ الی المدینہ بالبقیع عند قبر فاطمۃ وقیل انھم لما حملوہ علی البعیر ضل منھم

خطیب بغدادی نے ابونعیم الفضل بن دکین کی یہ روایت بیان کی ہے کہ حسنؓ و حسینؓ نے (حضرت علیؓ کی میت کے) تابوت کو نکالا اور مدینہ میں قبر فاطمہؓ کے پاس منتقل کر دیا یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تابوت کو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۷ کا) ایک ہی وار سے قتل کر دیا مگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ ایک ایک عضو کاٹ کر اسے قتل کیا گیا جب اس کی زبان کاٹنے لگے تو چلایا کہ اس سے تو میں قرآن کی تلاوت کرتا ہوں ظالمو! اسے تو مت کاٹو مگر اس کے وحشیانہ جرم کی سزا یہی قرار دی گئی کہ عذاب کے ساتھ قتل ہو پھر اس کے اعضا نذر آتش کئے گئے۔ (طبری)

فاخذ نه طی يظنونه مالا فلما
رأوا ان الذی فی الصندوق میت
ولم یعرفوه دفنوا الصندوق
بما فیه فلا یعلم احد این قبره
(البدایة والنهایة ج ۷ ص ۳۳۰)

اونٹ پر لے جا رہے تھے وہ اونٹ ہی گم ہو گیا
قبیلہ طی کے لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ اس میں مال ہے
لے لیا لیکن جب دیکھا کہ صندوق میں میت رکھی
ہے جسے انھوں نے پہچانا نہیں تو صندوق کو
مع اس کے جو اس میں تھا دفن کر دیا مگر کسی کو بھی
معلوم نہیں کہ ان کی قبر کہاں ہے۔

مدینہ میں دفن ہوتے تو قبر وہاں ہوتی مخفی بھی نہ رہتی اور ان کی اولاد کی قبریں بھی اس کے پاس ہوتیں حضرت حسنؓ کی وفات اپنے والد ماجد کے انتقال سے نو برس بعد مدینہ میں ہوئی تھی حضرت علیؓ کی قبر مدینہ میں ہوتی تو وہ پدر بزرگوار کے پہلو میں ہی دفن ہوتے لیکن وہ اپنے دادا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے روضہ میں ان کے پائینتی دفن ہوئے (سفر نامہ ابن جبیر ص ۲۱۴ و رحلہ ابن بطوطہ) ان کے علاوہ جناب علی بن الحسین (زین العابدین) ان کے فرزند محمد بن علی (الباقر) اور پوتے جعفر (الصادق) ان سب کی قبور حضرت عباسؓ ہی کے روضہ میں تھیں جو "قبہ اہل بیت" کہلاتا تھا۔ ان کے مدفن کی جگہ چونکہ صحیح طور سے متعین نہ ہو سکی مختلف روایتوں میں مختلف مقامات کے نام لئے گئے ہیں۔ خطیب بغدادی و ابن کثیرؒ کی روایتوں میں حسب ذیل مقامات تدفین بتائے گئے ہیں۔

۱۔ دارالامارۃ کوفہ (گورنمنٹ ہاؤس)
۲۔ مسجد جامع کوفہ۔
۳۔ حجرۂ مکان جعدہ بن ہبیرہ واقع کوفہ
۴۔ نواح کوفہ
۵۔ مقام کناسہ
۶۔ مقام ثوبیہ
۷۔ مدینہ (قبرستان بقیع)
۸۔ بلاد طی
۹۔ نجف حیرہ
۱۰۔ نجف
۱۱۔ بلخ (قریہ الخیر)

دیگر کتب میں چند اور نام بھی ملتے ہیں جہاں وقتاً فوقتاً حضرت علیؓ کی قبر ظاہر اور دریافت ہوتی رہی۔

مزار شریف نزد بلخ

مندرجہ بالا فہرست کے آخری مقام قریہ الخیر نزد بلخ میں جسے "خواجہ خیران"[1] بھی کہتے ہیں دو مختلف زمانوں میں مدفن علیؓ دریافت ہوا۔ پہلے تو حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً پانسو برس بعد بعہد سلطان سنجر ۵۱۱ھ میں دریافت ہوا اور وہ اس طرح کہ اس قریہ کی جماعت صالحین نے جن کی تعداد مولف تحفۃ الالباب نے چار سو سے زائد بیان کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ "ابن عمی ابن ابی طالب فی ھذا الموضع" یعنی میرے چچا کے بیٹے ابن ابی طالب اس جگہ (دفن ہیں)" پھر اس جگہ کی جانب آپ نے اشارہ کیا صبح کو یہ لوگ تماج یعنی حاکم بلخ کے پاس گئے اور خواب بیان کیا وہاں ایک فقیہہ بھی موجود تھے انہوں نے حاکم سے کہا یہ امر محال ہے کہ قبر علیؓ یہاں ہو کیونکہ :-

علی بن ابی طالب قتل بالکوفۃ واختلف الناس فی قبرہ فمن ھم من قال دفن فی جامع الکوفۃ تحت المنارۃ ومنھم من قال دفن بکرذا ذودہ (؟) ومنھم من قال دفن بالغدیر (؟) وعلیہ یبنی المشھد فکیف یجئ الی بلخ مسیرۃ الف فرسخ واکثر ھذا محال فانصرف الناس۔ {تحفۃ الالباب مطبوعہ پیرس ۱۹۲۵ء بتصحیح جبریل فرڈینڈ}

علی بن ابی طالب کوفہ میں قتل ہوئے تھے ان کی قبر کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ کوفہ کی مسجد جامع کے مینار کے نیچے دفن ہوئے کچھ ان میں سے کہتے ہیں کہ مقام کرذا ذوہ (؟) میں دفن ہوئے اور کچھ کہتے ہیں کہ غدیر (شاید غری ہو) میں دفن ہیں اور مدفن پر مشہد بنایا گیا ہے تو پھر دو ہزار میل سے زیادہ فاصلہ پر (ان کی میت) یہاں کیسے آسکتی ہے یہ بات محال ہے یہ سن کر لوگ واپس چلے گئے۔

---

[1] یہ قریہ بلخ سے چودہ میل بجانب شرق آمو دریا کے جنوب میں واقع ہے اور افغانستان کے علاقہ میں ہے پہلے الخیر کہلاتا ہے پھر خواجہ خیران کہلایا روسی جنرل مٹویو نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ شمالی افغانستان کے عمدہ مقامات میں سے یہ بستی ہے جس کی آبادی تیس ہزار ہے۔

مگر آدھی رات کو یہی فقیہہ اپنی اولاد و احباب کی معیت میں حاکم کے پاس آئے اور آہ و زاری کرتے ہوئے یہ ماجرا سنایا کہ میں اپنے گھر سو رہا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ علویوں کی ایک جماعت بوڑھے بچے اور جوان سفید لباس پہنے میرے گھر میں داخل ہوئے اور مجھ سے پوچھنے لگے "تو کہتا ہے کہ امیر المومنین یہاں موجود نہیں رسول اللہ کے قول کو جھٹلاتا ہے" مجھے گھسیٹ کر قبر پر لے گئے جہاں امیر المومنین علی بن ابی طالب تشریف فرما تھے، سر اور داڑھی کے بال ان کے سفید تھے پھر یہ سب مجھ پر پل پڑے لات گھونسوں سے مارنے پیٹنے لگے کہتے جاتے تھے کہ دیکھ یہ ہیں امیر المومنین۔ مجھے اتنا مارا قریب تھا کہ میرا دم نکل جائے میں نے امیر المومنین سے فریاد کی اور عرض کیا:۔

یا امیر المومنین! بِلّٰہ ارحمنی فاشار الیھم علی علیہ السّلام بیدہ فترکونی فاستیقظت و جمع اعضاءی کانہا مکسرۃ وانا استغفر اللّٰہ و اتوب الیہ مما قلتہ

(تحفۃ الالباب)

اے امیر المومنین! خدا کے لئے مجھ پر رحم فرمائیے علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ان کو اشارہ کیا تو انھوں نے مجھے چھوڑ دیا پھر میں جاگ گیا میرے سب اعضاء ایسے تھے جیسے شکستہ ہوں میں اللہ سے خواستگار معافی کا ہوں اور اسی سے توبہ کرتا ہوں۔

یہ ماجرا سنکر حاکم نہیں اور اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر اس مقام پر گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں لوگوں کو بتایا تھا۔ وہاں جب زمین کھودی گئی قبر برآمد ہوئی جس پر سفید سنگ مرمر کی لوحیں بھی تھیں اور امیر المومنین کی میّت اسی طرح تھی جیسے ابھی تازہ دفن ہوئی ہو کوئی چیز بگڑی نہ تھی کفن صحیح حالت میں تھا اور آپ کے رخسار تلے سنگ سرخ کی تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا:۔

"ھٰذا محب النبی علی کرم اللّٰہ وجھہ" حاکم نے قبر از سر نو بنوا کر امیر عالیشان اور خوبصورت مشہد تعمیر کرا دیا اور سنگ سرخ کی وہ تختی ریشمی جزدان میں رکھکر وہاں آویزاں کرا دی۔ شعراء نے اس واقعہ پر نظمیں کہیں۔ مولف مذکور نے ایک طویل قطعہ نقل کیا ہے جس کے چند شعر آپ بھی سنئے:۔

ان میں کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی قبر نہ عراق میں ہے نہ ملک شام میں اور نہ جزیرہ میں اور نہ غدیر میں شاید مراد غروی یعنی نجف سے ہے وہاں تو مغیرہ (بن شعبہ) کی قبر ہے اور اللہ ہی

اس بھید سے واقف ہے۔ ان کی قبر تو یہاں بلخ کے قریۃ الخیر میں ہے پھر صالحین اہل الخیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں یہ بتانا کہ یہاں امیر المومنین موجود ہیں بیان کیا ہے۔ حضرت علیؓ کو "محب محمدؐ" کہہ کر وصی اور وزیر اور ولی اور برادر رسول وغیرہ بتا کر کہا ہے کہ ہے کوئی ان کی مثال:۔

ما بالغدیر سوی المغیرہ	واللہ اعلم بالسریرہ
ما قبر حیدر بالعراق	ولا الشام ولا الجزیرہ
اللہ اودع قبرہ	بالخیر فی ارض نظیرہ
رویاء یراھا صالح	فی امۃ منھم کثیرہ
قال النبی لھم بھا	ھذا ابن عمی فی الحفیرہ
ھذا علیؓ ما ھنا	فلتجھدوا یا اھل خیرہ
فیھا امیر المومنین	کالشمس فی وقت الظہیرہ
ھذا محب محمدؐ	ووصیہ دون العشیرہ
ھذا ولی احبا بہ	مازال فی الدنیا نصیرہ
ھذا مبید عداتہ	ھذا الذی یدعی وزیرہ
ھذا اخوہ وصہرہ	وولیہ ھل من نظیرہ!

مؤلف نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کی قبر کے اس قریہ میں "دریافت" ہو جانے کے بعد تمام بلاد خراسان و ترکستان و سمرقند و بلخ سے زائرین جوق در جوق آنے لگے مگر اس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ بات عجائب روزگار میں سے ہے کہ پانسو سال کے بعد ان کی یہ قبر نزد بلخ دریافت ہوئی۔ کہتے ہیں کہ چنگیز خان کے زمانہ میں یہ مشہد مسمار ہو گیا تھا تو ۸۸۵ھ میں سلطان حسین تیموری کے عہد میں دوبارہ یہ قبر دریافت ہوئی اور بقول مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا ... اس کی اصلیت کے ثبوت کا اعلان و اظہار ہو گیا اس پر مشہد تعمیر ہوا اور چند سلاطین اوزبک کی قبور بھی اس کے قریب میں بن گئیں، رفتہ رفتہ یہاں بارونق بازار لگنے لگے۔ ایک شیعہ افغانی گورنر نائب عالم خان نے ۱۸۶۶ء اپنا مستقر اس مقام کو قرار دے لیا۔ اس وقت سے یہ مقام "مزار شریف" کہلانے لگا۔

بلخی قبر کی "دریافت" بنی بُویہ کے زمانہ سے تقریباً پونے دو سو برس بعد ہوئی تھی مگر

دیومالائی طرز کی جس مہمل حکایت سے اس کا دریافت ہونا بیان کیا گیا ہے تقریباً اسی طرح کی مہمل حکائتیں نجفی قبر کے بارے میں بھی ہیں جو بلخی قبر سے پہلے دریافت ہوئی اور بنی بُویہ کے زمانہ میں اس پر مشہد تعمیر ہوا۔ حالات کی یکسانیت کے اعتبار سے یہاں دونوں کا یکے بعد دیگرے تذکرہ ضروری ہوا اب نجفی قبر کی "دریافت" کا حال سنئے :۔

نجفی قبر کی "دریافت"

پہلے اِس مقام کے محل وقوع کا مختصر تذکرہ ضروری ہے جہاں حضرت علیؓ کی وفات سے تین سو برس بعد ان کی قبر "دریافت" ہوئی۔

النجف (یعنی مشہد علیؓ) صوبہ عراق کی ایک بستی اور زیارت گاہ ہے جو کوفہ سے جانب مغرب ہے' یہ ایک بیابان کے کنارے اور مرتفع وسطح بنجر و بے آب وگیاہ زمین زمین پر واقع ہے' (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج۳ ص۸۱۵)

النجف۔ عربی زبان کا لفظ ہے جمع اس کی نجاف و النجفة آتی ہے۔

النجف۔ التل' المکان الذی لا یعلوہ الماء (المنجد)	النجف یعنی ایک ٹیلا وہ مقام جس پر (سیلابی) پانی نہ چڑھ سکے۔

مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ :۔

والحیرة علی النجف والنجف کان ساحل البحر الملح وکان فی قدیم الدھر یبلغ الحیرة (کتاب البلدان ص۳۰۹ء مطبوعہ مطبع بریل)	(قدیم شہر) حیرہ النجف پر آباد تھا اور النجف ساحل تھا سمندر کا ازمنہ قدیم میں یہ آب شور حیرہ تک پہنچتا تھا

غرضیکہ یہ سارا ساحلی علاقہ جو ریگستانی علاقہ تھا' النجف کہلاتا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ نجفت الریح الکثیب اذا فرصل یعنی تو دھائے ریگ جو ہوا و آندھی سے اڑ اڑ کر پہاڑیاں بنا لیتے ہیں جسے عرف عام میں بھوڑ کہتے ہیں۔ زمانہ ما قبل اسلام یعنی عہد جاہلیت سے ریت کے ان ٹیلوں اور پہاڑیوں میں دو قبریں موجود تھیں جنھیں حضرت آدمؑ اور نوحؑ علیہما السلام سے منسوب کیا جاتا ہے (رحلہ ابن بطوطہ ص۱۰۰) اس ریگستانی علاقے میں حضرت علیؓ کی وفات سے سوا تین سو برس بعد بنی بُویہ کے زمانہ ۳۶۹ھ میں ان کی قبر "دریافت" ہوئی۔ قدیم مورخین ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ اور شیعہ مورخ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ وغیرہ نے

جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں حضرت علیؓ کی تدفین کے سلسلہ میں نجف کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔ دوسرے شیعہ مورخ مسعودیؔ[۱] متوفی ۳۴۶ھ تو بنی بُویہ کے ابتدائی زمانہ میں خود موجود تھے انھوں نے اپنی تالیف کتاب التنبیہ والاشراف ۳۴۵ھ میں مکمل کی تھی چنانچہ خاتمہ کتاب پر امیر المومنین المطیع اللہ عباسیؒ کے عہد خلافت (۳۳۴-۳۶۳) کے حالات میں لکھا ہے کہ "احمد بن بُویہ الدیلمی المسمی بمعز الدولہ نے خلیفہ پر غلبہ پالیا ہے اور اس وقت کہ ۳۴۵ھ ہے خلافت و وزارت کے اکثر امور کا متولی ہو گیا ہے" اس ہمعصر شیعہ مؤرخ نے نجفی قبر کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی دوسری تالیف "مروج الذھب" میں ان کے مدینہ میں مدفون ہونے کا صراحتاً ذکر کیا ہے ان شیعہ مورخین کے زمانے یا اس سے پہلے اگر قبر علیؓ نجف میں "دریافت" ہوئی ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کرتے تو کیا یہی بات قوی ثبوت اس امر کا نہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل نجف میں حضرت علیؓ کی قبر ہونے کی کوئی روایت کوئی حکایت مشتہر نہیں ہوئی تھی بنی حمدان اور بنی بُویہ جو دونوں متعصب شیعہ تقریباً ہم زمانہ تھے۔ ان ہی کے زمانہ اقتدار میں نجفی قبر "دریافت" ہوئی اور اس "دریافت" کے بارے میں وضعی روایتیں اور مہمل حکایتیں مشہور ہونی شروع ہوئیں جنھیں مدتوں بعد تک بھی اعتبار کا درجہ عام طور سے حاصل نہ ہو سکا تھا چنانچہ مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ ۷۲۷ھ میں نجف گیا تھا۔ حضرت علیؓ کی قبر کے بارے میں شبہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "القبر الذی یزعمون انہ قبر علی علیہ السلام (ص ۱۰۹) یعنی وہ قبر جس کے متعلق لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ حضرت علیؓ کی قبر ہے"

دریافت قبر کی مہمل حکایتیں

حمد اللہ مستوفی قزوینی نے اپنی کتاب نزہۃ القلوب ۷۴۰ھ میں تالیف کی تھی اور عمدۃ الطالب کے

---

[۱] ابو الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی متوفی ۳۴۶ھ بڑے پایہ کے مورخ اور سیاح ہیں کتابوں کے مصنف تھے اپنی تصانیف کا تذکرہ خاتمہ کتاب التنبیہ والاشراف میں کیا ہے ان بیس کتابوں میں سے صرف دو کتابیں دستبرد زمانہ سے باقی رہ گئی ہیں یعنی کتاب مروج الذھب ومعادن الجواہر فی تحف الاشراف من الملوک واہل الدرایات (جو نامکمل حالت میں دستیاب ہوئی) اور دوسری کتاب التنبیہ والاشراف جو ۱۸۹۴ء میں لیڈن کے مطبع بریل میں طبع ہوئی تھی۔ مسلکاً شیعہ تھے ان کی ایک تالیف کا نام ہے "رسالۃ البیان فی اسماء ائمۃ"

شیعہ مؤلف متوفی ۸۲۸ھ نے اس کے تقریباً نصف صدی بعد۔ ہر دو مولفین نے پہلے تو حضرت علیؓ کے نجف میں دفن ہونے کی روایتیں لکھی ہیں پھر بنی امیہ کے خوف سے قبر کو مخفی رکھنے اور امیر المومنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ ہی کی کرامت سے اس کے ظاہر ہونے کی حکایتیں بیان کی ہیں۔ مولف نزہۃ القلوب شہر کوفہ کے محل وقوع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

بطرف قبلہ بدو فرسنگی کوفہ مشہد حضرت علی امیر المومنین علی مرتضیٰؑ است و آنرا مشہد غروی خوانند جہت آنکہ چوں امیر المومنین را در مسجد کوفہ زخم رسید وصیت کرد کہ بعد از وفات جسد مبارکش را بر شترے بار کنند و آنرا سر دہند و ہر جا شتر فرود آید آنجا دفن نمایند ہمچنیں کردند آں شتر بر آنجا کہ اکنوں مشہد است فرود آمد آنجا دفن کردند۔

(ص۱۳۱)

کوفہ سے بطرف قبلہ دو فرسنگ (تقریباً سات میل) کے فاصلہ پر مشہد حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ ہے اس کو مشہد غروی (عالی مقام) کہتے ہیں کہ جب امیر المومنین کو کوفہ کی مسجد میں زخم لگا اُنھوں نے وصیت کر دی تھی کہ بعد وفات ان کے جسد مبارک کو ایک اونٹ پر لاد دیا جائے پھر اونٹ کو بے مہار چھوڑ دیا جائے اس خدمت کی انجام دہی کے لئے اسے موزوں سمجھا جائے اور جہاں کہیں وہ اونٹ بیٹھ جائے وہیں دفن کر دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ اونٹ اس مقام پر جہاں اب مشہد ہے بیٹھ گیا تھا اس لئے وہیں دفن کر دیا گیا۔

اس کے برخلاف شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں۔

قد اختلف الناس فی موضع قبرہ والصحیح انہ فی الموضع المشہور الذی یزار فیہ الیوم فقد روی ان عبداللہ بن جعفر سئل این دفنتم امیر المومنین قال خرجنا بہ حتی اذا کنا بظہر النجف

ان کی قبر کی جگہ کے متعلق لوگوں میں ضرور اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ قبر ان کی اسی مشہور جگہ ہے جو آج زیارت گاہ ہے روایت ہے کہ عبداللہ بن جعفر (داماد و برادر زادہ علیؓ) سے جب دریافت کیا گیا

دفناه هناك۔
(صـــ۴۳)

تھا کہ امیر المومنین کو آپ لوگوں نے کہاں دفن کیا تھا انھوں نے کہا کہ ہم ان کا جنازہ لے کر چلے حتیٰ کہ بیابان نجف کے سرے تک گئے اور وہیں دفن کر دیا۔

ذرا دونوں روایتوں کی یہ تضاد بیانی ملاحظہ ہو۔ پہلی روایت میں شتر بے مہار میت کو جدھر چاہا لے گیا گویا نبی کریم کی اونٹنی کی طرح وہ بھی مامور تھا دوسری روایت میں عزیز رشتہ دار میت لے کر گئے البتہ دونوں مؤلف اس بات میں تو متفق ہیں کہ بنی امیہ کے عہد خلافت میں قبر مخفی رہی مگر نزہۃ القلوب کے مؤلف قبر کے بارے میں صاحب قبر کی وصیت کا ذکر نہیں کرتے صرف اتنا کہتے ہیں کہ "در عہد بنی امیہ قبر مبارکش را آشکارا نمی توانستند کرد" (صـــ۱۳۱) لیکن عمدۃ الطالب کے مؤلف فرماتے ہیں کہ اس بارے میں خود حضرت علیؓ نے جیسا اوپر ذکر ہو چکا وصیت کر دی تھی کیونکہ ان کو اس بات کا علم تھا کہ میرے بعد دولت بنی امیہ قائم ہو جائے گی اس لئے قبر مخفی رکھی جائے تاکہ وہ اپنی دشمنی کی وجہ سے اس کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ اب وہ جعلی حکایتیں ملاحظہ ہوں جو امیر المومنین ہارون الرشید عباسی علیہ الرحمہ کے عہد خلافت میں حضرت علیؓ ہی کے معجزے اور کرامات کی بدولت ان کی قبر کے نجف میں ظاہر ہونے کے بارے میں ان مولفین نے لکھی ہیں:۔

نزہۃ القلوب کے مؤلف فرماتے ہیں کہ:۔

در عہد بنی عباس ہارون الرشید خلیفہ رضع در سنہ خمس و سبعین و مایۃ درآں حدود شکار میکرد نخچیرے از بیم او پناہ بآن زمین برد او چندانکہ جہد نمود اسپش درآں زمین نمی رفت و ازآں زمین شکوہے در دل او آمد از اہل آں حدود پرسش نمود قبر حضرت امیر المومنین رضع خبر دادند امر کرد زمین را کاویدند حضرت را خفتہ و زخم رسیدہ

بنی عباس کے عہد خلافت میں ہارون الرشید خلیفہ رضی اللہ عنہ ۱۷۵ھ میں اس علاقے میں شکار کر رہے تھے شکاری جانور ان کے خوف سے اس زمین میں پناہ لیتے تھے ہر چند انھوں نے کوشش کی مگر گھوڑا ان کا اس زمین پر چلتا نہ تھا اس سے ان کے دل میں اس زمین کی عظمت پیدا ہوئی۔ اس علاقے کے لوگوں سے دریافت حال کیا تو انھوں نے حضرت

یافتند مقبرہ او را ظاہر کردند و مردم
بہ آنجا مجاور شدند (ص۲۴۴)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی وہاں قبر
بتلائی حکم دیا کہ اس زمین کو کھودیں چنانچہ
حضرت کو خفتہ اور زخم رسیدہ پایا۔ مقبرہ
آپ کا ظاہر کر دیا گیا۔ اور لوگ اس جگہ
مجاور ہو گئے۔

اب مولف عمدۃ الطالب کی زبانی سنئے وہ ذکر ابتدائے بنائے قبر علیؓ کے ذیلی عنوان سے ظہور قبر کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی کرامت کا ذکر کس آب و رنگ سے کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

فلم یزل قبرہ علیه السلام الله
مخفیاً حتی کان زمن الرشید ھارون
بن محمد بن عبد الله العباسی فانه خرج
ذات یوم الی ظاھر الکوفة یتصید
وھناك حمر وحشیة وغزلان فکان
کلما القی الصقور والکلاب علیها
لجات الی کثیب رمل ھناك فترجع
عنها الصقور والکلاب فتعجب الرشید
من ذلك ورجع الی الکوفة وطلب
من له علم بذلك فاخبره بعض
شیوخ الکوفة انه قبر امیر المومنین
علی علیه السلام الله فحکی انه خرج
لیلاً الی ھناك ومعه علی بن عیسی
الهاشمی وابعد اصحابه عنه و
قام یصلی عند الکثیب ویبکی ویقول
. والله یا ابن عم انی لاعرف حقك ولا
انکر فضلك ولکن ولدك لیخرجون
ویقصدون قتلی وسلب ملکی الی

حضرت علی اللہ کا سلام ہو ان پر کی قبر برابر مخفی رہی
حتیٰ کہ زمانہ ہارون الرشید بن محمد بن عبد اللہ عباسی
کا ہوا وہ ایک دن نواح کوفہ میں شکار کھیلنے
نکلے وہاں پرند سرخ رنگ کے اور آہو بچگان
موجود تھے باز اور کتے جب ان پر چھوڑے
جاتے وہ جانور ریت کے ٹیلے پر جو وہاں تھا
پناہ لیتے چلے جاتے تھے باز اور کتے اس
ٹیلے (پر نہ جاتے بلکہ) اس سے واپس لوٹ
آتے تھے (ہارون) الرشید کو اس بات سے
حیرانی ہوئی تو وہ کوفہ لوٹ گئے اور جن
لوگوں کو اس بارے میں معلومات تھیں طلب
کیا کوفہ کے بعض مُسن لوگوں نے انھیں بتایا
کہ وہاں تو امیر المومنین علی کی (اللہ کا سلام
ہو ان پر) قبر ہے چنانچہ بیان کیا گیا کہ وہ
(یعنی خلیفہ ہارون الرشیدؒ) رات کے
وقت اس مقام پر گئے ان کے ساتھ علی بن
بن عیسیٰ ہاشمی بھی تھے اپنے مصاحبین کو انھوں
نے اپنے سے دور رکھا پھر ریت کے ٹیلے کے

ان قرب الفجر و علی بن عیسٰی نائم فلما قرب الفجر ایقظہ ھارون و قال قم فصلِ عندِ قبر ابن عمک قال وای ابن عم ھو قال امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام فقام علی بن عیسٰی فتوضا و صلی و زار القبر ثم ان ھارون امر فبنی علیہ قبۃ واخذ الناس فی زیارتہ والدفن لموتاھم حولہ۔

(ص ۴۴)

پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھی روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے واللہ اے ابن عم میں آپ کے حق کو جانتا ہوں اور آپ کے فضل سے منکر نہیں لیکن آپ کی اولاد خروج کرتی اور میرے قتل کا قصد کرتی ہے اور میری سلطنت سلب کرنی چاہتی ہے فجر ہونے کے قریب تک یہی کرتے رہے جب فجر کا وقت ہو گیا علی بن عیسٰی کو جو سو رہے تھے جگایا اور کہا کہ اٹھو اور اپنے ابن عم کی قبر کے پاس نماز پڑھو انھوں نے پوچھا وہ کون ابن عم ہیں کہا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ علی بن عیسٰی اٹھے وضو کیا اور قبر کے پاس نماز پڑھی پھر ہارون (الرشیدؒ) نے حکم دیا قبر پر قبہ بنایا گیا اور لوگوں کو اس قبر کی زیارت کرنے اور اپنے مردوں کو اس کے گرد دفن کی تاکید کی گئی۔

اب دیکھئے ملا باقر مجلسی جو اواخر عہد صفوی میں امامیہ کے ممتاز مجتہد و مورّخ تھے ان وضعی روایتوں کی نوک پلک درست کر کے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

روزے ہٰرون الرشید بجانب صحرائی نجف بشکار بیرون رفت با سگہا و چرخہا چوں نزدیک صحرای نجف رسید سگہا و چرخہا را بر آہو چند رہا کرد ساعتے باآن آہوان مجادلہ کردند پس آہو ہا بتلے بالا رفتند سگہا و چرخہا برگشتند باز آہو ہا از تل فرود آمدند آن جانوران شکاری از پے

ایک دن ہارون الرشید شکار کے لئے کتوں اور بازوں کے ساتھ صحرائے نجف کی جانب نکل کر گئے۔ جب صحرائے نجف کے قریب پہنچے کتوں اور بازوں کو چند ہرنوں پر چھوڑا کچھ دیر تک وہ ہرنوں پر جھپٹتے رہے پھر ہرن ریت کے ٹیلے کے اوپر چڑھ گئے کتے اور باز واپس لوٹ آئے ہرن پھر اس

ایشان ز و یدند باز آنہا بتل بالا رفتند آنہا برگشتند چون سہ مرتبہ این امر واقع شد ہرون بسیار متعجب گردید از مرد پیرے از قبیلہ بنی اسد پرسید این تل را چہ میشناسی گفت مرا امان بدہ تا آنچہ میدانم بگویم ہرون گفت امان دادم آن مرد گفت قبر علی بن ابی طالب درین تل است باین سبب جرأت نمی کنند جانوران درندہ کہ باین تل بالا روند پس ہرون وضو ساخت بر تل بالا رفت نماز و دعا کرد و برگشت۔

(جلاء العیون ص۲۰۱ طبع ایران ۱۳۲۴ھ)

ٹیلے سے نیچے اتر آئے تو شکاری جانور ان کے پیچھے دوڑے وہ پھر اس ٹیلے پر چڑھ گئے یہ پھر واپس لوٹ گئے جب تین مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا تو ہارون کو بہت تعجب ہوا قبیلہ بنی اسد کے ایک پیر مرد سے پوچھا کہ اس ٹیلے کے بارے میں تم کیا جانتے ہو اس نے کہا کہ مجھے امان دیجئے تاکہ جو میں جانتا ہوں بتا دوں۔ ہرون نے کہا میں نے امان دی۔ اس شخص نے کہا کہ اس ٹیلے میں علی بن ابی طالب کی قبر ہے اسی وجہ سے یہ درندے جانور جرأت نہیں کرتے کہ ٹیلے پر چڑھ جائیں پس ہارون نے وضو کیا ٹیلے کے اوپر چڑھ گئے نماز پڑھی دعائیں مانگی اور لوٹ گئے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ تینوں مرتبین نے امیر المومنین ہارون الرشید عباسی علیہ الرحمۃ کے ریگستان نجف میں آہو بچگاں اور پرندوں کا کتوں اور باز وشکروں کے ذریعہ شکار کرنے آنے کا تو ذکر کیا ہے مگر یہ نہ بتایا کہ دار الخلافۃ بغداد کے مضافات میں جب شکار گاہیں عمدہ قسم کی اور بکثرت موجود تھیں۔ شکار کے جانور بھی بہت سے تھے زمین ہموار تھی جیسا خود مؤلف نزہۃ القلوب نے بغداد کے ذکر میں لکھا ہے "شکارگاہہائے فراوان و نیکو دارد و شکار بسیار و زمین ہموار و علف خوار ہائش سازگار بود" (ص۳۳) تو آخر وہ کون سی وجہ خاص تھی کہ ایسی شکارگاہوں میں تو شکار نہ کھیلا جہاں شکار بکثرت موجود تھا۔ شکار کے لئے منتخب کیا تو نجف کا بنجر ریگستان جہاں پہنچنے کے لئے اوّل تو ایک سو تیس میل کی مسافت بعبور دجلہ بواسطے کرنی پڑتی تھی۔ پھر وہاں ریتلی پہاڑیوں ٹیلوں اور تودہ ہائے ریگ کا ناہموار میدان میلوں تک چلا گیا تھا جہاں نہ کوئی شکارگاہ تھی نہ شکار ہی بآسانی دستیاب ہو سکتا تھا۔ تو کیا ان حالات میں یہ داستان گو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صاحب قبر نے اپنی مزعومہ تدفین

۱۲۵
کے سیاسو برس بعد عباسی خلیفہ کو صرف اس لئے روحانی کشش سے وہاں کھینچ بلایا تھا کہ طرح طرح کی کرامتیں اور معجزے دکھا دکھا کر تفتیش حال پر انھیں مجبور کریں۔ اہل کوفہ سے پوچھنے پر پتہ چلے کہ ریت کے ٹیلے میں دبی ہوئی قبر ان کے ابن عم علی بن ابی طالب کی ہے "نزہتہ القلوب" کی روایت کے مطابق ریت دمٹی ہٹائے جانے پر حضرت موصوف کو "خفتہ" "زخم رسیدہ" پایا جائے اور ان کے مقبرے کو ظاہر کر دیا جائے "مقبرہ او را ظاہر کردند" اس کے برخلاف مؤلف عمدة الطالب فرماتے ہیں کہ خلیفہ نے ان کی قبر پر مقبرہ بنوا دیا لوگوں کو زیارت کرنے اور اپنی میتوں کو وہاں دفن کرنے کے لئے مجبور کیا ملا باقر مجلسی ان باتوں کا مطلق ذکر نہیں کرتے بس اتنے ہی بیان پر اکتفا کرتے ہیں کہ خلیفہ موصوف کو جب معلوم ہو گیا کہ ریت ٹیلے کے نیچے قبر حضرت علیؓ کی ہے انھوں نے وضو کیا، ٹیلے پر چڑھ کے نماز پڑھی اور دعائیں مانگیں مؤلف عمدة الطالب نے البتہ خلیفہ ہارون الرشید پر قبر پرستی کا بہتان باندھتے ہوئے کہا کہ رات بھر قبر کے پاس کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے گریہ وزاری کرتے اور یہ التجائیں کرتے رہے کہ "اے ابن عم مجھے اپنی اولاد کے خروجوں سے بچائیے وہ میری سلطنت چھیننا چاہتے اور میرے قتل کے درپے ہیں" حالانکہ ان کے عہد میں صرف دو بغاوتیں ہوئی تھیں ایک باغی نے حاضر دربار ہو کر معافی بھی طلب کر لی تھی (ملاحظہ ہو تحقیق مزید) مگر عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیئے۔ وضاعین نے ایسے لچر و پوچ بلکہ احمقانہ طرز سے یہ حکایتیں وضع کی ہیں جن پر دروغ گو را حافظہ نباشد کی مثل صادق آتی ہے مثلاً مؤلف عمدة الطالب ایک جگہ تو یہ فرماتے ہیں کہ بنی امیہ کے خوف سے قبر چھپا دی گئی تھی جو برابر مخفی رہی ان کی خاص اولاد کے سوائے کسی کو بھی معلوم نہ تھی ولم یزل القبر مستوراً لا یعرفه إلا خواص اولاده (ص۴۳) پھر چند ہی سطور کے بعد کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے کوفہ کے ان اشخاص کو طلب کیا جنھیں قبر کا حال معلوم تھا چنانچہ بعض شیوخ کوفہ نے بتلایا کہ اس ریت کے ٹیلے میں چھپی ہوئی حضرت علیؓ کی قبر ہے نزہتہ القلوب کے مؤلف بھی یہی کچھ فرماتے ہیں یعنی "از اہل آں حدود پرشش نمود قبر حضرت امیر المومنین خبر دادند" ملا باقر مجلسی نے تو بنی اسد کے پیر مرد ہی کا نام لے دیا ہے کہ حال بتانے کے لئے اس نے اوّل امان طلب کی جب امان مل گئی قبر کا سارا حال بتا دیا گویا قبر کی نشان دہی بھی کوئی جرم تھا اور جرم بھی [illegible] کہ جانے جان کا طالب ہوا۔ ان باتوں اور اختلاف بیانیوں سے قطع نظر دیکھنا

یہ ہے کہ جب شیوخ کوفہ اور "اہل آن حدود" بنز بیر مرد اسدی تک کو قبر کا یہ حال معلوم تھا کہ بنی اُمیہ کے خوف سے چھپادی گئی تھی تو ۱۳۲ھ میں خلافت بنی اُمیہ ختم ہو جانے سے بے حرمتی کا جب کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا پھر کیوں پوشیدہ رہی اور اس نصف صدی کے طویل عرصہ میں جو بنی امیہ کا خطرہ ٹل جانے کے وقت سے عہد ہارونی (۱۷۰ - ۱۹۳ھ) تک ہوتا ہے شیوخ کوفہ وغیرہ نے اپنے امام اوّل ووصی رسول کے مرقد کو ریت کے ٹیلے میں دبے ہوئے بدستور مخفی و مستور کیوں رہنے دیا یعنی بے حرمتی کا خطرہ ٹل جانے کے بعد بھی پچاس برس کے عرصہ دراز میں نہ ان عقیدت مندوں نے قبر برآمد کرنے کا خیال کیا اور نہ ہاشمی خاندان اور صاحب قبر کی اولاد و احفاد نے توجہ کی حالانکہ اپنے کنبے اور گھرانے کی حکومت - خلافت ہاشمیہ عباسیہ - قایم ہو جانیکے بعد سے ہاشمی وطالبی وعلوی اکابران اطراف و حدود میں برابر آتے جاتے رہتے، مہمان عزیز کے طور سے اپنے بنو العم خلفاء عباسی کے پاس مہینوں مقیم رہتے، گرانبہا رقوم وظائف وعطایا کی حاصل کرتے جن کا ضمناً ذکر اوپر آچکا ہے مگر ان ہاشمی وعلوی عمائدین میں سے نہ کوئی صاحب نجفی ریگستان تشریف لے گئے اور نہ ریت کے ٹیلے میں سے گرامی قدر عزیز اور جد بزرگ کی قبر تلاش کرنے یا اس پر فاتحہ پڑھنے کی زحمت گوارا کی خصوصاً ان ہاشمی اکابر نے جو امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسی علیہ الرحمۃ کے عہد میں دربار خلافت سے منسلک تھے، بغداد میں سکونت پذیر تھے پھر خاندان خلافت سے متعدد علویوں کے تعلقات مصاہرت بھی تھے ان کی بیٹیاں بعض عباسی خلفاء اور ان کے بیٹوں عزیزوں کے عقد میں تھیں ان میں سے کسی کو بھی توفیق نہ ہوئی کہ اپنے جد گرامی کی قبر تلاش کریں، ڈھونڈھ پائیں تو اس کی مرمت کرائیں، قبہ و مقبرہ بنوائیں اس میں یا اس کے پہلو میں اپنی تدفین کی وصیت کریں - اور اپنے گھرانے کی میتوں کو ایسے تاریخی ومقدس مقام میں دفن کرانے کا انتظام کریں جہاں مرقد علیؓ کے علاوہ نوع بشر کے جد اوّل (آدمؑ) اور جد ثانی (نوحؑ) بھی منتظر نفخ صور ہوں مؤلف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی میت کو حسن وحسین وعبداللہ بن عباسؓ نے غسل دیا تھا (ص ۴۳ سطر ۱۳ طبع اوّل مطبوعہ لکھنؤ) دوسری کتب میں عبداللہ بن جعفرؓ کا نام بھی شامل ہے، جو صاحب غسل دینے میں شریک تھے تدفین میں ضرور ہوں گے ابن عباسؓ وابن جعفرؓ کو جب اپنے عزیز قریب کا مقام مدفن معلوم تھا ان کی اولاد و احفاد اور دوسرے عزیزوں کو بھی ضرور معلوم ہوگا خصوصاً ان حالات میں کہ بنی اُمیہ کے خوف

سے قبر چھپادی گئی ہو جن کی حکومت و خلافت کا استیصال کرنے کے بعد صوبہ عراق ہی کو اپنا مستقر قرار دیا ہو تو ان ہاشمی اکابرین اور عباسی خلفا نے اپنے گرامی قدر عزیز کی مخفی اور مستور قبر کو خود ہی کیوں نہ برآمد کرا لیا۔ امیرالمومنین ابوالعباس السفاحؒ و امیرالمومنین ابوجعفر المنصورؒ و امیرالمومنین موسیٰ الہادیؒ کے عہد خلافت میں قبر کیوں مخفی رکھی گئی۔ کیا ان تمام حالات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ بنی بُوَیہ کے زمانہ سے قبل مخفی قبر کی حکایت وضع نہیں ہوئی تھی۔ کذابین نے امیرالمومنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ جیسے یگانہ روزگار امام المسلمین کا نام بنی بُوَیہ کے زمانہ سے پہلے قبر کا وجود بتانے اور اپنی خرافات کو معتبر بنانے کے لئے لیا ہے ورنہ اس بطل عظیم نے نجف کے ریگستان میں باز و شکرے اور کتوں کے ذریعہ نہ پرندوں[۱] اور آہو بچگان کا کبھی شکار کیا اور نہ ریت کے ٹیلے میں دبی ہوئی مفروضہ قبر برآمد کر کے اس پر قبہ بنوایا[۲] قبر ہی کا وجود نہ تھا قبہ

۱ مولف عمدۃ الطالب نے "حمر وحشیۃ" لکھا ہے شاید مراد صرف "حمر" ہے یعنی جو سرخ پروں کا پرندہ ہوتا ہے اسی کے ساتھ "صقور" یعنی باز و شکرہ کا نام لیا ہے ملا صاحب نے اس معنی میں چرخ لکھا ہے۔ ترجمہ حمر کا کیا گیا نہ حمر وحشیۃ کا۔

۲ امیرالمومنین ہارون الرشید عباسی علیہ الرحمۃ کی مدت خلافت ۲۳ برس ہے یعنی ۱۷۰ھ سے ۱۹۳ھ تک۔ اس عرصہ میں گیارہ حج کئے اور امیرالمومنین کی حیثیت سے حج کرائے علامہ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں "کان من احسن الناس سیرۃ واکثرھم غزوا وحجا (ج ۱۰ ص ۲۱۳) یعنی ہارون الرشیدؒ سب لوگوں میں اچھی سیرت کے اور سب سے زیادہ جہاد اور حج کرنے والوں میں تھے ایک سال حج کرتے دوسرے سال جہاد بعض مرتبہ ایک ہی سال حج و جہاد دونوں کئے حج کو جاتے تو فقہا و صلحا کی جماعت ساتھ ہوتی جن کی تعداد سو سے کم نہ ہوتی جس سال حج نہ کرتے تین سو فقہا و صلحا کو اپنے صرف سے حج کراتے مکہ و مدینہ کے راستوں میں حاجیوں کے آرام کے لئے سرائیں و مسافر خانے بنوائے راستوں کو درست کرایا ان کی رفیقہ حیات سیدہ زبیدہ نے کروڑوں روپیہ کے صرف سے مکہ کے بہم رسانی آب کے لئے نہر کھدوائی جو نہر زبیدہ کہلاتی ہے اور اب تک جاری ہے۔ حرمین شریفین کے باشندوں کو بیشمار رقوم عطا کرتے بعض حکایتوں میں جس سال کا نام شکار کھیلنے کے لئے لیا گیا ہے یعنی ۱۶۵ھ اور اس سے پہلے کے سال میں بھی حج کیا تھا۔ اپنے مال سے ایک ہزار درہم روزانہ خیرات کرتے بڑے عبادت گزار تھے۔ پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ سو رکعات نافلہ رات دن میں پڑھتے۔ فضائل الرشید و مکارمہ کثیرۃ جدا وقد ذکر الائمۃ ذلک شیئا کثیرا (البدایہ ج ۱۰) یعنی خلیفہ ہارون الرشیدؒ کے فضائل و مکارم کثرت سے ہیں آئمہ تاریخ نے ان میں کی اکثر باتوں کو بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ ذہبی نے ایک موقع پر مختصر بیان کیا ہے کہ کان جوادا ممدحا غازیا مجاھدا شجاعا مھیبا ملیحا ابیض طویلا عبل الجسم بلغنا انہ منذ استخلف کان یصلی

(بقایا نوٹ ۱۰۳ پر)

کیوں بنتا۔ قبر کسی بزرگ کی وہاں ہوتی بھی تب بھی اس عہد میں قبروں پر قبے تعمیر ہونے کا رواج نہ تھا امیر المومنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ کا زمانہ تبع تابعین کا مبارک عہد تھا اس وقت تک قبر پرستی کی یا مزاروں کی مجاوری اور قبوری شریعت کی بدعتیں شروع نہیں ہوئی تھیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری بلکہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک ممالک اسلامیہ میں کسی جگہ بھی کسی قبر پر کوئی قبہ و روضہ نہیں بنا تھا، وہ فرماتے ہیں:-

ولم یکن علی عہد الصحابۃ والتابعین وتابعیھم من ذلک الشئی (ای قبۃ) فی بلاد اسلام لا فی الحجاز، ولا الیمن ولا الشام ولا العراق، ولا مصر، ولا خراسان، ولا المغرب، ولم یکن قد احدث مشھد، لا علی قبر نبی ولا صاحب ولا احد من اھل البیت، ولا صالح

اس چیز کا (یعنی قبور پر قبہ بننے کا) عہد صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں کوئی وجود اسلامی ملکوں میں نہ تھا نہ حجاز میں، نہ یمن میں نہ شام میں نہ عراق میں، نہ مصر میں، نہ خراسان میں نہ مغرب (افریقہ) میں نہ قبر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قبہ بنا تھا نہ صحابی نہ اہل بیت اور صالحین میں سے کسی کی قبر پر بلکہ یہ عام مشاہد

(بقیہ نوٹ ۲ صفحہ ۱۰۲) کل یوم ولیلۃ مائۃ رکعۃ ویتصدق من مالہ بالف درھم ولہ معرفۃ جیدۃ بالعلوم (ج ۹ ص ۹۹) یعنی ہارون الرشید بڑے غیور ممدوح و محمود، غازی و مجاہد، بڑے بہادر و سورما بارعب و نرم مزاج تھے، سفید رنگ طویل القامت اور گداز جسم کے تھے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب سے خلافت پر فائز ہوئے دن رات میں سو رکعات نافلہ پڑھتے اور مال سے ایک ہزار درہم روز خیرات کرتے علوم میں ان کو جید معرفت حاصل تھی اب دیکھئے وضعی حکایتوں میں اس غازی و مجاہد و سخی امام المسلمین کو کیا ڈرپوک و بزدل دکھایا ہے کہ مفروضہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر رات بھر نمازیں پڑھتا، گریہ و زاری کرتا اور گڑگڑا کر ایک صدی سے زیادہ گڑی ہوئی میت سے یہ التجائیں کرتا ہے کہ اس کو اور اس کی حکومت کو بعض باغیوں کے حملوں سے بچائیے جن کا اس زمانہ میں کوئی وجود ہی نہ تھا اور یہ سب کچھ نجفی ریگستان میں مفروضہ قبر کی داستان کے سلسلہ میں حالانکہ اس غازی و مجاہد خلیفہ کو متواتر جہادوں میں فریضہ حج کی ادائیگی و مقامات مقدسہ کی حاضری عظیم مملکت کے گوناگوں مسائل و مہمات عظیمہ کی مصروفیات میں اس قسم کے مشاغل کی نہ فرصت تھی نہ رغبت۔ ابو المعلی نے اپنے اشعار میں خلیفہ موصوف کی مصروفیات کا صحیح نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی کو آپ کی ملاقات کی آرزو ہو تو وہ آپ کو یا تو حرمین شریفین میں پائے گا یا مملکت کی دور دراز سرحدوں پر مصروف جہاد کبھی سرزمین عدو میں رہوار کی پیٹھ پر سوار کبھی اپنی سرسبز مملکت میں۔

فمن یطلب لقاءک او یردہ — فبالحرمین او اقصی الثغور

ففی ارض العدو علی طمر — وفی ارض الترفہ فوق کور

إصلا بل عامة هذا المشاهد محدثة بعد ذالك وكان ظهورها وانتشارها حين ضعفت خلافة بني العباس وتفرقت الامة وكثر فيهم المزنادقة الملبسون على المسلمين وفشت فيهم كلمة اهل البدع وذلك من دولة المقتدر بالله في اواخر المائة الثلاثة۔

(رسالہ راس الحسین صفحہ ۱۵)

اور روضے تو اس زمانے کے بعد کی ایجاد ہیں ان کا ظہور و انتشار تو اس وقت ہوا جب بنی عباس کی خلافت کو ضعف لاحق ہوا، اُمت میں تفرقہ پڑ گیا، زندیقوں کی ان میں کثرت ہو گئی جو مسلمانوں کے بھیس میں درپے تخریب تھے اہل بدعت کی باتیں ان میں پھیلنے لگیں اور یہ سب المقتدر باللہ کے عہد خلافت میں تیسری صدی ہجری کے اواخر سے

(ان کا عہد خلافت ۲۹۵ھ تا ۳۱۶ھ کا تھا)

شیعہ مورخین و مولفین نے قبر علی کا وجود ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی کذب بیانیوں سے کام لیا ہے پہلے تو یہ کہا کہ بنی امیہ کے خوف سے تدفین کے وقت ہی قبر چھپا دی گئی تھی حالانکہ اس وقت نہ اموی خلافت کا وجود تھا اور نہ عراق میں کسی اموی کے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا گمان تھا۔ عراقیوں نے تو حضرت علیؓ کی وفات سے پہلے ہی ان کی زندگی ہی میں ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی کر لی تھی حسنؓ کے زیر کمان کثیر فوج بھی موجود تھی جس کی تعداد چالیس ہزار یا اس سے زائد بتائی گئی ہے کوفہ و نجف وغیرہ سب ان ہی کے زیر تسلط تھے پھر ایسا کیا خوف دامن گیر تھا کہ دفن کرتے ہی قبر کے آثار مٹا دیئے گئے۔ اور اگر قبر کی بےحرمتی کا واقعی خوف تھا اور مدینہ جاتے وقت اپنے والد کا تابوت ساتھ نہ لے گئے تھے تو تفویض خلافت کے وقت حضرت معاویہؓ سے جہاں یہ شرائط طے کی تھیں۔

ان یاخذ من بیت المال الکوفة خمسة آلاف الف درهم وان یکون خراج دارابجرد وان لا یسب علی وهو یسمع۔ (البدایہ ج ۸ صفحہ ۱۴)

بیت المال کوفہ میں جو پانچ کروڑ درہم موجود ہیں وہ (یعنی حسنؓ) لے لیں اور دارابجرد کے خراج کی رقم اور یہ کہ ان کی سماعت میں حضرت علی کو برا نہ کہا جائے۔

تو وہ یہ شرط بھی ضرور کرتے "میں اپنے والد کی میت کو نجف کے ریگستان میں دفن کئے جاتا ہوں اس کی بےحرمتی[1] کا ارتکاب نہ کیا جائے" مگر نہ ایسی کوئی شرط انھوں نے کی اور نہ میت کو

[1] یہ اور اسی قسم کی دیگر حکایتیں روافض کی من گھڑت ہیں۔ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ میں خاندانی

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۰۵ پر)

نجف میں دفن کیا نجف میں حضرت علیؓ کی قبر ہوتی تو حضرت حسینؓ جو اموی خلافت مٹانے اور اپنی قائم کرنے کی غرض سے کوفہ جا رہے تھے اور نجف کے پاس سے ان کا گذر ہوا تھا اپنے والد ماجد کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کو بھی نہ گئے۔ خطیب بغدادی نے جو بنی بویہ کے قریب العہد مورخ تھے نام نہاد مشہد علیؓ کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ یہاں حضرت علیؓ کی قبر نہیں ہے علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے قول کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے :-

وما يعتقده كثير من جهلة الروافض من ان قبره بمشهد النجف فلا دليل على ذلك ولا اصل له ويقال انما ذالك قبر المغيرة بن شعبة حكاه	نادان رافضیوں میں سے بہت سے جو اس کے معتقد ہیں کہ مشہد نجف میں ان کی (علیؓ) کی قبر ہے تو اس کی نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کچھ اصلیت بلکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قبر بلاشبہ مغیرہ بن

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۰۴) خصومت مطلق نہ تھی دونوں ایک ہی گھرانے بنو عبد مناف کے برگزیدہ اشخاص تھے سیاسی معاملات میں اختلاف ہوا اور نوبت بجنگ پہنچی عین اس وقت جب فریقین کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور قیصر روم لشکر کشی کی تیاری کر رہا تھا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھائے اور وہاں حملہ کر کے ان کی حربی قوت کو فنا کر دے حضرت معاویہؓ کو اس خطرہ کا احساس ہوا انھوں نے اسے لکھ بھیجا اگر تو اپنے مقصد سے باز نہ آیا اور ہماری سرحد سے پلٹ نہ گیا لاصطلحن انا وابن عمی علیک (تو میں اور میرے چچا کے بیٹے علیؓ تیرے خلاف آپس میں صلح کر لیں گے) اسی صفین کے موکے سے حضرت علیؓ کے ساتھی عراقی جب ناکام لوٹ رہے تھے انھوں نے اہل شام پر سب وشتم کرنا شروع کیا حضرت علیؓ نے منع کیا اور فرمایا کہ اہل شام کو برا نہ کہو ان میں ابدال ہیں' ان میں ابدال ہیں۔ ان میں ابدال ہیں تین مرتبہ یہ لفظ دہرائے پھر اس بارے میں فرمان جاری کیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس کے بعد جب قاتل کی زہر آلود تلوار سے زخم مہلک لگا اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ معاویہؓ سے صلح کر لینا اگر ان کو بھی گنوا بیٹھے تو سروں سے دھڑ مولی گاجر کی طرح کٹ کٹ کر گریں گے ادھر حضرت معاویہؓ کو جب حضرت علیؓ کے مقتول ہونے کی اطلاع ملی سنتے ہی آبدیدہ ہو گئے ان کی زوجہ والدہ یزید نے کہا :- اتبکیه وقد قاتلته اب ان پر روتے ہو حالانکہ ان سے قتال وجدال کر چکے ہو۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا افسوس تجھ کو کیا معلوم کہ آج لوگ کیسے صاحب فضیلت شخص کو کھو بیٹھے یہ تھی شان صحابہ کی۔

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا   خلاف آشتی سے خوش آیند تر تھا

حضرت معاویہؓ کا علم وکرم تو ضرب المثل ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے بارے میں کہا ہے کان حلیماً وقوراً رئیساً سیداً فی الناس کریماً عادلاً شهماً (ج ۸ ص ۲۱) یعنی معاویہؓ حلیم تھے نرم مزاج تھے رئیس تھے سردار قوم تھے کریم تھے عادل تھے اور بہادر و نڈر تھے یہی صفات حسنہ ان کے فرزند امیر یزید میں بھی تھیں علاوہ ازیں بنی امیہ کے تعلقات مصاہرت ورشتہ داری علوی خاندان سے چند در چند تھے حضرت مروانؓ کے صاحبزادے معاویہ بن مروانؒ و عبدالملک بن مروانؒ تو حضرت علیؓ کے داماد ہی تھے۔ اور بھی متعدد رشتے تھے جن کا تفصیلی ذکر "خلافت معاویہؓ و یزید" میں کیا گیا ہے۔

الخطیب البغدادی عن ابی نعیم الحافظ عن ابی بکر الطلحی عن محمد بن عبد اللہ الحضرمی الحافظ عن مطر انه قال: لو علمت الشیعة قبر هذا الذی یعظمونه بالنجف لرجموه بالحجارة هذا قبر المغیرة بن شعبة۔ (البدایة والنہایة ج ۷ ص ۳۲۹)

شعبہؓ کی ہے چنانچہ خطیب بغدادی نے حافظ ابو نعیم سے انہوں نے ابو بکر الطلحی سے انہوں نے حافظ محمد بن عبد اللہ الحضرمی سے انہوں نے مطر سے روایت کی ہے کہ شیعوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ نجف کی یہ قبر جس کی وہ تعظیم کرتے ہیں کس کی ہے تو اس پر الٹی سنگ باری کریں کیونکہ یہ قبر تو مغیرہ بن شعبہؓ کی ہے۔

بہرحال نجفی قبر خواہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ گورنر کوفہ کی ہو یا کسی اور بزرگ کی دیکھنا یہ ہے کہ جو لوگ اس کے معتقد ہیں کہ یہ قبر حضرت علیؓ کی ہے ان کے پاس جیسا علامہ ابن کثیر نے مندرجہ بالا اقتباس میں کہا ہے مہمل واہی روایتوں کے سوائے کوئی معقول دلیل اور ثبوت بھی نہیں۔ اب ان واہی اور مہمل روایتوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

واہی اور مہمل روایتیں

ملا باقر مجلسی نے اپنی تالیف جلاء العیون کی فصل چہارم میں حضرت علیؓ کے "غسل و کفن و دفن" کی کوئی بیس روایتیں لکھی ہیں جو اگرچہ سب کی سب ریو مالائی طرز کی حد درجہ مہمل اور لچر ہیں تاہم بعض میں صراحتاً بیان ہوا ہے کہ تدفین کے بعد ہی حضرت علیؓ کی میت غائب ہو گئی اور قبر بھی "ناپید شد"

پہلی روایت

میں مقام قبر کا یہ انوکھا ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ پیغمبر جب طوفان سے بچنے کے لیے کشتی میں بیٹھ گئے، کشتی نے چل کر خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کر لیا۔ انھیں حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ کشتی سے اتر و حضرت آدمؑ کے جسد کو وہاں سے نکال کر کشتی میں لے جاؤ چنانچہ تعمیل حکم کی گئی جب کشتی پھر چل کر مسجد کوفہ تک پہنچی "چون کشتی بمسجد کوفہ رسید" وہاں ٹھہر گئی۔ حضرت نوحؑ نے جسد آدمؑ کو نجف میں دفن کیا۔ "جسد آدم را در نجف دفن کرد" پھر آدمؑ کی قبر کے سامنے اپنے لئے بھی قبر کھودی اور حضرت علیؓ کے لئے بھی "وصندوقے برائے حضرت امیر المومنینؑ تراشید و برائے دفن آنحضرت در پیش سینۂ خود قرار داد" (ص ۲۸۱) یعنی ان کی میت کے لئے تابوت بھی بنایا اور اپنی قبر کے سامنے ان کے دفن کی جگہ بھی قرار دی شاید اسی مقصد سے حضرت آدمؑ کے جسد کے کعبہ سے ریگستان نجف میں منتقل کرنے کے احکام جاری ہوئے تھے کہ چار پانچ ہزار برس کے بعد علیؓ

وصی رسول کی قبر وہاں قرار دی جانے والی تھی۔

ملا صاحب نے اس کی تصریح نہیں کی کہ طوفان سے پہلے شہر کوفہ کا کوئی وجود بھی نہ تھا اگر تھا تو کس نے بسایا تھا اور کس نے یہ مسجد بنوائی تھی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ شہر کوفہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے حکم سے فاتح ایران حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص نے ۱۷ھ میں بسایا جامع مسجد اور قصر امارت تعمیر کرایا بعد میں حضرت زیاد بن ابی سفیانؓ نے مسجد کوفہ کو از سر نو تعمیر کرایا۔ المعارف میں اس کی تصریح ہے۔

وزیاد بن ابی سفیان۔ ھو الباني مسجد کوفه وروی فی بعض الحدیث ان موضع مسجدها وفار التنور منه (ص ۲۴۶)

اور زیاد بن ابی سفیانؓ ہی مسجد کوفہ کے بانی تھے بعض حدیثوں میں روایت ہے کہ اس مسجد کا مقام ہے وَفَارَ التَّنُّورُ یعنی جس مقام سے طوفان نوح کا پانی ابل پڑا تھا۔[1]

دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت علیؑ ایک مرتبہ کوفہ سے باہر تشریف لے گئے تھے صحرائے نجف پر نظر پڑی فرمانے لگے "کیا ہی اچھا منظر ہے تیرا (اے نجف) اور کیسی (اچھی) خوشبو ہے تیرے قصر کی پھر جناب باری تعالیٰ سے عرض کیا "خدا وندا قبر مرا دریں زمین قرار دہ (ایضاً) اے پروردگار! میری قبر اسی زمین میں قرار دیجیو مگر پہلی روایت میں ہے کہ حضرت نوحؑ تو چار پانچ ہزار برس پہلے ہی مقام قبر ان کا قرار دے چکے تھے۔

تیسری روایت بیان ہوا ہے کہ اپنے فرزند حسینؓ کو انھوں نے وصیت کردی کہ مجھے میرے دونوں بھائیوں ہودؑ و صالحؑ پیغمبروں کی قبر میں دفن کیجیو "در قبر دو برادر من ہود و صالح دفن کنید" (ص ۱۰۸) حضرت ہود و صالح علیہم السلام دونوں برگزیدہ پیغمبر حضرت نوحؑ کی اولاد میں پانچ چھ پشت کے فصل سے حضرت علیؓ کے زمانہ سے تقریباً ڈھائی تین ہزار برس پہلے ہوئے ہیں۔ خاندانی بھائی تو وہ ان کے کسی طرح بھی نہ تھے، نہ حضرت علی نبی ہے جو منصب نبوت کے اعتبار سے انھیں اپنا بھائی کہتے بحضرت ہودؑ تو قوم عاد کے پیغمبر تھے عرب کے جنوبی علاقے حضر موت کے دامن کوہ میں ان کی قبر ہے (ارض القرآن) نہ کہ نجف میں

---

[1] یہ جملہ سورۂ ہود کی اس آیت کا ہے حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ یعنی یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا اور روادی سے (پانی) ابل پڑا۔ التنور کے معنی لوگوں نے مختلف لئے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے اس کو سطح زمین فرمایا ہے بعض کے نزدیک چشمہ یا وہ مقام جہاں پانی اکٹھا ہو۔

حضرت صالحؑ قوم ثمود میں مبعوث ہوئے تھے جن کا علاقہ مغربی و شمالی عرب تھا ان کی قبر بھی مدائن صالح میں تھی جو حجاز سے شام کے راستہ پر واقع تھا۔ عراق نجف میں ان کی قبریں بتانا محض لغو و مہمل ہے۔

چوتھی روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے غسل و کفن اور حنوط کی وصیت کرنے کے بعد اپنے دونوں صاحبزادوں حسن و حسینؓ سے فرمایا تھا کہ جب جنازہ لیکر چلو تو پچھلے حصہ کو تم اٹھانا اگلا حصہ فرشتے اٹھائیں گے "پیش جنازہ را ملائکہ برخواہند داشت" "میری قبر کھدی اور لحد بنی ہوئی پاؤ گے اس میں دفن کرنا" "یک خشت از بالائے سرمن بردارید در قبر نظر کنید" "میرے سرہانے پر سے ایک اینٹ اٹھا کر قبر کے اندر دیکھ لینا چنانچہ جب قبر میں جھانک کر دیکھا کسی کو نہ پایا"

یک خشت از بالائے سر آنحضرت را برداشتند در قبر نظر کردند کسے را در قبر ندیدند ناگاہ صدائے ہاتفے راشنیدند کہ بندۂ شائستۂ خدا بود امیرالمومنینؑ حق تعالیٰ او را بہ پیغمبر خود ملحق گردانید (صفحہ ۱)	حضرت موصوف کے سرہانے پر سے ایک اینٹ کو ہٹایا اور قبر میں جھانکا تو وہاں کسی کو نہ دیکھا ناگاہ ہاتف کی آواز سنی کہ امیرالمومنینؑ بندہ شائستہ خدا تھے۔ حق تعالیٰ نے انھیں اپنے پیغمبر سے ملحق کر دیا۔

جب میت ہی غائب ہو گئی تو قبر کیسی گویا حق بر زبان جاری۔ سچی بات ظاہر ہو کر رہتی ہے:

پانچویں روایت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کی زبانی ان الفاظ میں ملّا صاحب نے درج کی ہے کہ:۔

آخر سخنے کہ پدرم بدو برادرم حسن و حسین گفت این بود کہ اے فرزندان من چوں از دنیا رحلت کنم مرا غسل دہید پس خشک کنید بدن مرا بان بردے کہ بدن رسول خداؐ و فاطمۂ زہرا را بعد از غسل خشک کردم پس مرا حنوط کنید بحنوط جدّ خود مرا بروئے تخت بخوابانید و عقب تخت را بردارید ہر طرف کہ پیش تختہ میرود شما از عقب آں بردید	آخری بات جو میرے والد نے میرے دونوں بھائیوں حسن اور حسین سے کی تھی یہ تھی "اے میرے بیٹو! جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں مجھے غسل دینا میرے جسم کو اس چادر سے خشک کرنا جس سے میں نے رسول خدا اور فاطمہ زہرا کے (بدن کو) غسل کے بعد خشک کیا تھا پھر مجھے حنوط کرنا اپنے جدّ (نانا) کے حنوط

ام کلثوم گفت بتشییع جنازهٔ پدر خود بیرون رفتم
چوں بہ نجف رسیدم پیش تخت بر زمین فرو
آمد پس برادرانم عقب آنرا بر زمین گذاشتند
و امام حسن کلنگے بر گرفت چوں یک کلنگ
بر زمین زد قبر کندہ و لحد ساختہ پیدا شد
و تختۂ دران قبر بود کہ بقلم سریانی دو سطر
برآں نوشتہ بود مضمون آن نوشتہ ایں بود
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - ایں قبرے است ساختہ
است نوح پیغمبر برائے علیؑ وصی محمدؐ پیش از
طوفان بہ نہصد سال چوں آنحضرت را
بقبر گذاشتند ناپیدا شدند ندانستیم کہ
بزمین فرو رفت یا بآسمان بالا رفت -
(ص ۱۰۷)

سے پھر مجھے تخت پر سلا دینا اور تخت کے
پچھلے حصہ کو اٹھانا (گویا اگلا حصہ فرشتے
لیکر چلیں گے) پس جس طرف تخت کا اگلا
حصہ چلے تم بھی اس کے پیچھے چلنا ام کلثوم
کہتی ہیں کہ میں اپنے والد کے جنازے کے
ساتھ باہر گئی جب نجف پہنچے تخت کا اگلا حصہ
زمین پر نیچے آ گیا پس میرے بھائیوں نے
اس کا پچھلا حصہ زمین پر رکھدیا امام حسن نے
کدال لے کر زمین پر ایک ضرب لگائی قبر کی
کھدائی اور لحد بنی پیدا ہوئی ایک تختی اس قبر
میں تھی جس پر سریانی تحریر میں دو سطریں
لکھی تھیں ان کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمٰن
الرحیم - یہ قبر ہے جسے نوح پیغمبر نے علی وصی
محمدؐ کے لئے طوفان سے نوسو سال پیشتر بنایا
تھا" جب آنحضرت کو قبر میں رکھدیا وہ
غائب ہو گئی ہم نہیں سمجھ سکے کہ وہ زمین کے
نیچے چلی گئی یا آسمان کے اوپر -

دیکھئے مجتہد شیعہ ہی کی روایت سے ثابت ہو گیا کہ نجف میں نہ حضرت علیؓ کی میت موجود رہی اور نہ قبر - اب یہ تضاد بیانی بھی ملاحظہ ہو کہ پہلی روایت میں تو یہ کہا ہے کہ طوفان فرو ہو جانے کے بعد حضرت نوحؑ نے اپنی قبر کے ساتھ حضرت علیؓ کی قبر تیار کر لی تھی اب اس روایت میں ہے کہ طوفان سے نوسو ۹۰۰ سال پہلے ہی علی وصی محمدؐ کے لئے انہوں نے قبر کھود دی تھی پھر ایک اور روایت میں کہا کہ چار نفر حسن و حسین و محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر جنازہ لے کر گئے تھے اور یہی قبر میں بھی اترے تھے - اس روایت میں ام کلثوم کا بھی نام لیا ہے کہ اپنے والد کے جنازے کے ساتھ گئی تھیں جو رات کے وقت کوفہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر نجف لے جایا گیا تھا -

چھٹی روایت کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو مندرجہ بالا روایت کا ہے البتہ اس روایت میں حضرت نوحؑ کی تیار کردہ قبر میں سے سنگِ مرمر کی لوح برآمد ہونے کا بیان ہے جس پر لکھا ہوا تھا کہ "ایں چیزے ست کہ نوح برائے علی بن ابی طالب ذخیرہ کردہ است" اس میں طوفان سے نو سو سال پہلے کی تیار شدہ قبر کا ذکر نہیں ہے لیکن تدفین کے بعد قبر کے غائب ہو جانے کا ذکر البتہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :-

راوی گفت حضرت را در آنجا دفن کردیم شاد برگشتیم بسبب آنچہ برما ظاہر شد از گرامی بودن آنحضرت نزد حق تعالےٰ در اثنائے راہ جماعتے از شیعہ برخوردند کہ نماز بر آنحضرت را در نیافتہ بودند چوں ایں خبرہا را نقل کردیم گفتند ما نیز میخواہیم مشاہدہ کنیم آنچہ شما مشاہدہ کردہ اید رفتند بر سر قبر آنحضرت چوں برگشتند گفتند ہر چند کندیم چیزے نیافتند (صفحہ ۱۰۸)

راوی نے کہا کہ آنحضرت کو ہم نے اس جگہ دفن کر دیا اور خوش خوش لوٹے اس سبب سے کہ جو کچھ ہم پر آنحضرت کا حق تعالےٰ کے نزدیک بزرگ ہونے کی بارے میں ظاہر ہوا تھا راستہ میں شیعوں کی جماعت سے ملاقات ہوگئی جن کو آنحضرت کے جنازے پر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملا تھا ہم نے جب وہ باتیں (جو ہم نے مشاہدہ کی تھیں) ان سے بیان کیں انھوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ خود ہم بھی مشاہدہ کریں جو تم نے مشاہدہ کیا ہے چنانچہ ان حضرت کی قبر پر چلے گئے جب لوٹ کر آئے تو بتایا کہ ہم نے وہاں کتنا ہی کھودا مگر کوئی چیز نہ پائی (یعنی نہ میت پائی اور نہ قبر)

ساتویں روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں حسن و حسین کو وصیت کر دی تھی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر میری قبر میں جھانک کر دیکھ لینا چنانچہ بعد فراغت نماز جو نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ریشمی کامدانی کا پردہ قبر پر تنا ہوا ہے

امام حسن آں پردہ را از بالائے سر آنحضرت دور کرد و در قبر نظر کرد دید کہ حضرت رسالت مآب و حضرت آدم و حضرت

امام حسن نے آنحضرت کے سرہانے سے پردہ سرکایا اور قبر میں جھانکا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآب و حضرت آدم و حضرت

ابراہیم با حضرت امیر المومنین میگویند
پس حضرت امام حسین پردہ را از پیش پائے
آنحضرت دور کرد دید کہ فاطمہ زہرا و حوا
و آسیہ بر آنحضرت نوحہ می کنند (صفحہ ۱۰۱)

ابراہیمؑ ان سے باتیں کر رہے ہیں پھر
حضرت امام حسین نے پائینتی سے پردہ ہٹایا
دیکھا کہ فاطمہ زہراء اور حوا اور آسیہ
آنحضرت پر نوحہ کر رہی ہیں۔

ملا صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ آدمؑ و ابراہیمؑ اور حوا۔ و آسیہ کو ان حضرات نے کیسے پہچان لیا تھا۔

بقیہ روایتوں میں ان ہی باتوں کا جو مندرجہ بالا روایتوں میں کہی گئی ہیں اعادہ ہے بتغیر الفاظ۔ کسی میں کہا ہے کہ جب حضرت علی کی وفات ہو گئی تو ان کے سرہانے ایک طلائی طبق پایا گیا جس کی تفصیل ان الفاظ میں بتائی گئی ہے:" امام حسن فرمود چوں آنحضرت از دنیا رفت طبقے از طلا نزدیک سر آنحضرت یافتم کہ پنج شمامہ از کافور بہشت و چند برگ از سدر بہشت دراں طبق بود (صفحہ ۱۰۱) یعنی امام حسن نے فرمایا کہ جب وہ حضرت دنیا سے چلے گئے تو ایک طلائی طبق ان کے سرہانے پایا کہ اس طبق میں بہشت کے کافور کی پانچ بتیاں اور بہشت کی بیری کے چند پتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ" سہ کفن از استبرق بہشت" یعنی مع حنوط بہشت کے ان کے لئے فرشتے لائے تھے اسی طرح کی ایک روایت میں کہا ہے کہ جب جناب حسنؑ نے اپنی بہن زینب سے پکار کر کہا کہ ہمارے نانا جان کا حنوط لاؤ" چوں حنوط را کشودند جمیع کوفہ از بوئے آں خوشبو شد (صفحہ ۱۰۹) یعنی جب حنوط کو کھولا گیا تو سارا کوفہ اس کی خوشبو سے مہک گیا پھر کہا ہے کہ جنازے کے اگلے حصّہ کو جبرئیل و میکائیل فرشتے لیکر چلے ان کے پیچھے حسن و حسین چلے تو جدھر سے جنازہ جاتا تھا در و دیوار عمارت اور درخت سب تعظیم کے لئے جھک جاتے تھے اس روایت کو جناب محمد بن علی (ابن الحنفیہ) سے ان الفاظ میں منسوب کیا ہے۔

محمد حنفیہ گفت بخدا سوگند کہ من
میدیدم کہ جنازہ آنحضرت را بر ہر دیوار
و عمارت و درختے کہ میگذشت آنہا
خم می شدند و خشوع میکردند۔
(صفحہ ۱۰۹)

محمد حنفیہ (فرزند علیؑ) نے فرمایا قسم بخدا
میں دیکھ رہا تھا کہ جنازہ آنحضرت کا
جس دیوار و عمارت اور درخت کے پاس
سے گذرتا وہ جھک جاتے اور اظہار
غم کیا کرتے تھے۔

اسی سلسلہ میں ملا صاحب نے اپنے ایک امام (جعفر صادق) کی یہ روایت بھی درج کی ہے۔

ابن مسکان از حضرت جعفر صادقؑ پرسید سبب خم شدن عمارتے کہ در سرراہ نجف واقع است کہ اکنوں آزا حنانہ میگویند حضرت فرمود چون جنازہ امیرالمومنین را پیش او گذرانیدہ تمیل کرد منحنی شد برائے تاسف و حزن برآنحضرت۔ (صفحہ ۱۰۹)

ابن مسکان نے حضرت جعفر صادقؑ سے سبب دریافت کیا اس عمارت کے جھک جانے کا جو نجف اشرف کے سرراہ واقع ہے حضرت نے فرمایا کہ جب امیرالمومنین کا جنازہ اس کے سامنے سے گذار کر لے جارہے تھے تو وہاں حضرت پر رنج و غم کرنے کی وجہ سے جھک گئی اور خمیدہ ہوگئی۔[۱]

یہ سب قدرے نمونہ من گھڑت قصوں لغو و بیجا روایتوں اور مہمل افسانوں کا جو نجف میں حضرت علیؓ کے مدفون ہونے اور قبر پر قبہ بننے کے ثبوت میں شیعہ لٹریچر میں بکثرت پائے جاتے ہیں باایں ہمہ اس حقیقت کا پتہ ان سے بھی چل جاتا ہے کہ نجف میں نہ ان کی قبر تھی اور نہ میت وہاں دفن ہوئی کیونکہ متعدد روایتوں میں صریحاً بیان ہوا ہے کہ تدفین کے بعد ہی میت اور قبر دونوں ناپید ہوگئیں۔ اس طرح اس روایت کی تصدیق ہوجاتی ہے جو پہلا دسطے میں میت کے صندوق کے بابت شب گم ہوجانے کی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ڈاکوؤں نے تابوت کو یہ سمجھ کر کہ اس میں مال ہے مع اونٹ کے لیا اور بازپرس کے خوف سے ایسا غائب کردیا کہ پھر پتہ نہ چلا کہ میت کا کیا کیا' دفن کیا تو کہاں چنانچہ آزاد اور بے لاگ مورخین نے بھی لکھا ہے کوفہ سے باہر مشہد علیؓ کی شاندار عمارت زمانہ مابعد کی تعمیر شدہ ہے" لیکن ان کے دفن ہونے کی جگہ نامعلوم ہے (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج صفحہ ۱۵۹ گیارہواں اڈیشن) پروفیسر حتی نے عضدالدولہ کی بنوائی ہوئی عمارتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے ایک اچھی عمارت مشہد کی ہے جو (حضرت) علی کی مفروضہ قبر PRESUMED TOMB پر بنی ہے (ہسٹری اوف دی عربس صفحہ ۴۷) انسائیکلو پیڈیا اوف اسلام کے مقالہ نگار نے

---

[۱] مؤلف نزہتہ القلوب نے لکھا ہے کہ راہ کوفہ میں ایک مینار زمین سے آدھا تو سید ھا کھڑا ہے اور آدھا ٹیڑھا سبب اس کا یہ بتایا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰؓ را بجائی گذشت ایں مینار بجہت تواضع کہ سند حضرت امیرالمومنین اشارت کرد کہ بایست ہمچنیں بماند (صفحہ ۳۳) یعنی حضرت علیؓ اس طرف سے گذر رہے تھے یہ مینار تعظیم کے لئے جھک گیا انھوں نے اشارہ کیا کہ بس ٹھہر جا تو وہ اسی طرح رہ گیا سلا صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی وفات ہوئی تو رات تاریک ہوگئی آفاق آسمان میں تغیر ہوگیا زمین لرزنے لگی تسبیح و تقدیس کی آواز یں لوگوں نے سنیں اور یہ جانا کہ فرشتے نوحہ و مرثیہ اور گریہ کر رہے ہیں (صفحہ ۱۰) ۱۲

ان حکایتوں اور روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے جو حضرت علیؓ کی میت کے مختلف مقامات میں مدفون ہونیکے متعلق مختلف مورخین نے بیان کی ہیں لکھا ہے کہ مشہد نجف تو ان کے مدفن کا غالباً صحیح مقام نہیں (ج ۶ ص ۱۵)

غرضیکہ بنی بویہ کو اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ضروری تھا کہ عراق میں شیعی دنیا کے لئے دو متبرک مقام اور مشہد قائم کریں۔ مشہد کربلا کے علاوہ جس کا ذکر آگے آتا ہے ۳۶۹ھ میں بھی حضرت علیؓ کی وفات سے سوا تین سو برس بعد ان کی مفروضہ قبر پر مشہد نجف تعمیر کرایا۔ بانی اس مشہد کا عضد الدولہ تھا جو بوصیت خود بھی وہیں دفن ہوا اور اس کے اکثر اہل خاندان بھی وہیں مدفون ہوئے معز الدولہ کی قبر البتہ نجفی مشہد میں نہیں ہے کیونکہ وہ ۳۵۶ھ میں یعنی تعمیر مشہد سے گیارہ سال پہلے کہ اس وقت تک نجفی ریگستان میں حضرت علیؓ کی قبر دریافت نہیں ہوئی تھی فوت ہوا تھا پہلے اس کی میت مکان مسکونہ کے صحن میں دفن ہوئی پھر مقابر قریش میں منتقل کی گئی۔ (البدایۃ ج ۱۱ ص ۲۶۲)

دوبارہ تعمیر۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مولف متوفی ۸۲۸ھ فرماتے ہیں "مشہد غروی کی اس عمارت کا تو اب جزو قلیل ہی باقی رہ گیا جو عضد الدولہ نے ابتداءً بنوائی تھی کیونکہ آگ لگ جانے سے یہ کل عمارت جل گئی تھی۔ آگ لگنے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ دیواروں پر جو منقش چوکھٹے وغیرہ لکڑی کے آویزاں تھے ان میں اتفاقاً آگ لگ گئی تھی لیکن بعد میں عمارت کی تجدید کرلی گئی اور وہی عمارت اب تک (یعنی مؤلف مذکور کے زمانہ شروع نویں صدی ہجری تک) باقی ہے۔ جدد وقت عمارۃ المشھد علی ما ھی علیہ الآن (ص ۴۲) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا بیان ہے کہ ۴۴۳ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں فتنہ و فساد برپا ہوگیا مذہبی جنونیوں نے مشہد علی بھی جلا ڈالا تھا جو تھوڑے عرصہ بعد دوبارہ تعمیر کرا لیا گیا (ایضاً) علامہ ابن کثیرؒ نے ۴۴۳ھ کے وقائع کے سلسلے میں بغداد کے روافض اور اہل سنت کی شدید خانہ جنگی کا تذکرہ کیا ہے جو تقریباً دو ہفتے تک جاری رہی۔ فریقین کے بہت سے اشخاص مارے گئے تھے اکابرین کے مقبرے بھی فسادیوں نے جلا ڈالے تھے پھر یہ فتنہ پھیل گیا اور حد سے تجاوز کر گیا وہ فرماتے ہیں:۔

فی صفر منہا (ای سنۃ ۴۴۳ھ) وقع الحرب بین الروافض والسنۃ فقتل من الفریقین خلق کثیر و ذلک ان الروافض نصبوا براجاً و کتبوا علیہا بالذھب۔

اس سال (۴۴۳ھ) کے ماہ صفر میں رافضیوں اور سنیوں میں لڑائی چھڑ گئی جس میں فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے سبب (اس لڑائی کا) یہ تھا کہ رافضیوں نے ایک مینارہ نصب کیا اور اس پر سونے کے پانی سے) لکھا کہ

محمد وعلی خیر البشر	محمد و علی دونوں خیر البشر
فمن رضی فقد شکر	جو مانے وہ مستحق رحمت
ومن ابی فقد کفر	جو نہ مانے وہ مرتکب کفر
فانکرت السنۃ اقران علی مع محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا فنشبت الحرب بینھم واستمر القتال بینھم الی ربیع الاول فقتل رجل ھاشمی فدفن عند الامام احمد ورجع السنۃ من دفنہ فنھبوا مشھد موسی بن جعفر واحرقوا ضریح موسی ومحمد الجواد وقبور بنی بویہ وقبور من ھناک من الوزراء واحرق قبر جعفر بن المنصور ومحمد الامین وامہ زبیدۃ وقبور کثیر جداً وانتشرت الفتنۃ وتجاوز الحدود (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۶۲)	اہل سنت نے نام علی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے اس طرح برابر رکھنے کو بہت برا جانا پس ان کے مابین لڑائی ہو پڑی جو ربیع الاول تک ان کے مابین جاری رہی۔ ایک ہاشمی شخص قتل ہو گئے تھے انھیں امام احمد (بن حنبل) کے مزار کے پاس دفن کیا گیا تھا اہل سنت ان کے دفن سے جب واپس آ رہے تھے موسیٰ بن جعفر (الصادق) کے مشہد کو غارت کر دیا، موسیٰ (الکاظم) اور محمد الجواد کی ضریح کو جلا دیا نیز بنی بویہ کی قبروں اور وزیروں کی جو قبور وہاں تھیں ان سب کو نذر آتش کر ڈالا۔ جعفر بن المنصور ومحمد الامین اور ان کی والدہ زبیدہ کی قبور اور بہت سی اور قبروں کو جلا دیا پھر یہ فتنہ پھیل گیا اور حدود سے تجاوز کر گیا۔

مقالہ نگار مذکور کا یہ بیان اگر صحیح ہو کہ ۴۴۳ھ میں جب بقول علامہ ابن کثیرؒ بغداد کا یہ فتنہ وفساد پھیل گیا اور حدود سے بھی تجاوز کر گیا تھا تو کیا عجب کہ مذہبی جنونیوں نے مشہد نجف کو بھی نذر آتش کر دیا ہو لیکن اہل سنت حضرت علیؓ کے اصلی مدفن کے بے حرمتی کا ارتکاب کبھی نہیں کر سکتے تھے سنیوں نے اگر ایسا کیا تھا اور مشہد کے ساتھ ساتھ بنی بویہ کی قبروں کو بھی جلا ڈالا تھا تو یقینی بات ہے کہ نجفی مشہد کو اہل سنت حضرت علیؓ کا اصلی مدفن نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ واقعہ تعمیر مشہد سے تقریباً ستر بہتر برس بعد کا ہے اس وقت تک بہت سے لوگ ایسے موجود رہتے جنھیں نجفی قبر کی حقیقت واصلیت کا بخوبی علم تھا وہ جانتے تھے کہ بنی بویہ نے نجف کی ایک مفروضہ قبر پر یہ مشہد اپنی سیاسی مصلحتوں سے تعمیر کرایا تھا دوبارہ تعمیر کے بعد سے مرور زمانہ اصلی سمجھا جانے لگا اور رفتہ رفتہ شیعی دنیا

کے متبرک مرکزی مقام کی حیثیت اسے حاصل ہوتی گئی۔

آتش زدگی اور دوبارہ تعمیر ہونے کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ ۷۲۷ھ میں نجف ہوتا ہوا بغداد گیا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ نجف چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے جس کی آبادی تمام تر رافضیوں پر مشتمل ہے۔ واھل ھذہ المدینۃ کلھم رافضیۃ (رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۱۰) مشہد علی میں تین قبریں بتائی ہیں اور کہا ہے کہ ایک کے بارے میں لوگ

ﻟﮧ ابن بطوطہ نے بغداد کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے اور ایک خاص باب "ذکر قبور الخلفاء و بغداد و قبور بعض العلماء والصالحین بھا" کے عنوان سے قایم کیا ہے، سب سے پہلے خلفاء کی قبور کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "قبور الخلفاء العباسیین رضی اللہ عنہم بالرصافۃ یعنی الرصافہ (خطہ بغداد) میں عباسی خلفاء رضی اللہ عنہم کی قبور ہیں پھر ۳۲ خلفاء کی قبروں کا نام بنام ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہر قبر پر صاحب قبر کا نام کندہ ہے اس کے بعد لکھا ہے اسی خطے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی قبور بھی ہیں اور مشایخ میں سے ابوبکر شبلی، سری سقطی و بشر حافی و داؤد الطائی و ابو القاسم جنیدؒ کے مزارات ہیں ان کے علاوہ بہت سے صالحین کی قبور ہیں۔ جانب غربی بغداد میں معروف کرخی کا مقبرہ ہے پھر لکھا ہے وفی ھذا الجانب قبر موسی الکاظم بن جعفر الصادق والد علی بن موسی الرضا والی جانبہ قبر الجواد (ص ۱۴۲) یعنی اسی جانب موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق والد علی بن موسیٰ الرضا کی قبر ہے اور اس کے پہلو میں (محمد) الجواد کی۔ آخر الذکر نے اکلوتے فرزند علی النقی کی قبر کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کی تدفین اپنے دادا اور والد کے پہلو میں اور خاص بغداد میں نہیں ہوئی تھی بلکہ سامرہ کے قصر شاہی کے میدان میں ہوئی تھی۔ جہاں وہ خلیفہ عباسی کے عزیز قریب ہونے کی وجہ سے رہتے تھے۔ ان کی وفات امیر المومنین المتوکل علی اللہؒ کے انتقال سے سات سال بعد ۲۵۴ھ میں ہوئی تھی اور ان کے فرزند ابو احمد بن المتوکل علی اللہؒ نے ان کے جنازہ کی نماز شارع ابو احمد پر پڑھائی تھی جو ان ہی کے نام سے منسوب ہے۔ (مروج الذہب ج ۴ ص ۱۴۳)۔ ابن بطوطہ نے نجفی قبر کے بارے میں 'یزعمون' لفظ لکھ کر جس طرح اظہار شک و شبہ کا کیا ہے بغداد کی قبور میں سے کسی قبر کے بارے میں یہ لفظ نہیں لکھا کیونکہ وہاں کوئی فرضی قبر نہیں تھی جس طرح مقام قسطنطین جناب علی بن الحسین (زین العابدین) کی مفروضہ قبر کے بارے میں ابن بطوطہ نے بھی "یزعمون" لفظ لکھا ہے۔ بغداد کے حالات اور وہاں کے مقابر کے تذکرے میں ابن بطوطہ نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار اور خانقاہ کا مطلق ذکر نہیں کیا حالانکہ شیخ موصوف کی وفات سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد ابن بطوطہ بغداد آیا تھا شاید اس وقت تک مزار اور خانقاہ کو اس ... اور مرجعیت حاصل نہیں ہوئی تھی جو بعد میں ہوئی۔

خیال کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی ہے دوسری کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی ہے اور تیسری کو سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی ہے۔ ابن بطوطہ نے "یزعمون" لکھ کر شک و شبہ کا اظہار کردیا ہے۔

نجفی مشہد کی زیبائش و آرائش کے سلسلہ میں ابن بطوطہ نے قیمتی فرش و فروش، جھاڑ فانوس اور دیگر قیمتی اشیاء کا ذکر کرنے کے بعد مشہد میں زائر کے داخلہ کا چشم دید حال یہ لکھا ہے کہ جو شخص زیارت کو آتا ہے اوّل صاحب مشہد سے داخل ہونے کی اجازت کا طالب ہوتا ہے اور ان الفاظ میں اجازت مانگتا ہے:۔

یا امیر المومنین! ھذا العبد الضعیف یستاءذن علی دخولہ الروضۃ العلیا (اے امیر المومنین یہ بندۂ ضعیف روضہ علیا میں داخل ہونے کی اجازت چاہتا ہے)

اجازت ملنے کی کیفیت تو ابن بطوطہ نے نہیں بیان کی کس طرح ملتی ہے صرف یہ لکھا ہے کہ اجازت مل جاتی ہے تو زائر داخل ہوتا ہے ورنہ واپس چلا جاتا ہے۔ نذر و نیاز اور چڑھاوے سے یہاں کی مشہد کے خزانے میں وہ بہتات بتائی ہے کہ شمار اس کا نہیں ہو سکتا۔ وخزانۃ الروضۃ عظیمۃ فیھا من الاموال مالا یضبط لکثرتہ (ایضاً) ابن بطوطہ کے زمانہ میں جب مشہد علی کی رونق اور شیعی دنیا کی عقیدت کی یہ کیفیت تھی تو بنی بویہ کے زمانے میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہوگی، عراق کی سرزمین اس صورت حال کے وقوع پذیر ہونے کے لئے موزوں بھی تھی ورنہ حضرت حسنؓ کا یہ منصوبہ کہ اپنے والد کی میت کو مدینہ لے جا کر اپنی والدہ کے پہلو میں دفن کریں گے اگر پورا ہو جاتا اور مدینہ میں ان کی تدفین ہوتی پختہ قبر بنتی اور قبر پر کوئی قبہ و مقبرہ بھی تعمیر ہوتا تو حضرت آدمؑ و نوحؑ کی قبریں ان کے مقبرے میں نہ بنائی جاتیں اور ان کے مشہد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک، امہات المومنین اور جلیل القدر صحابہ کرام کی قبور کی موجودگی میں وہ رونق مدینۃ النبی میں کبھی حاصل نہ ہوتی جو نجفی ریگستان کے مشہد کو حاصل ہوئی اور نہ حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و دیگر انبیاء کرام اور حضرت حوا و آسیہ کے حضرت علیؓ کی تعزیت کے لئے ان کی قبر پر آنے کی لغو روایتیں اس طرح گھڑی جاتیں جو آپ ملاحظہ کر رہے ہیں اور نہ ان کی اولاد کی نسبی برتری کے اظہار کے لئے الشریف والسید القاب شیعہ ابرالامراء کو مخصوص و مختص کئے جانے کا موقع ملتا جس کا ذکر آ گے آ ۔۔ ہے۔ اب اس سلسلے میں مختصر حال مشہد حسینی کی بھی ملاحظہ ہو:۔

تعمیر مشہد حسینی مؤلف نزہتہ القلوب فرماتے ہیں کہ مشہد حسین کی تعمیر بھی اسی عضدالدولہ نے کرائی تھی وہ لکھتے ہیں کہ:۔

دربیابانِ کربلا مشہد امیرالمومنین[له] حسین بن علی رضہما ست آنرا مشہد حایری خوانند جہت آنکہ چناں ذکر رفت کہ بعہد متوکل خلیفہ آب در بستند تا خراب شود آب حیرت آورد و زمینے کہ ضریح حضرت است خشک ماند۔ عمارت آں مشہد نیز عضدالدولہ فنا خسرو دیلمی ساخت و آں موضع شہرچہ شدہ است (ص ۳۲)

بیابان کربلا میں مشہد امیرالمومنین حسین بن علی رضہما ہے۔ مشہد حایری اس وجہ سے کہتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خلیفہ متوکل (علی اللہ عباسی) کے عہد میں پانی اس پر چھوڑا گیا تھا کہ خراب ہوجائے مگر پانی یوں ہی ٹھہرا رہا اور وہ زمین جہاں ضریح حضرت کی ہے خشک رہی۔ عمارت اس مشہد کی بھی عضدالدولہ دیلمی نے بنوائی اور وہ مقام اب چھوٹا سا شہر ہوگیا ہے

مولف نزہتہ القلوب کا یہ بیان اگر مطابق واقعہ ہو کہ نجفی مشہد کی طرح کربلائی مشہد بھی عضدالدولہ نے تعمیر کرایا تھا تو ظاہر ہے کہ حادثہ کربلا کے تین سو دس برس بعد اور خلیفہ المتوکل علی اللہ کے ابتدائی عہد کے سال ۲۳۶ھ سے کہ میدان کربلا کے میں اس وقت سے زراعت ہونے لگی تھی تقریباً سوا سو برس بعد ۳۶۹ھ یا اس سے چند سال بعد یہ مشہد تعمیر ہوا تھا۔

حضرت حسینؓ کی تدفین جداگانہ ہوئی تھی یا دیگر مقتولین کے ساتھ مورخین نے اس کی تصریح نہیں کی۔ فریقین کے مقتولین کی یکجائی تعداد ۱۵۴ بتائی گئی ہے۔ ۷۲ حسینی قافلے کے ۸۲ سرکاری فوجی دستے کے۔ قرائن اس کے موید ہیں کہ اس میدان میں جسے شیعہ مورخین و مصنفین بیابان و صحرائے کربلا کہتے ہیں فریقین کے مقتولین کی دو جگہ یکجائی تدفین ہوئی تھی چنانچہ ملا باقر مجلسی کے بیان سے بھی تائید مزید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

جسد مبارک جناب سیدالشہدا را در آن مکان شریف کہ الحال است دفن کردند و علی بن حسین یعنی علی اکبر را در پائیں آنحضرت دفن

جناب سیدالشہدا کے جسم مبارک کو اس مقام شریف میں جو اب ہے دفن کر دیا اور علی بن حسین یعنی علی اکبر کو ان حضرت کے پائنتی

[له] مولف نزہتہ القلوب نے غایت عقیدت سے حضرت حسینؓ کو امیرالمومنین کہا ہے حالانکہ دنیا جانتی ہے وہ امیرالمومنین نہ تھے امیرالمومنین ہونے کی غرض سے انھوں نے خروج البتہ کیا تھا مگر سوء تدبیری سے حصول مقصد میں ناکام رہے ان کے اس ناکام خروج کے مفصل حالات کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں ملاحظہ ہوں۔

کردند و سایر شہدا را در پائین پائے آں حضرت در یک موضع دفن کردند۔	دفن کیا اور تمام شہدا کو آں حضرت کے پائینتی ایک ہی جگہ میں دفن کر دیا گیا۔

(جلاء العیون ص۳۱۴)

ملا صاحب عباس بن علیؓ و دیگر ہاشمی مقتولین کی جداگانہ تدفین کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ پائیں پائے آنحضرت کے الفاظ سے صاف مطلب یہی ہے کہ لاشیں کر بترتیب سے یکجائی دفن ہوئیں بعدمیں "یہ گنج شہیداں" سہرا۔ قافلہ حضرت حسینؓ کے نام سے موسوم ہو کر "تربت حسینؓ" کہلایا۔ اور جب بنی بویہ کے عہد میں عمارت تعمیر کی گئی "مشہد حسین" سے موسوم ہوا بنی امیہ کے عہد خلافت کے خاتمہ ۱۳۲ھ تک بالفاظ دیگر نصف صدی کے عرصہ میں وہاں نہ کسی قبہ یا مقبرے کا کوئی وجود تھا اور نہ زیارت کا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اقتباس میں اوپر بیان ہو چکا کہ عہد صحابہ و تابعین میں پختہ قبریں اور مقبرے بنانے کا رواج ہی نہ تھا تاریخی واقعات بھی اسی کے موید ہیں کہ اس زمانہ میں زیارت قبور کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ مع اپنی اہلیہ سکینہ بنت حسینؓ عرصہ تک عراق و کوفہ میں رہے وہ کبھی زیارت کے لئے کربلا نہیں گئے۔ اور نہ اہل خاندان میں سے کوئی شخص زیارت کے لئے گیا اور نہ ان کی نسل کے کسی فرد کی میت تعمیر مشہد سے پہلے وہاں دفن ہوئی عباسی خلافت قایم ہونے کے کچھ عرصہ بعد البتہ قبریں بھی بن گئیں اور معجزے اور کرامتوں کی حکایتیں بھی وضع ہوتی شروع ہوئیں اور تقریباً ایک صدی کے عرصہ میں تربت حسین کے معجزات کا اور اس کی زیارت کے ثواب کا صد درجہ مبالغے سے پروپگنڈا کر کے طرح طرح کی مشرکانہ بدعات کا اسے مرکز بنالیا گیا تھا۔ بعض سیاسی قسمت آزما بھی یہاں معتکف ہو بیٹھے۔ مثلاً عبداللہ بن میمون القداح اور اس کا باپ (ملاحظہ ہو تحقیق مزید) زیارت تربت حسین کے متعلق اب چند روایتیں ملا باقر مجلسی کی زبانی سنئے۔ ایک روایت میں جو اپنے ایک امام سے منسوب کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

ابن بولویہ بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ روزے حضرت امام حسین علیہ السلام در دامن حضرت رسالت نشستہ بود حضرت با او بازی میکرد و او را میخندانید	ابن قولویہ نے حضرت صادق سے معتبر سند سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت رسالت کی گود میں بیٹھے تھے حضرت ان سے کھیل رہے تھے اور انہیں

پس عائشہ (رضہ)[۱] گفت یا رسول اللہ چہ بسیار خوش داری طفلے را چہ حضرت فرمود وائے برتو! چہ گونہ دوست ندارم او را خوش نیاید مرا و او میوۂ دل من است و نور دیدہ من است بدرستیکہ امت من او را خواہند کشت پس ہر کہ بعد از شہادت او را زیارت کند حق تعالیٰ برائے او یک حج از حجہائے من بنویسد۔ عائشہ از روئے تعجب گفت یک حج از حجہائے تو؟ فرمود بلکہ دو حج از حجہائے من۔ باز عائشہ تعجب کرد، حضرت فرمود بلکہ چہار حج و ہمیشہ او تعجب میکرد حضرت زیادہ می کرد تا آنکہ فرمود کہ نود حج از حجہائے من کہ با ہر حجے عمرہ بودہ باشد۔

(جلاء العیون صـ ۱۴۹ ج ۲)

ہنسا رہے تھے پس عائشہ (رضہ)[۱] نے کہا یا رسول اللہ اس بچے سے آپ کیسی الفت کرتے ہیں حضرت نے فرمایا تیرا برا ہو میں کیوں نہ دوست رکھوں اسے اور کیوں نہ پسند آئے وہ مجھے کہ میرے دل کا ثمرہ ہے اور میری آنکھوں کا نور ہے میری امت اسے یقیناً قتل کردے گی پس جو کوئی کہ بعد شہادت اس کی زیارت کرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے میرے حجوں میں سے ایک حج کا ثواب لکھ دے گا۔ عائشہ نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ کے حجوں میں سے ایک حج کے برابر؟ حضرت نے فرمایا بلکہ دو حجوں کے برابر؟ عائشہ نے پھر تعجب کیا حضرت نے فرمایا کہ چار حجوں کے برابر۔ وہ اسی طرح تعجب کرتی جاتیں اور حضرت تعداد اور زیادہ کرتے جاتے یہاں تک کہ آپ نے (آخر میں) فرمایا کہ میرے حجوں میں سے نوے حجوں کے برابر کہ ہر حج کے ساتھ عمرہ بھی شامل ہو وہ سب ایک مرتبہ تربت حسین کی کی زیارت کر لینے کے برابر ہے۔

شیعوں کے مستند مجتہد و مورخ "علامۃ الدھر و فرید العصر و نابغۃ الدوران حضرت ملا باقر مجلسیؒ" نے تربت حسینؓ کی صرف ایک مرتبہ زیارت کر لینے کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نوے مرتبہ حج و عمرہ کرنے کے مساوی ہونے کی معناً تشریح کی ہے اور سرزمین کربلا کا شرف دیگر مقامات مقدسہ پر ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب جلاء العیون کے صـ ۴۲۲ پر ایک طویل روایت بمعیت انبیائے کرام حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و موسیٰؑ و سلیمانؑ و عیسیٰؑ کا اپنے

۱؎ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے اسم مبارک کے بعد قبیح لفظ نہایت بدگوئی میں لکھا تھا جو حذف کر دیا گیا۔

وقت صحرائے کربلا میں ۔ اردو ہونا بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں سے ہر نبی کو اس مقام پر کسی نہ کسی حادثے اور اذیت میں مبتلا ہونا پڑا تھا مثلاً حضرت آدمؑ جب جنت سے نکل کر اس دنیا میں آئے اور حضرت حوا کی تلاش میں سارے جہان کا چکر لگاتے ہوئے صحرائے کربلا میں داخل ہو کر اس مقام پر پہنچے جہاں ہزاروں برس بعد حصول خلافت کے خروج میں حضرت حسینؓ کو حادثہ پیش آنیوالا تھا ان کا پیر ٹھوکر لگنے سے زخمی ہو گیا خون بہنے لگا۔ بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے ۔

پروردگارا! در جمیع زمیں گردیدم اندوہ والے کہ درین زمین بمن رسید در ہیچ زمینے ندیدم حق تعالیٰ با دوحی کرد کہ دریں زمین برگزیدۂ من حسین شہید خواہد شد خواستم کہ تو در اذیت و اندوہ یا او شریک باشی و خون تو برایں زمین ریختہ شود۔	اے پروردگارا! تمام دنیا میں تو میں چکر لگا آیا ہوں غم والم مجھے اس زمین پر پہنچا ہے کسی جگہ نہیں پہنچا حق تعالیٰ نے وحی کی کہ اس زمین پر میرا برگزیدہ حسین شہید ہوگا میں نے چاہا کہ تم بھی ان کی اس اذیت اور غم میں شریک رہو اور تمہارا خون بھی اسی زمین پر بہہ جائے ۔

پوچھا حسین کون؟ فرمایا "فرزند زادۂ پیغمبر من ست و برگزیدۂ من ست" پوچھا قاتل کون؟ فرمایا "یزید است کہ اہل آسمان ہائے و زمین او را لعنت می کنند" اس پر حضرت آدمؑ نے بھی یزید پر لعنت کی اب حضرت نوحؑ کا واقعہ بھی ملا صاحب سے سنئے۔ فرماتے ہیں حضرت نوحؑ جب کشتی میں سوار ہو کر چلے کشتی جیسے ہی کربلا پہنچی ایسا سخت تلاطم ہوا کہ کشتی کو غرق ہونے کا شرف حاصل ہو گیا "کشتی مشرف بہ غرق شد" حضرت نوحؑ نے بارگاہ الٰہی میں فریاد کی حضرت آدمؑ کی طرح ان سے بھی حسین و یزید کا ماجرا جو ہزاروں برس بعد پیش آنیوالا تھا بیان ہوا پھر پیغمبر نوح نے دو مرتبہ یزید پر لعنت کی جس کی برکت سے کشتی کو غرق ہونے سے نجات ملی ۔

پس نوحؑ مکرر او را (یزید را) لعنت کرد تا کشتی او از غرق نجات یافت و بر جودی قرار گرفت	پس نوحؑ نے دو مرتبہ یزید پر لعنت کی اور (اس لعنت کی برکت سے) ان کی کشتی کو ڈوبنے سے نجات ملی اور جودی (پہاڑی) پر جا ٹھہری ۔

(ایضاً ص ۱۲۶)

اب ادھر سنئے حضرت ابراہیمؑ گھوڑے پر سوار صحرائے کربلا سے گذر رہے تھے کہ یکایک گھوڑا سر کے بل زمین پر آرہا حضرت ابراہیمؑ کا سر مبارک پتھر سے ٹکرا گیا خون بہنے لگا۔ استغفار کرنے پر جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اس مقام پر برگزیدۂ مصطفیٰ و فرزند پسندیدۂ علی مرتضیٰ

قتل ہوں گے۔

خداخواست کہ تونیز در بلیّہ با او موافقت نمائی و خون تو درایں زمین ریختہ شود۔ (ایضاً)

خدا نے چاہا کہ تم بھی ان کے مصائب میں موافقت و شرکت کرو اور تمہارا خون بھی اس زمین پر بہہ جائے۔

جبرئیل نے انہیں بھی قاتل حسین کا نام یزید ہی بتایا اور کہا کہ آسمان و زمین کے رہنے والے "لوح و قلم" اس پر لعنت کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے لعنت بھیجنی شروع کی ان کا گھوڑا بھی ہر لعنت پر آمین کہتا جاتا تھا گویا لعنتیوں کے "بیش باد" کی طرح!

ابراہیمؑ سر برداشت و آں ملعون رالعن بسیار کرد حق تعالیٰ اسپ ابراہیم رابسخن در آورد ہر لعنتے کہ ابراہیم می کرد او آمین می گفت (ایضاً صـ۱۴۷)

حضرت ابراہیمؑ نے سر اٹھایا اور اس ملعون (قاتل حسین) پر بہت سی لعنت بھیجی حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے گھوڑے کو بولنے کی قوت عطا کی ابراہیمؑ کے ہر مرتبہ لعنت بھیجنے پر وہ بھی آمین کہتا جاتا تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کا ماجرا اور بھی عجیب بتایا ہے لکھا ہے کہ صحرائے کربلا میں فرات کے کنارے بکریاں چرا رہے تھے ہر چند بکریوں کو دریائے فرات کا پانی پلانے لے جاتے مگر بکریاں پانی نہیں پیتی تھیں۔ باری تعالیٰ کے حضور یہ سرگزشت پیش کرنے پر جواب ملا کہ سبب پانی نہ پینے کا خود بکریوں ہی سے پوچھ لو۔

چوں سوال کرد گوسفندان بزبان فصیح گفتند کہ بما خبر رسیدہ کہ فرزند تو حسین و جگر گوشۂ پیغمبر آخرالزمان دریں زمین بالب تشنہ شہید خواہد شد پس ما بسبب حزن و اندوہ بر آنحضرت آب نخوردیم و خواستیم کہ در تشنگی با او موافقت کنیم۔ (ایضاً صـ۱۴۷)

جب پوچھا تو بکریوں نے فصیح زبان میں کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ کے بیٹے حسین اور پیغمبر آخرالزماں کے لخت جگر اس زمین پر تشنہ لب شہید ہوں گے پس ان حضرت پر رنج و غم کے سبب سے ہم نے بھی پانی نہیں پیا اور یہ چاہا کہ ان کے پیاسے رہنے میں ہم بھی موافقت کریں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ اور ان کے وصی یوشع بن نون کو بھی صحرائے کربلا میں پہنچایا ہے ان کے پیر بھی زخمی ہوئے، خون بھی ان کا زمین کربلا پر بہا اور ان کو بھی یہ وحی آئی۔

دریں زمین ریختہ خواہد شد خون برگزیدہ من حسین خواستم کہ خون تو دریں زمین ریختہ شود (جلاء العیون ص ۱۴۲)	اس زمین پر میرے برگزیدہ حسین کا خون بہے گا اس لئے میں نے یہ چاہا کہ تمہارا خون بھی اسی زمین میں بہہ جائے۔

حضرت موسیٰؑ نے بھی قاتل حسینؑ پر لعنت کی یوشع نے آمین کہی پھر انہیں بتایا گیا کہ "دریا کی مچھلیاں، صحرا کے وحشی اور پرندے ان ہوا" سب ہی اس پر لعنت کرتے ہیں حضرت موسیٰ کے بعد جب حضرت سلیمان کا زمانہ آیا وہ اپنے ہوائی تخت پر بیٹھے کربلا کے پاس سے گذر رہے تھے ہوائی تخت اکا یک مرتبہ وہاں الٹ پلٹ ہو گیا انہوں نے ان کے سب ساتھیوں یعنی "آدمیاں وضیاں و مرغان نے یزید کو جسے قاتل حسین قرار دے لیا پھر لعنت بھیجی چنانچہ اس لعنت کی برکت سے ہوائی تخت صحرائے کربلا سے بسلامت نکل گیا۔

پس از برکت آں لعنت باد دیر یزید و آن بساط را از صحرا بیرون برد (ایضاً)	پس اس لعنت بھیجنے کی برکت سے ہوا چلی اور تخت سلیمانی کو صحرا سے باہر نکال لے گئی۔

آخر میں حضرت عیسیٰؑ کے سفر کربلا کا یہ ماجرا ملا صاحب نے تصنیف کیا ہے کہ صحرا عبور کرتے وقت ایک شیر ان کے ہمراہ حواریوں کی راہ میں حائل ہو گیا سبب اس حرکت ناشائستہ کا پوچھنے پر وہ قدرت الٰہی سے یوں گویا ہوا۔

شیر بامر خداوند قدیر بسخن آمد و بزبان فصیح گفت نمیگذارم از این صحرا بیرون روی تا لعنت کنی بر قاتل حسین۔ (ایضاً)	شیر خداوند قدیر کے حکم سے گویا ہوا اور فصیح زبان میں کہنے لگا کہ اس وقت تک میں صحرا سے باہر نہ جانے دونگا جب تک تم قاتل حسین پر لعنت نہ کروگے۔

حضرت عیسیٰؑ نے قاتل و مقتول کے بارے میں دریافت کیا شیر نے کہا کہ مقتول تو "فرزند زادۂ نبی اُمّی و فرزند علی ولی" تھے اور قاتل:-

یزید است کہ وحشیان و درندگان ہمہ اورا لعنت میکنند خصوصاً در ایام عاشورا پس حضرت عیسیٰ دست بدعا برداشت و یزید را لعنت کرد و حواریان آمین گفتند و شیر دور شد و ایشان ازیں زمین بیرون رفتند ایضاً ص ۱۲۱	یزید ہے کہ وحشی جانور اور درندے سب اس پر لعنت کرتے ہیں خصوصاً عاشورا کے دنوں میں پس عیسیٰ نے بھی ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور یزید پر لعنت بھیجی حواریوں نے آمین کہی شیر الگ ہو گیا اور یہ حضرات اس زمین (کربلا) سے نکل کر باہر چلے گئے۔

یہ تو ایک ادنیٰ نمونہ خرافات واہیہ کا ہے جو سرزمین کربلا کی تقدیس و عظمت میں وضع ہوئیں صدہا لغو و مہمل حکایتیں اور بھی اسی قماش کی بمرور زمانہ عوام میں پھیلائی جاتی رہیں یہ وہ ہیں جو دورِ عقلیت میں بھی افسانہ کربلا کا جزو اعظم ہیں۔ تربت حسین کو شفایابی کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ قبر کے پاس دعا مانگنے کو وجہ قبولیت ٹھہرا گیا (صـ۴۲ــ) کربلا کی مٹی کو "خاکِ شفا" کہہ کر طرح طرح کے خواص اور خاصیتیں اکسیر کی سی بیان کی گئیں متعدد لغو قصے لوگوں کے کربلائی مٹی کو گھول پی کر تمام امراض سے شفایاب ہونے کے مجتہد صاحب نے بیان کئے ہیں۔ نماز دیں میں خاک کربلا سے بنی ہوئی ٹکیوں پر پیشانی رگڑنا مقبولیت نماز کی دلیل اور زیارت قبر وجہ نجات ہے۔ ستر ہزار فرشتے جو حضرت حسین کی مدد کو آرہے تھے مگر چند منٹ دیر میں پہنچے کی بنا پر تربتِ حسین پر اوّل ہی دن سے معتکف ہیں درود ذ بھیجتے اور گریہ و بکا میں مصروف رہتے ہیں ان کے علاوہ چار ہزار فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ ہر روز آسمان سے اتر کر قبر پر نوحہ خوانی کرتے طلوع آفتاب کے بعد واپس چلے جاتے ہیں اور دوسرے چار ہزار نزول کرتے ہیں اسمٰعیل نام ایک فرشتہ تمام زائرین کے نام و نسب و حلیہ کا ریکارڈ مرتب رکھتا ہے اور روزانہ واقعات کی رپورٹیں جناب رسالت مآب اور آئمہ کے روبرو پیش کرتا ہے زائر کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور بشارت جنت کی دی جاتی ہے۔

مغالاۃ فی البشر | جن کے مقتل و مدفن کی تقدیس و عظمت کے بارے میں عجمی دماغوں نے ایسی ایسی دیو مالائی کہانیاں گھڑ ڈالی ہوں جو بھی آپ نے ملاحظہ فرمائیں تو خود ان کی شخصیت اور ذاتی برگزیدگی کے بارے میں فوق الفطرۃ افسانوں اور بعید از قیاس وضعی حدیثوں اور روایتوں کا کیا کچھ ذخیرہ نہ فراہم ہوا ہوگا جو اب تک کربلائی لٹریچر کا جزو لاینفک ہے۔ یہاں تک بیان ہوا ہے کہ "خداوند عالمیاں" نے ولادت حسین سے بہت پہلے کہ استقرار حمل بھی نہ ہوا تھا جبرئیل فرشتہ کو یہ پیغام دیکر جناب رسول خدا کے پاس بھیجا کہ

از برائے تو پسرے متولد خواہد شد	آپ کے لئے بیٹا پیدا کیا جائیگا جسے
کہ امت تو بعد از تو اورا شہید کنند	آپ کے بعد آپ کی امت شہید کر دے گی۔

(جلاء العیون صـ۱۴۳ـ)

پیغام سنتے ہی فرمایا کہ ہمیں ایسا بیٹا نہیں چاہیے۔ تین مرتبہ ایسے بیٹے کے ہونے سے

انکار کیا فرشتے نے جب وضاحت کی کہ وہ آپ کے صلب مطہر سے نہیں صلب علی سے ہوگا انھیں طلب فرما کر پیغام سنایا حضرت علیؓ نے بھی ایسا بیٹا لینے سے تین مرتبہ انکار کیا پھر حضرت فاطمہؓ کی مرضی معلوم کی گئی انھوں نے بھی یہ کہکر تین مرتبہ انکار کیا کہ :-

اے پدر! مرا احتیاج بچنیں فرزند نیست

اے ابا جان! مجھے ایسے بیٹے کی حاجت نہیں

حضرت نے جب مطلع فرمایا کہ :-

او و فرزندان او پیشوایان دین و وارثان آثار من و خازنان علم من خواہند بود گفت فاطمہ راضی شدم از خدا وند عالمیان پس حاملہ شد بحضرت امام حسین بعد از شش ماہ آنحضرت متولد شد۔ فرزندے کہ شش ماہہ متولد شد زندہ نماندہ مگر حضرت امام حسین و حضرت عیسیٰؑ

(جلاء العیون صـ۱۴۳ـ)

وہ اور اس کی اولاد دین کے پیشوا میرے آثار کے وارث اور میرے علم کے رکھوالے (خازن) ہوں گے فاطمہ نے (یہ سنکر) کہا کہ میں خدا وند عالمیان سے راضی ہوں پس وہ حاملہ ہو گئیں حمل حضرت امام حسین سے اور چھ مہینے بعد وہ حضرت پیدا ہوئے۔ جو فرزند چھ مہینے کا پیدا ہو زندہ نہیں رہتا سوائے حضرت امام حسین اور حضرت عیسیٰؑ کے

ایسے لایعنی و مہمل افسانے گھڑنے کی ابتدا و جیسا شواہد تاریخی سے ثابت ہے صوبہ عراق سے ہوئی اور جن اسباب سے ہوئی اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں ان تاریخی واقعات اور حروب داخلیہ کے حالات کو پیش نظر رکھنا ہوگا جن میں عراقیوں کا نمایاں حصہ رہا تھا۔ طالبانِ قصاص خون عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مابین جنگ جمل عراق ہی کے شہر بصرے میں ہوئی پھر سات مہینے بعد عراق کے سرحدی مقام صفین میں دوسری ہولناک جنگ حضرت علیؓ نے عراقی معاونین کی معیت میں طالبین قصاص خون عثمانؓ سے کی وہاں سے عراقیوں کے ناکام و نامراد واپسی پر ان میں پھوٹ پڑ جانے سے تیسری جنگ صوبہ عراق میں حضرت موصوف کو اپنی ہی پارٹی کے خارجیوں سے نہروان کے مقام پر لڑنی پڑی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۴۰ھ میں ایک خارجی کے قاتلانہ حملے سے مقتول ہو گئے، ۴۰ھ سے ۶۰ھ تک بیس برس کے عرصہ میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اپنے عدیم النظیر حلم و کرم و تدبر سے عراقی مفسدین کو سیاسی خلفشار پیدا کرنے سے باز رکھا ان کی وفات ہوتے ہی عراقی شیعان علیؓ نے حضرت حسینؓ کو بیعت خلافت کی ترغیب و تحریص دے کر خروج پر آمادہ کیا، قسمیں کھا کھا کر وعدے کئے کہ حصول مقصد کے لئے اپنی جانیں

ان کی نصرت و حمایت میں قربان کر دیں گے عراقیوں کے وعدوں پر یقین کر کے اور اپنے تمام عزیزوں اور ہمدردوں اور صحابۂ کرام کی رائے کے خلاف سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے عراق تشریف لے گئے کوفیوں کی بیوفائی اور انحراف کے نتیجے میں جو حادثہ پیش آیا سب جانتے ہیں اس کے بعد بھی چند دیگر واقعات مختار ثقفی کا خروج حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ شوہر سیدہ سکینہ بنت حسینؓ سے اس کی جنگ، مختار کا مارا جانا پھر مصعب کا امیر المومنین عبدالملک اموی کے مقابلہ میں قتل ہونا یہ سب واقعات عراق ہی میں پیش آئے ان تمام معرکوں میں عراقیوں نے بڑھ بڑھ کے حصہ لیا تھا مگر وہ اپنے اس دیرینہ مقصد میں کہ صوبہ عراق کو اسلامی حکومت کا مستقر بنا کر اور اولاد علیؓ میں سے کسی کو تخت خلافت پر متمکن کر کے دیگر حصص مملکت پر سیاسی تفوق حاصل کر سکیں گے، کامیاب نہ ہوئے۔ متواتر ناکامیوں کی تاویلات کے سلسلے میں طرح طرح کے قصے اور حکایتیں گھڑی گئیں خاص کر حضرت حسینؓ کے بارے میں بیسیوں حدیثیں وضع ہوئیں جن کی ذرا سی جھلک ملا باقر مجلسی کی مندرجہ بالا روایت میں ہے کہ امت کے ہاتھوں ان کی شہادت روز ازل سے مقرر تھی وہ پیدا ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ "مخلوق پر حجت خدا ہوں" "حجت خدا باشد برایں خلق" (ص۱۴۷) اور بسبب شہادت درجہ اور مرتبہ ان کا جن و انس (مخلوقین) میں سب سے بلند و بالا ہو بلکہ ان کے شیعوں کو بھی یہ علوئے مرتبت حاصل ہے کہ جس گنہگار کی چاہیں شفاعت کریں قبول ہو رد نہ ہو۔

حق تعالیٰ فرمود کہ اورا (حسین را) بسبب شہادت درجہ خواہد بود کہ احدے از مخلوقین بآں درجہ نمی رسید بدرستیکہ اورا شیعہ چند خواہد بود کہ شفاعت کنند و شفاعت ایشاں رد نشود۔

(جلاء العیون ص۱۴۳)

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا (حسین کا) درجہ بسبب شہادت ایسا (بلند) ہوگا کہ مخلوقین (یعنی جن و انس) میں سے کوئی اس درجہ تک نہ پہنچ سکے گا اور ان کے شیعہ یقیناً چند ہوں گے کہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت رد نہ کی جائے گی۔

اب یہ دیکھئے کہ تشہیر ان خرافات کی کب سے شروع ہوئی معلوم ہے کہ حادثہ کربلا ۶۱ھ میں پیش آیا تھا اس وقت سے ۱۳۲ھ تک کہ تقریباً اکہتر برس کی مدت ہوتی ہے اموی خلافت کا عہد تھا اس زمانہ میں حضرت حسینؓ کے معاصرین کی بڑی تعداد بقید حیات تھی اصحاب سے صحابہ کرام و تابعین عظام اور ان کے عزیز اقربا بھی موجود تھے جو بیسیوں برس تک زندہ بھی

رہے، ان سب نے باصرار منع کیا تھا کہ خروج نہ کریں اور سیاسی اقتدار کے موہوم مقصد کی خاطر کوفیوں کے وعدوں پر بھروسہ کر کے جانِ عزیز کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ ان حضرات کی موجودگی میں جن کی معتد بہ تعداد عراق میں بھی تھی اور جو واقعات کی اصل نوعیت سے کماحقہ واقف تھے نہ کربلا کے بے سروپا افسانے مشتہر ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے اور نہ حضرت حسینؓ کی شخصیت کے بارے میں فوق الفطرۃ کہانیاں اور اساطیر منظرِ عام پر آسکیں۔ ۱۳۲ھ کے تیس چالیس برس بعد سے کوفہ کی سبائی ٹکسال میں کربلا کے فرضی افسانے گھڑنے شروع ہوئے ابو مخنف جیسے کذاب راوی متوفی ۱۵۷ھ نے "مقتل حسین" مرتب کر کے ان کی تشہیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ مقتولین کربلا کو جن کی مجموعی تعداد ۵۳ ا بتائی گئی ہے نہ جدا جدا قبروں میں دفن کیا گیا اور نہ کیا جا سکتا تھا۔ اتباعِ سنت میں یکجائی تدفین ہوئی تھی۔ سو برس کی طویل مدت گزر جانے پر کہ آثارِ مدفن بھی ان کے مٹ چکے تھے قبرِ حسین کے علاوہ اور تربتیں بھی فرضی طور سے بنالی گئیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے مختصر سا باب "قبرِ حسین" جداگانہ قائم کر کے لکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کربلائی مشہد قبرِ حسین ہی پر بنا ہے پھر "واللہ اعلم" لکھ کر اظہارِ شبہ کا کر دیا ہے ساتھ ہی ابن جریر وغیرہ مورخین کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس مقام کے آثار جہاں وہ قتل ہوئے تھے اس درجہ مٹ چکے تھے کہ کوئی شخص بھی صحیح طور سے وہ جگہ متعین نہیں کر سکتا تھا اس کے بعد کہتے ہیں کہ:۔

وقد كان ابو نعيم فضل بن دكين ينكر على من يزعم انه يعرف قبر الحسين (البداية والنهاية ج [illegible] وتاريخ الاسلام ذهبی)

اور ابو نعیم فضل بن دکین تو اس شخص کے قول کو نہیں مانتے تھے جو قبرِ حسین کے جاننے پہچاننے کا دعویٰ کرے۔

یہ ابو نعیم بھی شیعہ ہی تھے آخر میں ہشام بن الکلبی جیسے سبائی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جب پانی وہاں سیلاب کی طرح چھوڑ دیا گیا تھا اس کے چالیس دن بعد بنی اسد کا ایک اعرابی آیا۔ چپہ چپہ زمین سونگھتا جاتا تھا ایک جگہ مٹی سونگھ کر کہنے لگے کہ یہی ہے قبرِ حسین۔ گویا اس طرح قبر حسین شناخت کی گئی لیکن تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ آبپاشی کے بعد جس کا ذکر آگے آتا ہے یہ سب جگہ مزروعہ ہو گئی تھی اور عرصہ تک مزروعہ رہی تھی شخصیت پرستی کی بدعتیں پھیلنے لگی تھیں تیسری صدی ہجری کے ابتدائی حصہ میں مشرکانہ بدعات نے عوام کے دل و دماغ کو اس درجہ متاثر کر رکھا تھا کہ [illegible] کو نفس دین کو خالص اور بدعات و محدثات سے

پاک رکھنے کی ذمہ داری عائد تھی اس کے سدباب کے لئے مؤثر کارروائی کرنی پڑی یہ زمانہ امیرالمومنین جعفر المتوکل علی اللہ عباسیؒ جیسے حامی سنت ماحی بدعت خلیفہ وامام المسلمین کا تھا، ان کے پیشرو خلفا کے زمانے میں خلق قرآن ورویت باریتعالےٰ کے بارے میں جو مناظرے ومجادلے شدت سے جاری تھے حکماً بند کرا دئیے۔ لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ قرآن وسنت کے سوائے کوئی شخص ان باتوں سے اشتغال نہ رکھے وامر الناس ان لا یشتغل احد الا بالکتاب والسنة لاغیر (البدایة والنہایة ج ۱۰ ص ۳۱۶)

امام احمد بن حنبلؒ کو خلق قرآن کے مسئلہ میں جو اذیتیں اٹھانی پڑیں ان کا مداوا کیا، جہاں عزیز کی حیثیت سے کچھ عرصہ انھیں اپنے پاس رکھا، ان کا غیر معمولی اعزاز واکرام کیا وقد کان المتوکل یکرم الامام احمد بن حنبلؒ اکراما زائدا (ایضاً ص ۳۴۰) گرانبہا عطیات، خلعت وملبوسات پیش کئے امام صاحب تو ان چیزوں سے مستغنی تھے۔ ان کے صاحبزادوں صالح وعبداللہ نے وصول کئے اور شریعہ میں خلیفہ موصوف امام

سلہ امیرالمومنین المتوکل علی اللہؒ کے بارے میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

وکان المتوکل (علی اللہ) محببا الی رعیته قائما فی نصرة اهل السنة وقد شبه بعضهم بالصدیق فی قتله اهل الردة لانه نصر الحق ورده علیهم حتی رجوع الی الدین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وقد اظهر السنة بعد البدعة واخمد اهل البدع وبدعتهم بعد انتشارها واشتهارها فرحمه اللہ وقد راٰه بعضهم فی المنام بعد موته وهو جالس فی نور قال قلت المتوکل؟ قال المتوکل قلت فما فعل بك ربك؟ قال غفرلی قلت بماذا قال بقلیل من السنة احییتها (البدایة والنہایة ج ۱۰ ص ۳۵۱)

اور خلیفہ المتوکل اپنی رعایا سے محبت کرنے والے ان کے محبوب تھے اہل سنت کی نصرت کو مستعد رہتے بعض لوگوں نے انھیں حضرت صدیق اکبرؓ سے تشبیہ دی ہے کہ حضرت موصوفؓ نے مرتدین سے قتال کیا تھا حق کی نصرت کی تھی حتیٰ کہ انھیں دین حق پر لوٹا لیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلیفہ المتوکل کے عہد میں) سنت کو بدعت کے پھیل جانے اور مشتہر ہو جانے کے بعد ایسا فروغ ہوا کہ وہ سب دب گئیں اور ماند پڑ گئیں اللہ تعالےٰ کی رحمت ہو ان پر۔ ان کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے انھیں خواب میں دیکھا کہ (رحمت الٰہی) کے نور میں بیٹھے ہیں پوچھا آپ متوکل ہیں کہا ہاں۔ متوکل ہوں پوچھا آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا کہا میری مغفرت کردی پوچھا کس وجہ سے کہا احیائے سنت کی جو قلیل مدت میں لے گئی تھی۔

صاحب سے مشورے کرتے بغیر ان کے مشورے کے قاضی ومفتی کا بھی تقرر نہ کرتے۔ تمام ممالک محروسہ کے محدثین کو خلعتیں اور وظائف دیئے احادیث نبوی کے بیان واشاعت پر مامور کیا بدعات کا قلع قمع کرایا۔

وارتفعت السنه جداً فی ایام المتوکل عفا الله عنه وکان یولی احداً الا بعد مشورة الامام احمد وکان ولایة یحیی بن اکثم قضاء القضاة عن مشورته وقد کان یحیی بن اکثم ھذا من الائمة السنة وعلماء الناس ومن المعظمین للفقة والحدیث واتباع الاثر۔ (ایضاً ص ۳۱۶)

خلیفہ المتوکل کے ایام خلافت میں سنت کو بہت فروغ وعروج ہوا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے امام احمد (بن حنبلؒ) سے مشورہ کئے بغیر کسی ایک شخص کا بھی تقرر نہ کرتے ان ہی کی مشورے سے یحیٰی بن اکثم کو قاضی القضات کے منصب پر مقرر کیا اور یہ یحیٰی بن اکثم ائمہ اہل سنت اور علماء الناس میں سے تھے فقہ وحدیث اور اتباع آثار میں بڑے درجے کے تھے۔

مشرکانہ رسموں سے نیز مغالاۃ فی البشر اور شخصیتوں کے بارے میں غلو کرنے سے لوگوں کو باز رکھنے کی غرض سے نائب السلطنت کو احکام جاری کئے گئے سبائی اور رافضی حضرت حسینؓ کے متعلق حد درجہ غلو کرنے لگے تھے اور ساتھ ہی اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نیز امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ وحضرت حفصہؓ کی اسارت ادب کرتے تھے امیر المومنین نے بزرگان دین پر سب وشتم کرنے والوں کو عبرتناک سزائیں دلوائیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نیز ابن جریر طبری نے اعیان بغداد میں سے ایک شخص کی اس حرکت شنیعہ کا ذکر کیا ہے کہ حضرات شیخین اور امہات المومنین کی بدگوئی کیا کرتا تھا۔ یشتم ابابکر وعمر وعائشة (ایضاً ص ۳۲۴ وطبری ج ۱۱ ص ۲۴۱) سترہ اشخاص نے اس کے خلاف شہادت دی تھی امیر المومنین کے حضور میں اس کا معاملہ پیش کیا گیا جبرتناک سزا کا حکم دیا۔

فرفع امرہ الی الخلیفة فجاء کتب الخلیفة الی محمد بن عبد الله بن طاھر بن الحسین نائب بغداد یامرہ ان یضرب بین الناس حد السب ثم یضرب

اس شخص کا معاملہ خلیفہ کے حضور میں پیش ہوا خلیفہ موصوف کا تحریری حکم نائب بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر بن حسین کے پاس آیا کہ پبلک کے سامنے بدگوئی کرنے کی حد اس پر جاری کی جائے

بالسياط حتى يموت ويلقى دجلة ولا يصلى عليه ليرتدع بذلك اهل الالحاد والمعاندة۔ (ایضاً ص ۳۲۴)	پھر اس کے اتنے کوڑے لگوائے جائیں کہ مرجائے اس کی لاش دجلہ میں نماز پڑھے بغیر پھینک دی جائے تاکہ ملحدوں اور دشمنانِ صحابہ کو عبرت ہو۔

محدث احمد بن نصر پر متعدد علماء نے کفر کا فتویٰ خلق قرآن کے مسئلہ میں دیکر پیشرو خلیفہ کے ہاتھ سے قتل کرا دیا تھا ان میں قاضی احمد[1] بن ابی داؤد معتزلی پیش پیش تھے انھیں قاضی القضاۃ کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ واعظین جو اسرائیلیات کے قصص بیان کیا کرتے تھے ممنوع کئے گئے۔ عیسائی اور یہودیوں کے لئے امتیازی نشان مقرر کئے گئے۔ جلسوں میں صلیب نکالنے کی ممانعت کی گئی۔ جو گرجے اور معابد مشرکین نے جدید تعمیر کر لئے تھے منہدم کرا دئے گئے۔ امر المتوکل بھدم البیع المحدثۃ فی الاسلام (طبری ج ۱۱ ص ۴۴) حکم ہوا کہ ان کے بجائے اگر مساجد تعمیر ہو سکیں تعمیر کی جائیں۔ عیسائیوں سے تعلیم حاصل کرنے کی مسلمانوں کو ممانعت کی گئی ایک نصرانی کو جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تھا سزائے قتل دی گئی۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے بارے میں شکایتیں پہنچیں کہ ظاہر شریعت کے خلاف کچھ امور ان سے سرزد ہوتے ہیں ان کی طلبی کے احکام جاری ہوئے چنانچہ حضرت موصوف مصر سے چل کر عراق آئے۔ امیر المومنین نے جب بچشم خود ان کے احوال دیکھے ان کی باتیں اور مواعظ سنے مطمئن ہو کر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

فردہ مکرماً فکان بعد ذلک اذا ذکر عند المتوکل یثنی علیہ (ایضاً ص ۳۴۷)	ان کو (ذوالنون مصریؒ کو) عزت و اکرام کے ساتھ واپس بھیجدیا بعد میں جب ان کا ذکر خلیفہ المتوکل کے سامنے ہوتا ان کی تعریف کرتے۔

---

[1] معتزلی خلق قرآن کے قایل تھے۔ کلام خدا کو مخلوق کہنے کا سلسلہ لبید بن عاصم یہودی سے چلتا ہے کہتے ہیں کہ اسی لبید یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کرنے کا اقدام باطل بھی کیا تھا۔ قاضی احمد مذکور نے اعتزال کی تعلیم بشر مریسی سے پائی تھی بشر نے جہم بن صفوان سے جہم نے جعد بن ادہم سے اور جعد نے ابان بن سمعان سے اور ابان نے طالوت سے اور طالوت نے لبید بن عاصم یہودی مذکور سے جو توریت کے مخلوق ہونے کا قایل تھا۔ جعد کو امیر المومنین ہشام بن عبدالملک اموی نے قرآن کو مخلوق کہنے پر موت کی سزا دی تھی۔ قاضی احمد کے علاوہ وزیر ابن الزیات بھی محمد [illegible] مقتول کے معاملہ میں شریک تھا اس کے اور بھی قصور تھے اس کو بھی سز[illegible] دی گئی تھی۔

مشہد حسینی کے سلسلے میں امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ کی ان مساعی اور مخلصانہ خدمات کا تذکرہ جو احیاء سنت اور رد بدعات کی غرض سے انجام دیں یہاں اس لئے کیا گیا کہ روافض نے حادثہ کربلا سے تقریباً ایک صدی بعد جو مزارات و منازل و عمارات وہاں بنائی تھیں قبروں پر نذریں اور چادریں چڑھائی جاتی تھیں، قبر پرستی کی مشرکانہ بدعتیں کی جاتی تھیں۔ منتیں مانی جاتی تھیں صاحب قبر سے التجائیں کی جاتی تھیں، مجاور جلب منفعت کی خاطر ایسے ایسے معجزات اور غرائب صاحب قبر کے بیان کرکے جو انبیائے کرام سے بھی منسوب نہیں کیے گئے جن کا قدرے ذکر ابھی ہوا۔ عوام کے مذہبی عقاید خراب کر رہے تھے حامی سنت امام المسلمین نے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں اور اسلام کے بنیادی عقیدے توحید و رسالت کو مشرکانہ توہمات سے پاک رکھنے کی خاطر تمام مزارات کو جو مدت مدید گزر جانے کے بعد بنائے گئے تھے مع دیگر منازل و عمارتوں کے انہدام کا حکم دے دیا۔ شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے ۲۳۶ھ کے کوائف کے سلسلہ میں حکم انہدام کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

فیہا ۲۳۶ھ امر المتوکل بھدم قبر الحسین بن علی وھدم ما حولہ من المنازل والدور وان یحرث ویبذر ویسقی موضع قبرہ وان یمنع الناس من اتیانہ فذکر ان عامل صاحب الشرطۃ نادی فی الناحیۃ من وجدناہ عند قبرہ بعد ثلاثۃ بعثناہ الی المطبق فھرب الناس وامتنعوا من المصیر الیہ و یحرث ذلک الموضع وزرع ما حوالیہ (طبری ج ۱۱ ص ۴۴)

اور اس سال (۲۳۶ھ) میں (امیر المومنین) المتوکل (علی اللہ عباسیؒ) نے حکم دیا کہ حسین بن علیؓ کی قبر ڈھادی جائے اور اس کے آس پاس کی سراؤں اور مکانوں کو منہدم کر دیا جائے اور اس مقام پر جتائی بوائی اور آبپاشی کی جائے لوگوں کو وہاں جانے سے منع کیا جائے کہتے ہیں کہ پولیس افسر نے اس نواح میں اس کی منادی کرادی تھی کہ جو کوئی ان کی قبر کے پاس تین دن کے بعد پایا گیا قید خانے بھیج دیا جائیگا اس لئے لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ادھر جانے سے روک دئے گئے اور اس مقام پر جتائی کرادی گئی اور اس حوالی میں زراعت ہوتی رہی۔

شیعہ مورخ کے اسی بیان کو علامہ ابن کثیر نے بعینہٖ الفاظ نقل کر دیا ہے نیز دوسرے

مورخین نے بھی امیر المومنین کے اس حکم کو جو عوام کو قبر پرستی اور رضا لاۃ فی البشر سے باز رکھنے کی خاطر خدمتِ دین اور تحفظ عقیدہ توحید خالص کے اسی جذبہ صادقہ سے دیا گیا تھا جس سے خود ہمارے زمانہ میں سلطان ابن سعود نے جنت البقیع کے قبوں اور مزاروں کو منہدم کرا دیا تھا۔ شیعہ مورخین و مصنفین نے بالکل ہی دوسرا رنگ دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت علی و حسینؓ سے نفرت اور دشمنی کی وجہ سے ایسا کیا گیا تھا۔ بعض شیعہ مولفین نے تو قبر علیؓ کے منہدم کرانے کا بے بنیاد

سلہ پروفیسر حتی نے انہدام قبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ کربلائی قبور کے منہدم کرانے کی وجہ سے شیعوں کو خلیفہ المتوکل سے دائمی نفرت ہو گئی ہے۔ چنانچہ طرح طرح کے بہتان اس حامی سنت متبع شریعت و راسخ العقیدہ عباسی خلیفہ پر تراشے گئے۔ یہاں تک لغو بیانی کی گئی کہ ایک مسخرے کو جس کی توند نکلی ہوئی تھی انھوں نے حضرت علیؓ کی نقلیں اتارنے پر مقرر کیا تھا اور یعقوب بن سکیت شاعر و ادیب کو جو ان کے صاحبزادوں کو ادبیات کی تعلیم دیتا تھا محض اس بنا پر مروا ڈالا تھا کہ وہ حضرات حسنینؓ پر فرزندانِ خلیفہ کو ترجیح دینے سے منکر تھا۔ یہ سب بے بنیاد اتہامات ہیں۔ ابن سکیت مسلکاً غالی رافضی تھا اسی نے مندرجہ ذیل شعر کہے تھے جن میں جد خلفائے بنی عباس حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی و ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معناً ہجو کی گئی تھی یہ رافضی شاعر بکواس کرتا ہے کہ :-

تاللہ ان کانت امیہ قد أتت — قتل ابن بنت نبیہا مظلوما

خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے — نبی کے نواسہ کو مظلوم قتل کر دیا

فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ — ھذا لعمرک قبرہ مھدوما

تو ان کے دادا کی اولاد نے (بنی عباسؓ نے) بھی تو ایسا ہی ظلم کیا۔ — کہ ان کی قبر ہی کو کھدوا ڈالا

اسفوا علی ان لایکونوا شارکوا — فی قتلہ فتتبعوا رمیما

بنی عباسؓ کو تو اسی کا افسوس تھا کہ ان کے (حسین کے) قتل کرنے میں شریک نہ ہو سکے تھے — تو انھوں نے ان کی ہڈیوں ہی پر دل کا ابال نکال لیا

ابن سکیت کو تو اس خبیثانہ بہتان تراشی کی سزا ملی تھی نہ کہ ان خرافات کی پاداش میں جو رافضی راویوں نے وضع کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تو جیسا شیعہ مورخین نے بھی بیان کیا ہے حضرت حسینؓ کو خروج کرنے سے بار بار اور باصرار منع کیا تھا اپنے ارادہ سے جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو آخر میں یہ عاقلانہ مشورہ دیا تھا کہ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ ایسا نہ ہو کہ قتل ہو جاؤ اور بیوی بچے تمہارے اسی طرح تکتے کے تکتے رہ جائیں جیسے عثمانؓ کے بیوی بچے تکتے رہ گئے تھے شیعہ مورخ طبری ہی نے لکھا ہے کہ کربلا میں جب انھیں اپنے چچا

(بقیہ نوٹ برصفحہ ۱۳۲)

الزام بھی عاید کیا ہے حالانکہ جیسا پچھلے اوراق میں بوضاحت بیان ہو چکا امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسی کے عہد سے تقریباً سوا سو برس بعد حضرت علیؓ کی یہ مفروضہ مخفی قبر بنی بویہ کے زمانہ امیر الامرائی میں دریافت ہوئی تھی۔ قبر کا جب وجود ہی نہ تھا تو انہدام کیسا؟ ہمعصر شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے جو عہد متوکلیہ میں بیس پچیس برس کی عمر کے بغداد میں سکونت پذیر تھے قبر علیؓ کے انہدام کا اشارۃً و کنایۃً بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ دوسرے شیعہ مورخ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ امیر المومنین موصوف کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بہت متواضع و متین و سلیم الطبع تھے مخلوق کی حاجت روائی غایت درجہ کرتے، مناقشات و تشدد مذہبی کا خاتمہ کر دیا تھا۔

کان سلیماً مجیباً الی الغایۃ رفع المحنۃ ومنع الجدل فی الدین

(کتاب التنبیہ والاشراف ص۳۶۲ مطبوعہ بریل ۱۸۹۴ء) شیعوں پر تشدد کرنے کا جو الزام روافض نے لگایا محض بے اصل ہے۔ صرف ان ہی خبیثوں کو سزا دی گئی تھی جو شیخین الدین و اکابر صحابہ و امہات المومنین کی بدگوئی کا ارتکاب کیا کرتے تھے ورنہ تمام رعایا کے ساتھ شفقت و مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرتے۔ مولف کتاب فوات الوفیات نے وزیر الجبلی سے یہ قول نقل کیا ہے کہ خود امیر المومنین ہی نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ مجھ سے پہلے خلفاء رعایا کو اطاعت میں رکھنے کے لئے سختی کا برتاؤ کرتے تھے۔ وانا الین لھم لیحبونی ولیطعونی (ص۱۳۱) میں تو ان کے حق میں بہت ہی نرم ہوں تاکہ الفت مجھ سے کریں اور مطیع رہیں۔ خلیفہ موصوف جیسے متبع شریعت اور نرم مزاج امیر المومنین کا

(بقیہ نوٹ، صفحہ ۱۳۱ کا) یہ نیک مشورہ یاد آیا حسرت سے کہنے لگے لا یبعد ابن عباس (ابن عباس نے کیا اچھی بات کہی تھی) پھر حضرت حسینؓ کے اس غلط اقدام کی اہل خاندان کی اکثریت نے شدید مخالفت کی تھی حتیٰ کہ ان کی بہن زینب کے شوہر عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے جو امیر المومنین یزید کے خسر تھے علیحدگی ہو گئی تھی شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ عمر الاطراف برادر حسین نے حادثہ کربلا کا حال سنکر ہی تو کہا تھا کہ حسین نے مجھ پر زور ڈالا تھا کہ ساتھ چلوں مگر میں تو جانتا تھا جو انجام ہوں ان کے خروج میں ساتھ دیتا تو میں بھی مارا جاتا ان کے دوسرے بھائی محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کا موقف تو سب پر روشن ہے باوجود بار بار اصرار کے عاقبت نااندیشانہ خروج کی طرح ساتھ نہ دیا خلیفہ وقت کی بیعت میں شامل رہے ساس رافضی شاعر نے سیاسی [illegible] خروج میں شامل نہ ہونے کو جس جھنجھلاہٹ سے بدگوئی میں پیش کیا ہے [illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] ایا تی تھی۔

یہ حکم کہ کربلا میں جو مزارات سرائیں اور مکانات تقریباً سو برس کی طویل مدت گذر جانے پر بنا لیے گئے تھے ان کو منہدم کرا دیا جائے صاحب قبر سے نفرت اور دشمنی کی بنا پر تو ہرگز نہ تھا بلکہ قبر پرستی اور مشرکانہ بدعات سے نفرت اور دشمنی کی وجہ سے تھا اور وہ بھی باتباع احکام شریعت اور آئمہ اہل سنت کے مشورے سے اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے مشورہ کئے بغیر ان معاملات میں کوئی حکم نہ دیتے حتیٰ کہ قاضیوں کے تقرارات میں بھی مشورہ لیتے۔ امام موصوف کی وفات حکم انہدام سے پانچ چھ برس بعد ۲۴۱ھ میں ہوئی تھی یعنی جب مشرکانہ بدعات کا خاتمہ کرنے کے لئے اس حکم کا نفاذ ۲۳۶ھ میں کیا گیا امام موصوف امیرالمومنین ہی کے پاس رہتے تھے اور ان کے مذہبی و شرعی مشیر تھے۔

ائمہ اہل سنت نے تین خلفائے اسلام کے نام یکے بعد دیگرے اس سلسلے میں لئے ہیں کہ اپنے اپنے وقت میں انہوں نے ارتداد و بدعات کے طوفان کا کامیابی سے مقابلہ کیا یعنی اول حضرت ابوبکر الصدیقؓ کا پھر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی کا اور تیسرے امیرالمومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ کا۔ کیونکہ آخرالذکر نے بقول صاحب فوات الوفیات بدعتیں مٹائیں اور سنت کو فروغ دیا وا لمتوکل محا البدع واظہر السنۃ (ایضاً ص۱۳۴)

سلطان ابن سعود نے ہمارے زمانہ میں حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ کو منہدم کر دیا۔ جو "قبۂ اہل بیت" کہلاتا تھا اور اسی قبے میں حضرت حسنؓ و علی بن حسین و محمد (الباقر) وجعفر (الصادق) وغیرہ بھی مدفون ہوئے تھے۔ یہ انہدام صاحب قبہ حضرت عباسؓ سے معاذاللہ کسی نفرت کی وجہ نہیں بلکہ رد بدعات کی بنا پر منہدم کرایا خلیفہ موصوف کے زمانہ میں اگر ان کے جد اعلیٰ کے قبے میں ایسی ہی مشرکانہ بدعتیں ہوتیں جو کربلائی قبور پر ہوتی تھیں کہ باوجود ممانعت کے لوگوں کا وہاں اجتماع ہوتا صاحب قبر سے التجائیں کرتے منتیں مانتے چڑھاوے چڑھاتے تو اس قبے کے ساتھ بھی وہی کچھ کرتے جو سلطان ابن سعود نے کیا۔ غرض و مقصد مشرکانہ بدعات کو روکنا تھا نہ کہ صاحبانِ قبر سے کسی عناد ودشمنی کا مظاہرہ۔ خاندانی قرابت اور رشتے کے تعلق سے حضرت علیؓ و حسینؓ بھی تو ان ہی کے بزرگ تھے۔ خلیفہ موصوف کے متعدد دادیاں پردادیاں علویہ و حسنیہ و حسینیہ خواتین تھیں پھر خلیفہ موصوف ہی کی چچیری بہن سیدہ ام الفضل بنت خلیفہ مامون الرشید تھیں جو امامیہ کے نویں امام محمد بن علی الرضا کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ان عباسیہ خاتون کے حسینی نسب شوہر کا عین عالم شباب میں کہ پچیس برس تین مہینے بارہ

دن کی عمر تھی جب انتقال ہوا خلیفہ المتوکل علی اللہ کے بھائی ہارون بن امیر المومنین المعتصم
باللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور امیر المومنین نے [illegible] بھتیجی اور ان کے اکلوتے خورد سال
یتیم فرزند علی بن محمد بن علی الرضا کو اپنے ہی پاس رکھا اور کچھ عرصہ بعد سیدہ ام الفضل کا نکاح
ثانی عباسی خاندان میں داؤد بن داؤد بن علی السجاد بن عبداللہ بن عباس کے پوتے سے ہوگیا
محمد بن علی الرضا کے اس یتیم فرزند علی کو ان کی دادی ام ابیہا خواہر حقیقی جناب علی الرضا کے
آغوش محبت میں پرورش کے لئے دیدیا گیا جن کے بوجہ ناکتخدا رہنے کے کوئی اولاد نہ تھی ۲۳۳ھ
میں ام ابیہا نے وفات پائی۔ امیر المومنین المتوکل علی اللہ نے اپنے اس بھانجے کو جو اس وقت پندرہ
سولہ سال کے تھے اور بعض امامیہ اپنا دسواں امام کہتے ہیں مدینہ سے اپنے پاس سامرہ بلا لیا (طبری ج ۱۱ ص ...)
جہاں وہ عباسی خلفاء کے عزیز قریب کی حیثیت سے بعطائے گرانقدر وظیفہ آرام و آسائش کی
زندگی بسر کرتے رہے ۲۵۴ھ میں بعمر چالیس سال انتقال کیا خلیفۃ المتوکل علی اللہ کے فرزند ابو احمد نے
نماز جنازہ پڑھائی (البدایہ ج ۱۱ ص ۱۵) اور سامرہ کے قصر شاہی کے متصل میدان میں دفن ہوئے
قرابت و محبت کے ان تعلقات کے ہوتے ہوئے دشمنی و عناد کے بہتانوں کی کیا حقیقت ہو سکتی
ہے جو روافض نے تراشے ہیں۔[1] امام المسلمین کی حیثیت سے جو ذمہ داری ان پر عائد تھی۔

---

[1] خلیفہ مامون الرشید کے داماد علی الرضا کی ۲۰۳ھ میں جب وفات ہوئی تھی ان کے بیٹے محمد جو سات
سال کے تھے خلیفہ موصوف نے اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لیا ناز و نعم سے پرورش کیا سن بلوغ کو
پہنچے پر ۲۱۵ھ میں کہ انیس بیس برس کی عمر تھی اپنی نور دیدہ ام الفضل سے ان کی شادی کر دی۔ فکفلہ
المامون العباسی و رباہ و زوجھا بنتہ ام الفضل (قاموس التراجم ج ۲ ص ...) کہتے ہیں
کہ نکاح پہلے ہو گیا تھا رخصتی ۲۱۵ھ میں ہوئی۔ ایک کروڑ سالانہ کا بیش بہا وظیفہ مقرر کیا (منہاج السنۃ
ج ۲ ص ۱۲۶) ۔ ۲۱۵ھ کے آخر میں شہزادی ام الفضل کے بطن سے بیٹا ہوا جس کا نام اپنے والد کے نام
پر علی رکھا۔ یہ دونوں باپ بیٹے علی و محمد جنہیں امامیہ اپنا امام مانتے اور علی الہادی و نقی اور محمد الجواد کہتے
ہیں اپنے [illegible] کی وفات کے وقت محمد جو سات سات برس کے بچے تھے روافض نے یہ کہہ کر کہ دونوں بچے
اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام ہونے کی وجہ سے ظاہری و باطنی تمام علوم میں بچپن ہی سے دستگاہ کامل رکھتے
تھے حد درجہ لغو اور مہمل روایتیں ان کذب بیانیوں کے اظہار میں وضع کی ہیں کہ عباسی خلفاء نے ان
دونوں کو جنہیں اولاد کی طرح محبت و شفقت سے پالا پرورش کیا تھا اور ایک کو اپنی دامادی کا شرف بھی عطا
کیا تھا زہر دلوا کر مروا ڈالا تھا چنانچہ ملا باقر مجلسی نے متعدد شرمناک روایتوں سے اپنی کتاب جلاء العیون کے
اوراق سیاہ کئے ہیں اور صرف اتنی سی بات کہنے کے لئے کہ محمد الجواد کے یہ فرزند علی ان کی زوجہ محترمہ
سیدہ ام الفضل بنت مامون الرشید کے بطن سے نہ تھے کسی اور عورت کے پیٹ سے تھے یہ بکواس کی ہے
کہ محمد مذکور کو اپنی زوجہ سے انحراف تھا جس کی شکایت شہزادی نے اپنے والد خلیفہ مامون الرشید سے کی۔

(نوٹ۔ بقایا صفحہ ۱۲۵ پر)

خلیفہ موصوف نے مغالاۃ فی البشر اور رشرکانہ بدعات سے عوام کو بچانے کی کوششیں کیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی ذات اقدس کے بارے میں غلو کرنے سے امت کو بالفاظ واضح منع فرمایا تھا ارشاد مبارک ہے کہ :-

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما عبد فقولوا عبد اللہ و رسولہ	دیکھو تم لوگ میری ذات کے بارے میں غلو نہ کرنا جیسا ابن مریم (عیسیٰ) کے بارے میں نصاریٰ کرتے ہیں میں تو اسی کا بندہ ہوں پس کہا کرو اللہ کے بندے اور اس کے رسول۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے روافض کے غلو کا ذکر کرتے ہوئے جو اپنے ائمہ کی شخصیتوں کے بارے میں کرتے ہیں کہ ان کی قبروں اور مشاہد کی زیارت کو بھی حج کعبہ پر ترجیح دیتے ہیں

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۳۴ کا) خلیفہ نے تلوار اٹھائی اور چار آدمیوں کی مدد سے اپنے محبوب داماد کے جس کو بچپن سے آغوش محبت میں پالا تھا ٹکڑے کر دیئے مگر صبح کو جب معلوم ہوا کہ داماد زندہ اور صحیح سلامت ہے تیس ہزار اشرفیاں بھی عطا کیں پھر کہا ہے خلیفہ موصوف کے بھائی خلیفہ المعتصم باللہ نے "شربت حماضے" میں زہر ملوا کر غلام کے ہاتھ سے محمد مذکور کو پلوا دیا جس سے ہلاک ہو گئے دوسری روایت میں ہے کہ معتصم باللہ نے بھتیجی کو اپنے شوہر کے قتل کرنے پر راضی کر لیا انہی کے ہاتھ سے انگوروں میں زہر ملوا کر انھیں کھلوا دیئے لیکن ابن شہر آشوب کی جو روایت ملا صاحب نے آخر میں لکھی ہے وہ انتہائی سفلہ پن خباثت دکمینگی سے وضع کی گئی ہے یعنی شہزادی ام الفضل نے اپنے شوہر کے مار ڈالنے کی یہ انوکھی ترکیب کی جو کسی مجمی کے گندے دماغ کی تراشیدہ ہے یعنی "ہنگام مقاربت آں طونہ دستمال زہر آلودے با آنحضرت داد (صفحہ ۲۹) یعنی مقاربت کے وقت زہر سے آلودہ دستمال شوہر کو دیدیا جس سے جسم میں زہر پہنچ کر باعث ہلاکت کا ہوا۔ یہ ہے ادنیٰ نمونہ ان خرافات کا جس سے عباسیوں کی دشمنی وعناد کا ثبوت دیا گیا ہے۔ یہ علی الہادی یا علی النقی جیسا بعد میں شیعوں نے ملقب کیا خلافت عباسیہ کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے سامرہ میں اپنے ماموں خلیفہ المتوکل علی اللہ کی شفقت میں رہے اور پھر ان کے دونوں بیٹے حسن اور جعفر بھی وہیں رہے ان بزرگواروں میں سے کسی نے انقلابی جماعت سے کوئی واسطہ نہ رکھا تھا بعض علوی جو خروج و بغاوت کیے گرفتار ہوتے یا مارے جاتے لیکن عباسی اور علویوں کی خاندانی قرابتیں بدستور تھیں بلکہ اسی زمانہ میں ابو العباس عبد اللہ بن المعتز باللہ نے یہ تجویز کی تھی جیسا ان کے علوی دوست ابو الحسین محمد بن الحسن العلوی کا قول محمد بن یحییٰ الصولی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ کوئی طالبی سوائے عباسیہ کے شادی نہ کرے اور کوئی عباسی بغیر طالبیہ کے تاکہ دونوں گھرانے یک جان رہیں قال لا ادع طالبیا یتزوج بغیر عباسیۃ ولا عباسی بغیر طالبیۃ حتی یصیر واشیئا واحدا۔ (کتاب الاوراق الصولی صفحہ ۱۰۰)

لکھا ہے کہ:۔

وقد ثبت فی الصحاح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال لعن الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائہم مساجد یحذر ما فعلوا وقال قبل ان یموت بخمس ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انہاکم عن ذٰلک (رواہ مسلم) وقال اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائہم مساجد (رواہ مالک فی الموطا) منہاج السنۃ ج۱ ص۱۳۱)	صحاح میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا وہ جو فعل کرتے ہیں اس سے بچو اور پانچ دن قبل اپنی رحلت کے فرمایا تھا کہ تم سے پہلے لوگوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا دیکھو تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمھیں اس فعل سے منع کرتا ہوں (رواہ مسلم) اور فرمایا اور میری قبر کو بت نہ ہونے دینا کہ لوگ پوجیں اللہ کا شدید غضب اس قوم پر ہوگا جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیں۔ (رواہ مالک فی الموطا)

مولانا حالی نے آنحضورؐ کے ارشاد کو یوں ادا کیا ہے:۔

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[1]

شیخ الاسلام موصوف اسی سلسلے میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ متعدد بار ملک شام تشریف لے گئے تھے فتح بیت المقدس کے موقع پر اہل ذمہ کے جزیہ کے معاملہ میں پھر مقام سرغ تک لیکن ان میں سے کوئی صاحب ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کی زیارت کے لیے نہیں گئے۔ لم یکن احدھم یقصد السفر الی قبر الخلیل (ایضاً ص۱۳۲)۔ اور نہ اُن کی قبر پر کوئی قبہ بنا تھا اور نہ نبیوں کی قبروں کی زیارتیں عہد صحابہ وتابعین بلکہ اس

[1] یہ اشارہ آیت شریفہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ کی جانب۔

کے بعد کے زمانوں تک مشتہر کرنے کا پروپیگنڈا کیا گیا تھا۔

ملا باقر مجلسی نے اپنی اسی کتاب جلاء العیون میں حضرت حسینؓ کی مفروضہ قبر کے معجزات کے بارے میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا ہے "ان معجزوں اور کرامتوں کے بیان میں جو مرقد مطہر و تربت آنحضرت کے قریب ظاہر ہوئے" اور اس کے تحت فلسکیپ سائز کے پورے چھ صفحے بعید از قیاس خرافات، لچر و پوچ کہانیوں اور من گھڑت افسانوں سے یہ ظاہر کرنے کے لئے سیاہ کر ڈالے ہیں کہ میدانِ کربلا کی اور تو سب زمین کو ہل چلا کر مزروعہ کر لیا گیا تھا مگر حضرت موصوف کی کرامتوں کی بدولت قبر کی جگہ محفوظ رہی۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ فرشتے قبر کی حفاظت کرتے تھے۔ انبیائے کرام زیارت کے لئے آتے رہتے تھے چنانچہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰؑ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں زیارت کی غرض سے آئے تھے جس کی وجہ سے ایک غریب زائر کو موقع زیارت بمشکل مل سکا تھا (ص۲۴۲) دوسری روایت میں جبرئیل و میکائیل کی ہمراہی میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مع گروہ ملائکہ بغرض زیارت قبر حسین پر تشریف لانا بیان کیا گیا ہے نیز حضرت علی و فاطمہؓ کے تشریف لانے اور زائرین کو بہشت کے داخلے کی پرچیاں تقسیم ہونے کی روایت بھی بیان کی گئی ہے چونکہ لوگوں کو خلیفہ نے زیارت کی ممانعت کرا دی تھی اس لئے ایک زائر کا قصہ بیان کر کے اس کے منہ سے ہی کہلوا دیا ہے کہ باوجود حکم امتناعی میں زیارت ہرگز ترک نہ کروں گا وہ کہتا ہے :۔

من زیارت آنحضرت و تعظیم او را ہرگز ترک نہ کنم زیرا کہ موضع کہ خلیل خدا و حبیب خدا و جبرائیل و میکائیل و ملائکہ مقربین قصد زیارت آں نمایند سزاوار است کہ مردم رغبت نمایند در زیارت و تعظیم آں۔
(جلاء العیون ص۲۵۰)

میں تو آں جناب کی زیارت اور تعظیم کو ہرگز ترک نہ کروں گا کیونکہ یہ تو وہ مقام عالی ہے کہ حضرت خلیل اللہ اور حضرت حبیب خدا (محمد مصطفیٰ) نیز جبرائیل و میکائیل اور ملائکہ مقربین اس کی زیارت کا قصد فرماتے ہیں اس لئے وہ سزاوار و مستحق ہے کہ لوگ رغبت زیارت اور تعظیم اس کے لئے ظاہر کریں۔

یہ باتیں تو ترغیب زیارت کی غرض سے کہی گئیں اب دو چار معجزے اور کرامتیں بھی سن لیجئے۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ ہل چلانے والا جب اپنے بیلوں کو تربت کی

جانب ہانکتا وہ ایسا اڑ کے کھڑے ہو جاتے کہ کتنا ہی تک تک کرتا آنکس مارتا وہ ٹس سے مس نہ ہوتے ڈنڈا مارتے مارتے اس کے ہاتھ سے ریزہ ریزہ ہو جاتا مگر ہل کے بیل ضریح مبارک کی جانب ایک قدم بھی نہ اٹھاتے۔ جتائی کرانے پر جو شخص مامور تھا اس کے منہ سے یہ فقرہ کہلوا دیا ہے "من عصا را بدست خود گرفتم و آنقدر گاؤ را زدم کہ ریزہ ریزہ شد وگام برنہ داشتند" حضرت کی قبر کے علی حالہ موجود ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ بیل بھی تعظیماً رک کر کھڑے ہو جاتے ایک قدم بھی اس جانب نہ اٹھاتے۔ ہل والا یا قسمت کا مارا کوئی مزدور تھکا ماندہ وہاں بیٹھ جاتا اس کے قرب میں رفع حاجت کر لیتا وہ اور اس کی سات پشت کوڑھی اور پاگل ہو جاتی۔ ملا صاحب فرماتے ہیں:۔

مردے نزدیک قبر آں حضرت حدثے کرد او و اہلبیت او دیوانہ شدند و بجذام و پیسی مبتلا گردیدند و تا امروز اولاد ایشاں بجذام و پیسی مبتلا یند۔
(ایضاً ص۲۵۲)

ایک شخص نے ان حضرات کی قبر کے نزدیک رفع حاجت کر لی تھی تو وہ اس کی زوجہ (اہلبیت) دونوں پاگل اور جذام و کوڑھ میں مبتلا ہو گئے اور آج تک ان کی اولاد جذام اور کوڑھ میں مبتلا چلی جاتی ہے۔

اسی طرح کی اور کرامتیں بیان ہوئی ہیں مگر وہ جو کہتے ہیں دروغ گورا حافظہ نہ باشد ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ قبر ہی زمین پر باقی نہ رہی تھی آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں معلق ہو گئی تھی۔ ملا صاحب سے یہ ماجرا سنئے فرماتے ہیں کہ:۔

چوں متوکل[1] حکم کرد کہ آب بقبر آنحضرت بہ بندند قبر را شخم کنند زید و بہلول مجنون[2] رفتند بصحرائے کربلا و دیدند کہ قبر درمیان زمین

جب متوکل[1] نے حکم دیا کہ ان حضرت کی قبر پر پانی چھوڑ دیا جائے اور اس پر ہل چلایا جائے اور اس پر ہل چلایا جائے زید اور بہلول

۱؎ یہاں امیر المومنین کی بدگوئی میں جو لفظ تحریر کیا تھا حذف کر دیا گیا۔

۲؎ بہلول دیوانہ کے متعلق ملا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ مذہباً شیعہ تھے مصلحت وقت سے تقیہ میں اظہار دیوانگی کا اس لئے کیا کرتے تھے کہ جو سچی بات ہو بلا خوف کہدیں دیوانگی کی وجہ سے کوئی معترض نہ ہو وہ مصر میں تھے اور انہدام قبر کی خبران کو مصر میں ملی تھی وہاں سے بادیدہ گریاں و دل بریاں کوفے آئے اور کوفے سے زید کو ساتھ لے کر کربلا گئے تھے۔ مصر میں خبر پہنچنے اور وہاں سے بہلول کو آنے اور کوفہ ہو کر کربلا پہنچنے میں کئی مہینے ضرور لگ گئے ہوں اس عرصے میں انہدام کے بعد جتائی بوائی بھی ہو گئی ہوگی۔ شاید اسی وجہ سے قبر ان حضرات نے زمین پر نہ پائی ہوا میں معلق دیکھی گویا زمین پر قبر کا وجود باقی نہ رہا تھا۔

وآسمان در ہوا ایستادہ است۔ (ایضاً ص۲۵۲) — دیوانہ صحرائے کربلا میں پہنچے دیکھا کہ قبر زمین اور آسمان کے درمیان ہوا میں کھڑی ہے۔

میدان کربلا کو سنہ ۲۳۲ھ میں مزروعہ کیا گیا تھا اس وقت سے سنہ ۳۶۰ھ تک کہ تقریباً سوا سو برس کی مدت ہوتی ہے اس میدان کے قبرستان میں منتقل کئے جانے کا ثبوت تاریخ سے نہیں ملتا۔ عضدالدولہ فنا خسرو دیلمی نے جیسا مؤلف نزہتہ القلوب نے بھی تصریح کی ہے۔ مشہد حسینی تعمیر کرایا تھا نجفی مشہد کی طرح کربلائی مشہد بھی بنی بویہ ہی کی یادگار ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں ان مشاہد کا صوبہ عراق میں قائم ہونا فروغ رفض کے لئے اکسیر ثابت ہوا ہے۔ عراقی مشاہد کے تقدس و عظمت کا شیعی دنیا میں وہی درجہ قرار پایا جو اسلامی دنیا میں حرمین شریفین کا رہا ہے۔ نجف اور کربلا کا زائر جس نوعیت سے مشہدی و نجفی و کربلائی کہلایا۔ ان کو شیعہ سوسائٹی میں جس احترام و محبت سے دیکھا گیا وہ مرتبہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ سے واپس آنے والے مسلمان حاجی کو اسلامی سوسائٹی نے آج تک نہیں دیا کیونکہ بہشت کا پروانہ اور مغفرت کا سرٹیفکٹ جیسا آپ پچھلے اوراق میں ملاحظہ کرچکے ہیں مشہدی نجفی و کربلائی زائر کو ملتے ہیں نہ کعبہ کے حاجی اور مدینۃ النبی کے زائر کو۔

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ بنی بویہ کے سیاسی اقتدار اور جارحانہ تشیع کی بدولت نہ صرف نجفی و کربلائی مشاہد شیوع اسلام کے چار سو برس بعد سے ترفض و تشیع کے مرکزی حیثیت سے ابھرے بلکہ اس فرقہ کے مذہبی لٹریچر کی ابتداء بھی اسی زمانہ سے ہوئی۔ عقیدۃ الشیعہ کے مؤلف لکھتے ہیں۔ تدوین احادیث الشیعہ فی ابتداء الامر علی زمن البویہیین ثم علی زمن الصفویین۔ یعنی کتب احادیث الشیعہ کے تدوین کی ابتداء بویہ کے زمانہ سے ہوئی پھر صفویوں کے عہد میں ہوئی۔ چنانچہ کتب احادیث شیعہ وغیرہ کے سب سے پہلے مؤلفین سب اسی عہد کے ہیں یعنی محمد بن یعقوب کلینی متوفی سنہ ۳۲۹ھ و ابوجعفر القمی متوفی سنہ ۳۸۱ھ جامع احادیث شیعہ و محمد بن علی بن حسین طوسی متوفی سنہ ۴۶۰ھ وغیرہم ان کی تالیفات سے قبل شیعہ مذہب کی کتابیں جداگانہ حیثیت سے نہ تھیں۔ یہ چار کتابیں ہی تو متقدمین علمائے شیعہ کی معتمد علیہا تھیں۔ الکافی و کتاب الاستبصار و کتاب تہذیب و کتاب من لا یحضرہ الفقیہ بنی بویہ کے عہد کی ہیں۔ شیخ صدوق کی تقریباً تین سو تصانیف بتائی جاتی ہیں گویا عہد بویہی میں شیعہ مذہبی لٹریچر مرتب و مدون ہوا کتاب نہج البلاغہ بھی بنی بویہ ہی کے زمانہ امیرالامرائی کا

شاہکار ہے جس کا مختصراً ذکر آگے آتا ہے۔

تصنیف نہج البلاغۃ مصنف اس کتاب کا صحیح طور سے یقین نہیں۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مؤلف نے ابوالحسن محمد بن حسین موسوی لقب الشریف الرضی متوفی ۴۰۶ھ کو جن کا مختصر تذکرہ پچھلے اوراق میں آیا ہے مصنف اس کتاب کا بتایا ہے۔ ان کی مصنفہ آٹھ کتابوں کی تفصیل ولہ من التصانیف پیش کرتے ہوئے تیسرے نمبر پر کتاب نہج البلاغہ کا نام لکھا ہے[1] بعض مورخین و مصنفین نے ان کے بڑے بھائی علی بن حسین موسوی لقب الشریف المرتضیٰ کو بھی اس کتاب کی تصنیف میں شریک بتایا ہے دوسرے مورخین مصنفین مثلاً مولفین وفیات الاعیان (ابن خلکان) وکشف الظنون نیز علامہ ابن کثیرؒ والذہبی نے شریف مرتضیٰ متوفی ۴۳۶ھ کو نہج البلاغہ کا مصنف کہا ہے شریف مرتضیٰ کو بھی اپنے چھوٹے بھائی کی طرح عربی ادبیات میں بلند پایہ حاصل تھا مذہباً بڑے غالی اور کٹر رافضی تھے۔ شیعہ مذہب کے اصول و فروع پر ان کی تصانیف بھی تھیں بقول علامہ ابن کثیرؒ ان کے کلام سے ابن جوزی نے وہ کلمات چھانٹ لئے تھے جو اجلۂ صحابہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ وغیرہم نیز امہات المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ و سیدہ حفصہؓ کی مذمت و تکفیر میں لکھے تھے انہی ابن جوزی کی روایت سے ابوالقاسم بن برہان کا واقعہ بھی علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں شریف مرتضیٰ کے آخر وقت میں ان کے پاس تھا دیوار کی جانب ٹکٹکی باندھے کہہ رہے تھے لوگ کہتے ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ والی ہوئے عدل و انصاف سے کام لیا لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے میں کہتا ہوں یہ دونوں اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے (نعوذ باللہ) فانا اقول ارتدا بعد ما اسلما (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۵۳) ابوالقاسم کا یہ بھی قول ہے کہ یہ الفاظ سنتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا ڈیوڑھی تک پہنچا تھا کہ گریہ و بکا کا شور سنا اسی وقت دم توڑ دیا تھا۔

بعض محققین کی تحقیق میں شریف الرضی او شریف المرتضیٰ ہی تنہا اس کتاب کے مصنف نہیں بلکہ چند فضلائے شیعہ کے مقالات کا مجموعہ ہے جسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ اور حضرت موصوف کے بعض کلمات کو مسخ کرکے اپنے مقالات میں شامل کر دیا ہے۔ علامہ الذہبی نے میزان

---

[1] سید مہدی بن سید نجف الرضوی شیعی مؤلف کتاب تذکرۃ العلما میں کہتے ہیں کہ کتاب نہج البلاغہ شریف الرضی کی تصنیف سے ہے۔

الاعتدال فی نقد الرجال میں شریف المرتضیٰ کا تعارف ان الفاظ سے کراتے ہوئے کہ علی بن الحسین العلوی الحسینی الشریف المرتضیٰ المتکلم الرافضی المعتزلی صاحب تصانیف" لکھا ہے کہ نہج البلاغۃ کتاب انھوں نے ہی وضع کی تھی۔ مضامین کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

من طالع کتابہ نہج البلاغۃ جزم بانہ مکذوب علی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ففیہ السب الصراح والحط علی السیدین ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما وفیہ من التناقض والاشیاء الرکیکۃ والعبارات التی من لہ معرفۃ بنفس القرشیین الصحابۃ وبنفس غیرہم ممن بعدہم من المتاخرین جزم بان اکثرہ باطل (ج ۲ ص ۲۲۳)

ان کی (شریف مرتضیٰ کی) کتاب نہج البلاغۃ کا جو کوئی مطالعہ کرے وہ یہ نتیجہ اخذ کیے بغیر نہ رہے گا کہ یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر کیونکہ اس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما جیسے معظمین کی صریح بدگوئی اور تنقیص ہے اور اس میں تناقض و رکیک باتیں اور عبارتیں ایسی ہیں کہ جس کو بھی قریشی صحابہ اور ان کے بعد کے متاخرین (یعنی تابعین وغیرہ) کے افکار و ذہنیت سے واقفیت ہوگی وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کتاب کا اکثر حصہ باطل ہے۔

صاحب منہاج السنۃ النبویہ نے نہج البلاغۃ پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

اکثر الخطب التی ینقلہا صاحب نہج البلاغۃ کذب علی علیؓ و علیؓ اجل واعلیٰ قدرا من ان یتکلم ولکن ہولاء وضعوا اکاذیب وظنوا انہا مدح فلاہی صدق ولاہی مدح۔ (ج ۴ ص ۱۵۹)

صاحب نہج البلاغۃ نے جو خطبے درج کیے ہیں وہ اکثر و بیشتر حضرت علیؓ پر بہتان ہیں اور حضرت علیؓ کی ذات اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس قسم کا کلام کر سکتے جو اس کتاب میں ہے لیکن ان لوگوں نے تو اکاذیب وضع کر ڈالے اور سمجھا کہ یہ ان کی (علیؓ کی) مدح ہے مگر نہ یہ باتیں سچی ہیں اور نہ مدح۔

خطبوں اور تقریروں کے علاوہ مراسلات اور اقوال و حکم کا بیشتر حصہ وضعی اور جعلی ہے خصوصاً حکم کے اقوال دوسروں کی جیب سے نکال کر اپنے ممدوح کی جیب میں ڈال دیے ہیں۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہماری دوسری کتاب میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے ... نہ لو عرض کر دیا ہے کہ بغداد کے روافض کی جماعت نے جو ... شریف الرضیٰ و شریف المرتضیٰ کو ... زر حاصل تھا۔ بنی بویہ کی

سرپرستی میں یہ کتاب تصنیف کی جو حقیقت اور اصلیت کے اعتبار سے جیسا ابھی عرض کیا گیا ایک مجموعہ ہے فصحائے روافض کے مقالات کا جن میں انھوں نے اپنے مخصوص عقائد وافکار اور خیالات کو حضرت علیؓ کی زبان سے ادا کرایا ہے تاکہ حضرت علیؓ سے منسوب ہو کر اعتبار کا درجہ حاصل ہو لیکن بہت سی اندرونی شہادتیں خطبات کی زبان، اسلوب بیان اور ایسے معرب الفاظ کو جو لغت میں مولدۃ کہلاتے ہیں اور تیسری چوتھی صدی ہجری میں کتب یونانی وغیرہ کے تراجم کی ضرورت سے وضع ہوئے تھے ایسی موجود ہیں جو بیّن اور مسکت ثبوت ہیں اس امر کا کہ یہ کتاب بنی بویہ کی امیر الامرائی کے زمانہ جو تھی پانچویں صدی کے درمیان تصنیف ہوئی تھی اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً کچھ اضافے ہوتے رہے البتہ جزو قلیل ان خطبات ومراسلات میں حضرت علیؓ کے فرمودات بھی شامل ہے جو دوسری کتب میں بھی پایا جاتا ہے لیکن بیشتر مواد اس کتاب کا محض وضعی ہے۔

بنی بویہ سے پہلے ایسی کوئی کتاب جس میں اکابر صحابہ وامہات المومنین کی بدگوئی کی گئی ہو منظر عام پر نہیں آسکتی تھی کیونکہ وہ زمانہ عباسی خلافت کی قوت کا زمانہ تھا آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ کے عہد میں صحابہ وامہات المومنین کی اسائت ادب کرنے والا عبرتناک سزا پائے بغیر نہیں بچ سکتا تھا۔

اس کتاب کے مصنفین شریف الرضی، شریف المرتضیٰ اور دوسرے غالی روافض کی سکونت بغداد کے محلے الکرخ میں تھی کتب تاریخ میں خاص کر علامہ ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ میں ان فسادات کے تذکرے ہیں جو تقریباً ہر سال بغداد میں محلہ الکرخ کے غالی رافضیوں کے جارحانہ طرز عمل سے ہوتے رہتے تھے بنی بویہ کی حمایت نے انھیں دلیر کر دیا تھا کہ وہ صحابہ کی علی الاعلان بدگوئی کریں حتی کہ مہیار دیلمی شاعر جو مجوسی تھا اور بقول الثقی شریف الرضی کے غلاموں میں سے تھا وہ بھی اپنے آقا کی طرح غالی تھا۔ سلک سبیل الرافضۃ (البدایۃ ج ۱۲ ص ۴۱) وہ بھی صحابہ کرام کی بدگوئی کرنے لگا ابو القاسم بن برہان نے اس پر اس سے کہا تھا مہیار! تم جہنم کے ایک کنارے سے ہٹ کر اسی کے دوسرے کنارے پر جا پہنچے کنت مجوسیا فاسلمت فصرت تسب الصحابۃ (ایضاً) یعنی تم مجوسی تھے اسلام لے آئے مگر پھر صحابہ کی بدگوئی کا ارتکاب کرنے لگے۔ یہ شریف الرضی ہی کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ یک نو مسلم بھی سب صحابہ کا ارتکاب کرنے لگا۔

غرضیکہ سب وشتم صحابہ کی اس فضا میں اور بنی بویہ کی حمایت کے بھروسہ پر یہ کتاب مرتب ومدون ہوئی جو ذہن غالی رفض کے دوسرے کاموں کی طرح بنی بویہ کے عہد کی یادگار رہے مگر اس کی شہرت زمانہ

تصنیف سے تقریباً دو صدی بعد اس وقت سے ہوئی جب آخری خلیفہ عباسی کے رافضی وزیر ابوطالب علقمی نے ابن ابی الحدید[1] سے شرح لکھوائی۔

فروغِ رفض کے کارنامے

المختصر رافضی امیر الامراء بنی بویہ کے زمانہ اقتدار میں جس کی مدت ان کے منصب امیر الامرائی کے خاتمہ تک جو ۴۴۷ھ میں ہوا تھا تقریباً ایک صدی سے قدرے زائد ہوتی ہے فروغِ رفض کے حسب ذیل کارنامے انجام پائے جن کی تفصیلات پچھلے اوراق میں پیش کی گئی ہیں:-

۱۔ ماتم حسین کی ابتداء ۳۵۲ھ میں۔

۲۔ عید غدیر کی ابتداء ۳۵۲ھ میں۔

۳۔ مشہد علی کی تعمیر ۳۶۹ھ میں۔

۴۔ مشہد حسین کی تعمیر ۳۷۰ھ میں۔

۵۔ تصنیف نہج البلاغۃ۔

۶۔ تدوین کتب مذہب شیعہ۔

۷۔ سبّ صحابہ بالاعلان۔

۸۔ اذان میں شیعوں کے مخصوص فقرات کا شمول۔

۹۔ ۳۶۱ھ میں عراقی حاجیوں کے قافلہ سالار اور امیر حج کے منصب پر ایک شیعہ کا تقرر۔

۱۰۔ لقب الشریف مصنف نہج البلاغۃ کو سرکاری طور سے عطا ہونا۔

الشریف بطور لقب خاندانی

بنی ہاشم کے ناموں کے ساتھ عباسی ہوں یا علوی و عقیلی و جعفری یا حارثی الشریف کا اطلاق اور استعمال خاندانی

---

[1] ابن ابی الحدید کا نام و سلسلہ نسب یہ ہے ابو حامد عبد الحمید بن ھبۃ اللہ بن محمد بن حسین بن ابی الحدید۔ مسلکاً معتزلی شیعہ ۵۸۶ھ میں بمقام المدائن پیدا ہوئے تھے۔ اپنے زمانہ کے مروجہ اکثر علوم میں تبحر حاصل کیا۔ پینتیسویں عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہ متوفی ۶۲۲ھ کے عہد میں دیوان الرسائل میں تقرر ہوا اور سینتیسویں خلیفہ المستنصر باللہ عباسی متوفی ۶۴۰ھ کے زمانہ میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر بفرمائش وزیر علقمی شرح لکھنے میں منہمک ہو گئے ۶۵۵ھ میں وفات ہوئی۔ بڑی جسیم شرح ہے جس کے بیس جز ہیں شارح نے مضامین کتاب کو طرح طرح کے سیاسی حالات بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کلام حضرت علی کا ہے۔ علقمی نے تکمیل کتاب پر ایک ہزار دینار طلائی اور بیش بہا تحائف و خلعت فاخرہ بطور انعام دیئے تھے۔ وہ وزیر تھا محسن کش و غدار و بد اندیش خداوند جس نے غلو رفض کے اندھے جذبے میں کفار سے ساز باز کر کے اسلامی خلافت اور مدینۃ الاسلام بغداد کو تباہ کر دیا تھا۔

لقب کے طور سے بنی بویہ کے زمانہ سے قبل بالفاظ دیگر چوتھی پانچویں صدی سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا قریشی اور غیر قریشی تمام قبائل کے افراد شریف و اشراف کہلاتے تھے۔ سب سے پہلے یہ لقب بہاء الدولہ نے ۳۸۸ھ میں مصنف نہج البلاغہ کو سرکاری طور سے عطا کیا تھا۔ چنانچہ یہ لقب نہ صرف ان کے نام کا جزو لاینفک ہو گیا بلکہ اہل خاندان اور دوسرے بنی ہاشم کے ناموں کے ساتھ بھی پانچویں صدی ہجری سے بطور لقب خاندانی استعمال ہونے لگا۔ تخصیص لقب کی حقیقت بھی صرف یہ ہے کہ ایک شیعہ حاکم نے فضائل ذاتی و مکتسبی کے اعتراف کے علاوہ حسن خدمات کے صلہ میں جو ترویج رفض و شیعیت کے سلسلہ میں بنی بویہ کی سرپرستی و حمایت میں مصنفین نہج البلاغہ نے انجام دی تھیں دیگر خطابات کے علاوہ اس عمومی لقب الشریف کو بھی باظہار علوئے حسب و نسب ان سے مخصوص کیا۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر ان حضرات ثلاثہ ابو احمد حسین موسوی اور ان کے دونوں نامور فرزندان شریف الرضی شریف المرتضیٰ کا تعارف مزید کرایا جائے۔

یہ ابو احمد حسین موسوی فرقہ امامیہ کے ساتویں امام جناب موسیٰ کی نسل سے تھے اس لئے موسوی[1] کہلاتے تھے۔ مولد و منشاء ان کا بصرہ تھا (عمدۃ الطالب ص ۱۹۰) بصرے میں ان کا خاندان چند پشت سے مسکن گزین تھا بصرہ و بغداد اور دوسرے مقامات پر جہاں کہیں اس خاندان کے لوگ آباد رہے اپنے جد اعلیٰ کے نام کی نسبت سے حسب تصریح شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب۔ "موسوی یا موسویون" ہی کہلاتے تھے (ص ۱۸۵ و ص ۱۹۹) چنانچہ اسی شہر بصرے میں جناب موسیٰ بن جعفر (الصادق) کا کچھ عرصہ قیام سیاسی نظر بند کی حیثیت سے رہا تھا۔ یہ امامیہ میں بزرگوار تھے جنہوں نے جناب زید بن علی بن الحسین رضی کے ناکام خروج سے تقریباً نصف صدی بعد سیاسیات وقتی میں علانیہ دلچسپی لی تھی۔ امیر المومنین محمد المہدی عباسیؒ کے زمانہ میں انہیں بغداد طلب کیا گیا تھا۔ لیکن بقول شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب (ص ۲۲۳) جب ان ہی کے بھتیجے محمد بن اسمٰعیل[2] بن جعفر (الصادقؒ) نے ان کی مخبری امیر المومنین ہارون الرشیدؒ سے ایک حج کے موقع پر کر دی اور

---

[1] ان کے زمانے بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد تک جناب موسیٰ کا مشہور لقب "الکاظم" اختراع نہیں ہوا تھا ورنہ وہ اور ان کے دوسرے اہل خاندان کاظمی کہلاتے نہ موسوی۔

[2] شیعہ مؤلف نے صراحتاً لکھا ہے کان محمد بن اسمٰعیل بن الصادق مع عمہ موسیٰ الکاظم یکتب لہ فی السر الی شیعتہ فی الآفاق (ص ۲۲۳) یعنی محمد بن اسمٰعیل بن الصادق اپنے چچا موسیٰ الکاظم کے خطوط و مراسلات لکھا کرتے تھے جو وہ خفیہ طور سے ہر جگہ کے اپنے شیعوں سے کرتے رہتے تھے۔

ان کی خفیہ مراسلت اور خط و کتابت کے وہ سب راز ظاہر کر دیئے جو وہ اپنے سیاسی طرفداروں سے کیا کرتے تھے خلیفہ موصوف سفر حجاز کی واپسی میں انھیں اپنے ساتھ لیتے گئے اور گورنر بصرہ عیسیٰ بن جعفر عباسی کی نگرانی میں رہنے کا حکم دیدیا تاکہ ان کے طرفداروں سے کوئی رابطہ ان کا انقلاب حکومت کے کسی اقدام کے سلسلہ میں قایم نہ ہو سکے پھر کچھ عرصہ بعد اسی مقصد سے بغداد میں نظر بند رکھا گیا وقت وفات پچپن برس کی عمر تھی ساٹھ اولادیں تھیں۔ ۳۷ بیٹیاں اور ۲۳ بیٹے ان ۲۳ بیٹوں میں پانچ لاولد تھے تین کے اولاد ذکور نہ تھی اور دوسرے پانچ بھی منقرض رہے۔ صرف دس بیٹوں سے نسل چلی، اس نسل میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا جذبہ متوارث رہا جناب موسیٰؑ کے متعدد فرزندوں نے سیاسی خروجوں اور بغاوتوں میں عملاً حصہ لیا تھا۔ ان میں ایک زید النار بن موسیٰؑ تھے جنھوں نے بصرے پر چند روزہ تسلط کے ایام میں بقول شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب عباسیوں کے مکانات باغات اور ان کے کل اسباب و متاع کو جلوا ڈالا تھا اسی لئے زید النار کہلائے گرفتار ہو کر خلیفہ مامون الرشید کے حضور میں پیش ہوئے انھوں نے اپنے ولیعہد دلداد اور ان کے بھائی جناب علی الرضا کے پاس بھیج دیا مگر ان کو زید النار کی حرکات سے اتنی ناگواری ہوئی کہ مدت العمر ان سے کلمہ کلام نہ کیا (ص۲۱) دوسرے ابراہیم بن موسیٰؑ تھے جو سفاکانہ قتل و غارت گری کی وجہ سے الجزار (قصاب) کہلائے ہیں۔

يقال له الجزار لكثرة قتل من اهل يمن واخذ اموالهم۔ (البداية والنهاية ج صـ۲۹۶)	ان کو (ابراہیم بن موسیٰ کو) بوجہ اہل یمن کو کثرت سے قتل کرنے اور ان کے اموال لوٹ لینے سے قصاب کہتے تھے۔

یہ واقعہ ۱۹۹ھ کا ہے جب ابو السرایا ایک مفسد لیڈر نے بصرے میں فوجی جمعیت اکٹھی کر کے ابن ابراہیم کو یمن بھیجا تھا علامہ شبلیؒ نے خلیفہ مامون الرشیدؒ کے عہد کی ان بغاوتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علوی حضرات نے اپنے چند روزہ حکومت میں جو جو ظلم اور زیادتیاں کیں ان کے بیان کو ایک دفتر چاہیئے زید فرزند موسیٰ (الکاظم) نے بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی سیکڑوں خاندان تباہ کر ڈالے عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلا دیئے حسین بن الحسن نے کعبہ معظمہ کا دفینی خزانہ لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر (الصادق) کی حکومت میں جو چند روز کے لیئے عرب کے فرمانروا بن گئے تھے۔ علویین و آل فاطمہ کا وہ زور ہوگیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اٹھا دیا گیا۔ ابراہیم بن موسیٰ [illegible] کے [illegible] و

غارت گری کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے مامون (الرشید) نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے لڑے اور شکست کھائی بعض گرفتار ہو کر مامون (الرشید) کے پاس حاضر کیے گئے مگر انھوں نے نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا (المامونی)

ان ہی ابراہیم الجزار کی اولاد میں تین واسطوں سے ابو احمد حسین والد شریف الرضی و شریف المرتضیٰ تھے بایں طریق ابو احمد حسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم الجزار بن موسیٰ (الکاظم) یہ تین بھائی تھے ابو احمد حسین و ابیطالب محسن اور ابو عبداللہ احمد۔ بنی بویہ کے شروع زمانہ امیر الامرائی میں بصرے کی سکونت چھوڑ کر یہ خاندان بغداد میں مسکن گزیں ہوا۔ ابو احمد حسین میں بقول شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب خاندانی عصبیت کا مادہ بہت تھا۔ کان متشدید العصبیۃ (ص۱۹۰) چنانچہ معز الدولہ بن بویہ دیلمی نے ۳۵۴ھ میں انھیں طالبی خاندان کا نقیب (مقرر کیا) اس وقت تک طالبیوں اور عباسیوں کے جداگانہ نقیب نہیں ہوتے تھے یہ تفریق ان ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ نقابت کے علاوہ عراقی حاجیوں کے قافلہ سالار کا اور امیر حج کا منصب بھی دیا گیا۔ جو ان کے بعد ان کے بیٹوں کو بھی ملا۔ عضد الدولہ نے کسی الزام سے انھیں برطرف کر دیا تھا لیکن بہاء الدولہ نے بحال کیا۔ بہاء الدولہ کے یہاں انھیں تقرب حاصل تھا ۳۸۳ھ میں جب امیر المومنین القادر باللہ عباسی نے بہاء الدولہ کی دختر سکینہ کو حبالۂ عقد میں لیا یہی ابو احمد حسین موسوی بہاء الدولہ کے وکیل تھے ۳۹۴ھ میں لقب الطاہر ذوالمناقب بھی انھیں عطا ہوئے اور قاضی القضاۃ کے عہدے پر تقرر کرنا چاہا مگر امیر المومنین نے منظور نہ کیا۔

ولاہ بہاء الدولۃ قضاء القضاۃ مضافاً الی النقابۃ فلم یمکنہ القادر باللہ۔ (عمدۃ الطالب ص۱۹۰)	بہاء الدولہ نے ان کو نقابت کے علاوہ قاضی القضاۃ مقرر کیا مگر (خلیفہ) القادر باللہ نے منظوری نہ دی۔

۴۰۰ھ میں بعمر ۹۷ سال فوت ہوئے۔ شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ اپنے گھر کے اندر دفن ہوئے پھر ان کی میت کو مشہد حسین میں منتقل کر دیا گیا۔ فدفن ھناک قریباً من قبر الحسین (ص۱۹۱) یعنی وہاں قبر حسین کے پاس ہی دفن ہوئے۔ گویا اس وقت تک قبر حسین کے پاس اہل خاندان میں سے کسی اور کی تدفین نہیں ہوئی تھی۔ یہی سب سے پہلے ان کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔ غرضیکہ شریف الرضی و شریف المرتضیٰ کے والد ابو احمد حسین موسوی کا خطاب و لقب الطاہر ذوالمناقب تھا الشریف سے ملقب نہ تھے۔ کتاب

انساب الاشراف بلاذری کے مشہور مقالہ "الاشراف" میں مقالہ نگار لکھتے ہیں:۔

ان الحسين بن موسى بن محمد وهو والد الشريف الرضي والشريف المرتضى وكان من (۳۰۷ــ۴۰۰ھ) لم يطلق عليه لقب الشريف وكل ما لقبوه به هو الطاهر ذو المناقب۔

حسین بن موسیٰ بن محمد پر جو شریف المرتضیٰ و شریف الرضی کے والد تھے اور جن کا زمانہ (۳۰۷ــ۴۰۰ھ) کا تھا لقب الشریف کا اطلاق نہ ہوتا تھا وہ جس لقب سے ملقب تھے وہ صرف "الطاہر ذو المناقب" ہی تھا۔

جیسا سابقاً بیان ہوا شریف و اشراف الفاظ بلا تخصیص سب ہی قبائل عرب کے افراد کے لیے مستعمل تھے طبقات السبکی میں حضرت عمر الفاروقؓ کی ذریت میں سے ایک صاحب کے تذکرہ میں الشریف العمری کہا گیا ہے اسی طرح خود ہاشمی خاندان کے افراد کے ذکر میں شریف و اشراف الفاظ عام معنی ہی میں مستعمل تھے نہ بطور مخصوص خاندانی لقب کے مؤلف سیرۃ الحلبیہ جناب علی السجاد بن عبد اللہ بن عباسؓ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

ورأيت عليا هذا أحد الخلفاء العباسيين كان على غاية من العبادة والزهادة والعلم والعمل وحسن الشكل حتى قيل انه كان اجمل شريف على وجه الارض وكان يصلي في كل ليلة الف ركعة ولذلك كان يدعى السجاد (مطبوعہ مصر ص۳)

اور ان علی کو جو خلفائے عباسی کے جد تھے دیکھا گیا کہ وہ عبادت و زہد و علم و عمل اور حسن شکل میں غایت درجہ کے تھے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ وہ دنیا کے پردے پر سب سے زیادہ خوبصورت "اشریف" تھے رات بھر میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے اور اس وجہ سے السجاد کہلاتے تھے۔

مندرجہ بالا اقتباس میں شریف سے مراد ایک معزز قریشی ہاشمی سے ہے اور یہی لفظ شریف و اشراف بلاذری المدائنی و ابن عبدہ کی تالیفات میں ان قبائل عرب کے افراد کے لئے بکثرت مستعمل ہوئے ہیں جو قریشی بھی نہ تھے مثلاً کتاب انساب الاشراف بلاذری میں بنی عوف بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم بن مرہ بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر کے ایک شخص کا واقعہ بیان ہوا جو قریش کے کسی بھی قبیلے سے نہ تھا محض عرب تھا اسے بھی شریف کہا گیا ہے چونکہ وہ اپنے قبیلہ کا معزز شخص تھا حضرت عمرؓ نے اس کے لئے بھی دیگر اشراف کے ساتھ ڈھائی ہزار رقم وظیفہ مقرر کی تھی۔ انساب الاشراف کی عبارت ہے:۔

فقال لہ عتاب بن علاق احد بنی عوفۃ بن سعد وکان شریفاً...... وکان عمر بن الخطاب فرض لعتاب ھذا مع الاشراف فی الفین وخمسانۃ (کتاب انساب الاشراف بلاذری ج ۱ ص ۲۲)

عتاب بن علاق نے جو بنی عوذ بن سعد کے ایک فرد تھے اور شریف تھے ان سے کہا..... حضرت عمر بن الخطاب نے ان عتاب کے لئے بھی دوسرے اشراف کے ساتھ ڈھائی ہزار کا وظیفہ مقرر کیا۔

قبائل عرب کے سربرآوردہ اشخاص اور سرداروں کو رقوم وظائف کے علاوہ پارچات خلعت بھی عطا ہوتے تھے ایسے سب اشخاص اشراف کہلاتے تھے خواہ نسباً عرب کے کسی قبیلے سے ہوں بحالیکہ بیت المال سے انہیں دو ڈھائی ہزار کا وظیفہ ملتا ہو چنانچہ بلاذری نے ایک معرکہ میں ایسے اشراف کے مقتول ہوجانے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وقتل الضحاک معہ من الاشراف ثمانون کلھم یاخذ القطیفۃ کان لکل منھم فی العطا الفان وقطیفۃ یعطونہا مع عطائھم۔ (مقالہ الاشراف ج ص ۲۲)

ضحاک قتل ہوئے اور ان کے ساتھ اسّی اشراف بھی قتل ہوئے ان میں سے ہر ایک کو پارچات خلعت عطا ہوتے اور ہر ایک کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا۔ وظیفے کے ساتھ پارچات خلعت بھی عطا ہوتے تھے۔

تصریحات بالا سے بخوبی ثابت ہے کہ شریف و اشراف کسی خاص خاندان سے مخصوص نہ تھے۔ ذاتی و خاندانی لقب کے طور سے مخصوص کرنے کی بدعت بہاء الدولہ بویہی کے زمانہ سے بغداد میں شروع ہوئی اپنے امام مفخم کے پوتوں پر پوتوں اور دوسرے حسینی نسب اشخاص کو اس نے مختلف مناصب وخطاب اور عطیات دئے۔ ابو احمد حسین موسوی کی اولاد میں صرف دو بیٹے تھے۔[۱] بڑے علی تھے اور چھوٹے محمد۔ علی کو ۳۹۸ھ میں "المرتضیٰ ذالمجدین" خطاب دیا اور محمد کو "الرضی ذی الحسبین" پھر پانچ سال بعد ۴۰۳ھ میں لقب الشریف سرکاری طور سے عطا کیا گیا[۲] چنانچہ اسی لقب سے

---

[۱] شریف المرتضیٰ و شریف الرضی کی والدہ فاطمہ بنت حسن الناصر تھیں اور یہ حسن الناصر چھ واسطوں سے عمر بن علی بن شریف (زین العابدین) کی نسل سے تھے۔

[۲] بویہی خاندان کے حمد دانشا میں بنی بویہ کے متوسل رہے۔ ابو احمد حسین موسوی کے بنو عم میں احمد ابو طالب بن علی بن محمد تھے جو بہاء الدولہ کے ندیم تھے اور ان کے بڑے بھائی محسن کی اولاد میں ابراہیم بن حسن بن علی بن حسن مذکور کو بہاء الدولہ کے فرزند شرف الدولہ نے جس سے تقرب حاصل تھا نقابت الطالبین کا ... دیا تھا۔ شریف المرتضیٰ کی نسل تو ایک دو پشت کے بعد منقطع ہوگئی شریف المرتضیٰ کے داواخر بغداد (... صفحہ ۱۴۹ ایضاً)

ملقب ہو کر یہ دونوں بھائی اپنے ناموں کے بجائے الشریف المرتضیٰ و الشریف الرضی ہی کہلانے لگے۔ اسی بدعت کی تقلید میں دوسرے عباسی اور ہاشمی فضلا اور شعراء کے ناموں کے ساتھ الشریف کا رواج اسی پانچویں صدی سے شروع ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ اپنے مقالہ "الاشراف" میں لکھتے ہیں کہ:۔

ولقد جاء فی کتب التراجم من لُقِّب من العباسیین بالشریف فمن ذلك الشریف البیاضی[1] مسعود بن عبدالعزیز او ابن الحسین (توفی سنة ۴۶۸ھ) و ابن الهباریة[2] محمد بن محمد بن صالح (توفی سنة ۵۰۴ھ) کان یلقب بالشریف العباسی وهذان ینتهی نسبهما الی عبد الله بن العباس (ص۲۰)

کتب تذکرہ میں ان عباسیوں کا تذکرہ ملتا ہے جو لقب الشریف سے ملقب تھے ان میں سے الشریف البیاضی مسعود و عبدالعزیز یا ابن الحسین متوفی ۴۶۸ھ اور ابن الهباریة محمد بن محمد بن صالح متوفی ۵۰۴ھ تھے یہ حضرات الشریف العباسی سے ملقب تھے اور ان کا سلسلہ حضرت عبد اللہ بن العباس رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں جو دو مثالیں عباسی شعراء و فضلا کے ناموں کی پیش کی ہیں۔ کتب تراجم و تذکرہ اور تاریخ میں عباسی علماء و فقہاء و صلحاء و مصنفین وغیرہ کے اسما کی بکثرت مثالیں ملتی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۸ کا) کے علویوں میں سب سے زیادہ متمول تھے اور بقول شیعہ مؤلف عمدة الطالب کان سبب الفتنة بین العلویین والعباسیین (ص۲۶۹) یعنی علویوں اور عباسیوں کے مابین دینی فتنہ برپا ہونے کے باعث تھے۔

[1] صاحب وفیات (ابن خلکان) کہتے ہیں کہ وہ متاخرین شعرائے عرب کے بلند پایہ شاعر تھے ان کے دیوان کے شروع میں ان کا نام و نسب اس طرح تحریر ہے "الشریف ابو جعفر مسعود بن المحسن بن عبدالوہاب بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبیداللہ بن العباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم القرشی الہاشمی"

[2] ان کے بارے میں بھی ابن خلکان کہتے ہیں کہ مشہور شاعر تھے نام و نسب ان کا یوں لکھا ہے۔ الشریف ابو یعلیٰ محمد بن محمد بن صالح بن حمزہ بن عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب معروف بابن الہباریہ ملقب نظام الدین البغدادی ان کے اجداد میں محمد بن عیسیٰ متوفی ۲۶۹ھ سفید لباس پہنکر دربار خلافت میں چلے آئے تھے لوگ البیاضی کہنے لگے۔ صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ ان کا دیوان شعر بہت ضخیم ہے چار جلد در ہشتی وفات ان کی کرمان میں ہوئی تھی۔ ان کی ایک تصنیف فلک المعانی بھی تھی۔ قبیلہ ہباریہ کی خاتون کے بطن سے تھے اس لئے ابن الہباریہ کہلائے تھے۔

ہیں جو سب پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد کی ہیں۔ علامہ ذہبی کے علاوہ علامہ ابن کثیرؒ کی مبسوط تاریخ میں بھی عباسی اکابر کے تذکرے ہیں۔ شرافت کا استعمال پانچویں صدی ہجری کے واقعات کے ضمن میں ہی ملتا ہے اس سے پہلے نہیں مثلاً ۴۷۰ھ کے کوائف میں لکھتے ہیں کہ:۔

الشریف ابوجعفر عبدالخالق بن ابی موسیٰ عیسیٰ بن احمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن العباس عبدالمطلب کی وفات ہوئی جو الشریف ابوجعفر الحنبلی العباسی سے معروف تھے ان کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

کان احد الفقہاء العلماء العباد الزھاد المشہورین بالدیانۃ والفضل و العبادۃ والقیام فی اللہ بالامر بالمعروف والنھی عن المنکر لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم الیٰ آخرہ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۱۱۹)

وہ ان عابد و زاہد علماء و فقہا میں سے تھے جو دیانت و فضل اور عبادت میں اور نیک باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے کا اللہ واسطے کام کرنے میں مشہور رہے اور اللہ کے کام میں بدگویوں کی بدگوئی کا لحاظ نہیں کرتے۔

ان کے بنی عم الشریف عماد الدین العباسی تھے جن کے متعلق خطیب بغدادی لکھتے ہیں "کان اماماً عالماً بالفروع" مدرسہ شریفیہ میں مدت تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد سے ہاشمی خاندان کی ان دونوں شاخوں علویوں اور عباسیوں کے ناموں کے ساتھ الشریف بطور لقب خاندانی بالعموم مستعمل ہونے لگا تھا۔ نیشاپور کے دارالعلوم نظامیہ میں مشہور شافعی فقیہ شرف شاہ عباسی متوفی ۵۳۴ھ استاذ تھے اور اعلیٰ پایہ مصنف بھی شافعی مسلک پر ان کی مشہور تصنیف بھی ہے۔ وہ الشریف شرف شاہ عباسی کہلاتے تھے۔ اس زمانہ کے پانسو سال بعد حجاز و عرب سے باہر بھی ہاشمی افراد کے لئے یہ لقب مستعمل تھا الشریف محمد بن عبدالغنی عباسی متوفی ۱۰۲۰ھ جنھوں نے کتاب رشحات عین الحیات کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا مقام ازمیر کے قاضی تھے وہ الشریف سے ملقب تھے (کشف الظنون ج ۱ ص ۸۵۹) یہ چند مثالیں تو عباسی علماء و فضلاء کے اسماء کی پیش ہوئیں جعفری و عقیلی اشخاص بھی پانچویں صدی ہجری سے الشریف لقب سے ملقب ہوئے اس سے قبل کبھی نہیں لہٰذا علامہ سیوطی کا یہ قول حقیقت سے قطعاً بعید ہے کہ لقب شریف کا · طلاق صدر اوّل میں با الفاظ دیگر پہلی صدی ہجری میں ہاشمی خاندان کے افراد

پر ہوتا تھا خواہ عباسی ہوں یا جعفری و عقیلی حسنی و حسینی ہوں یا دیگر اولاد علیؓ بن ابی طالب سے ہوں۔ گذشتہ اوراق میں جو تصریحات پیش کی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے قارئین کو واضح ہوگا کہ شریف، والشریف لقب جو قریش و دیگر قبائل عرب کے سب ہی ممتاز افراد کے لیئے بالعموم مستعمل ہوتا رہا، صرف ہاشمیوں سے اس کے مخصوص و مختص کیئے جانے کی بدعت رافضی امیر الامراء بغداد یعنی بنی بویہ کے زمانے سے شروع ہوئی اور فروغ رفض و شیعیت کی پیدا کردہ تفاخر خاندانی کی اس فضا میں شروع ہوئی جس کے تفصیلی حالات آپ ابھی پڑھ چکے ہیں ان سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ جاہلی عرب جو نسبی فخر کے خوگر تھے لیتے اپنے قبیلے سے انتساب ہی کو باعث صد ناز و افتخار سمجھتے تھے اسلام نے نسب کے فخر و مباہات کو مٹا دیا تھا۔ عہد رسالت میں تقویٰ نے تفاخر باباء و حمیۃ جاہلیہ کی جگہ لے لی تھی عہد صدیقی و فاروقی و عثمانی میں بھی حالت قائم رہی اس کے بعد سے سیاسی کشمکش کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت لحمی و قرابت نسبی کی باتیں ہونے لگیں اور اسی کو قربت روحانی کے بجائے وجہ امتیاز بتایا جانے لگا خصوصاً اس وقت سے جب حضرت علیؓ کو اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت حسینؓ کو اپنے شیعوں کے سیاسی موقف کی بدولت ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا پھر ان کے پوتے پر پوتے جناب زید اور یحییٰ بن زید مذکور کے خروجوں اور بغاوتوں کے نتائج بد سے بنی ہاشم کے سیاسی وقار کو صدمہ پہنچا تھا اس کی تلافی کے طور سے شیعان بنی ہاشم نے اپنے سیاسی حریفوں کی مذمت و منقصت میں اور اپنے فریق کی نسبی و حسبی برتری اور امامت کی دینی و دنیاوی قیادت پر منجانب اللہ ان کے حق و استحقاق کے بارے میں صدہا حدیثیں وضع کیں حتیٰ کہ عباسی خلافت کے قائم ہونے کے متعلق مشرق سے کالے جھنڈوں کے ساتھ لشکروں کے آنے کی پیش گوئیاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی گئیں جن کا ذکر آگے آنا ہے۔ عباسی خلافت کے قائم ہونے کے بعد سے ہاشمی خاندان کے تفوق و برتری کے سلسلے میں شریعت سے ہی مدد لی گئی " نقابۃ الہاشمیین" کا محکمہ و ادارہ قائم ہوا جس کا مختصر ذکر اس موقع پر ضروری ہے۔

نقیب بنی ہاشم اموی عہد خلافت میں تقسیم وظائف و ارزاق کا یہ دستور تھا کہ قریش و انصار وغیرہ کے معزز و سربرآوردہ شخص کے ذریعہ جسے "عریف" یعنی مکھیا کہتے تھے یہ رقوم و ارزاق تقسیم کیئے جاتے تھے۔ عریف اپنے قبیلہ و خاندان کے ان سب حالات سے کما حقہ واقف ہوتا تھا۔ کون حیات ہے کون فوت ہو گیا' کون موجود ہے

اور کون غائب۔ فکان لکل قبیلۃ عریفٌ یأخذ اعطیتھم ویدفعھا الیھم (کتاب نسب قریش صـ۱۵۴) یعنی ہر قبیلہ کا عریف (مکھیا) ہوتا تھا جو ان کے عطیات وصول کرتا اور انھیں پہنچا دیتا

عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں یہی دستور قایم رہا بنی ہاشم کو بھی دوسرے قریشی و انصاری خاندانوں کی طرح بغیر کسی ترجیح کے وظائف دئے جاتے تھے امیر المومنین ابوالعباس عبداللہ السفاحؒ۔ اول خلفاء بنی العباس کے ابتدائے عہد خلافت کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ کے پوتے عبداللہ بن حسن مثنیٰ قرآن شریف بغل میں دبا کر دربار خلیفہ میں ایسے وقت پہنچے کہ اکابر بنی ہاشم و اعیان مملکت موجود تھے اور پہنچتے ہی کہنے لگے:۔

یا امیر المومنین! اعطنا حقنا الذی جعلہ اللہ لنا فی ھذا المصحف	اے امیر المومنین! ہمیں ہمارا وہ حق دلوائیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مصحف میں ہمیں دیا ہے۔

عبداللہ بن حسن مثنیٰ کا اشارہ سہم ذوی القربیٰ یعنی خمس کے متعلق تھا جس کے بارے میں گزشتہ اوراق میں گفتگو آچکی ہے حضرت علیؓ نے بھی اپنے ایام میں بنی ہاشم کو خمس نہیں دیا تھا خلفائے ثلاثہ کے طرز عمل کا اتباع کیا تھا اور یہی مسلک پہلے تین عباسی خلفا کا بھی رہا چنانچہ امیر المومنین عبداللہ السفاحؒ نے عبداللہ مذکور کے سوال کا برجستہ جواب دیا:۔

ان جدک علیًا کان خیرًا منی واعدل وقد ولی ھذا الامر فاعطی جدیک الحسن والحسین وکانا خیرًا منک شیئًا قد اعطیتکہ وزدتک علیہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۱۰ صـ۵۱)	تمھارے جد بزرگ حضرت علیؓ نے جو مجھ سے بہتر اور زیادہ عدل کرنے والے تھے جب وہ خلافت پر فائز ہوئے تو کیا انھوں نے تمہارے دادا حسن اور حسین کو جو تم سے زیادہ بہتر تھے اس سے کچھ زیادہ عطا کیا تھا جو تمھیں دیا جاتا ہے۔

لہ بعض اوقات مفقود الخبر یا مردہ لوگوں کے وظائف وارزاق بھی یہ مکھیا وصول کر لیتے تھے اس کے سدباب کے لئے امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے جب عاصم بن ہاشم بن ولید بن عتبہؓ کو اہل مدینہ کے وظائف وارزاق تقسیم کرنے بھیجا۔ ہدایت کی تھی کہ اپنے ہاتھ سے مستحقین کو دیں اور تحقیق کر لیں کون زندہ ہے کون مرگیا بعض کو یہ تحقیقات ناگوار ہوئی۔ حضرت حسینؓ وعبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے عاصم سے پوچھا کیسے تقسیم کروگے انھوں نے بتایا امیر المومنین کا حکم ہے کہ غائب کے بجائے حاضر کو دوں اور مردہ کے بجائے زندہ کو اور سب کو اپنے ہاتھ سے دوں اس پر ان حضرات نے دریافت کیا ہم آپ کو بھی اسی طرح دوگے جواب اثبات میں پاکر حضرات برافروختہ ہوگئے بعض لوگوں نے عاصم پر حملہ کیا وہ جان بچانے کو بنی امیہ کے گھروں میں جا چھپے حضرت حسینؓ وابن الزبیرؓ نے یہ رقوم اپنے ہاتھ سے تقسیم کردیں۔ (ایضاً صـ۱۵۴)

عبداللہ اس جواب پر شپٹا کر رہ گئے کچھ نہ کہہ سکے۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصورؒ کے زمانے میں بھی تقسیم وظائف میں بنی ہاشم کے ساتھ نہ امتیازی سلوک برتا جاتا تھا اور نہ ان کو دوسروں پر خاص فوقیت تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اسمٰعیل البہری کی زبانی یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ امیرالمومنین ابوجعفر المنصورؒ نے عرفہ کے دن اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں تم لوگوں پر سیاست کرتا ہوں، اس کے مال پر اس کا خزانچی ہوں اور اسی کے حکم کے مطابق وظائف وارزاق تقسیم کرتا ہوں پھر لوگوں سے کہا:-

فارغبوا ايها الناس! بسلونی في هذا اليوم الشريف الذي وهبكم فيه من فضله ما اعلمكم به في كتابه اذ يقول ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾۔ ان يوفقني للصواب ويسددني للرشاد ويلهمني الرافة بكم والاحسان اليكم و يفتحني اعطياتكم وقسم ارزاقكم بالعدل فانه سميع مجيب۔
(البداية والنهاية ج ص۱۲۳)

لہٰذا اے لوگو! آج۔ اس مبارک دن (یوم عرفہ) میں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ شرف تمہیں عطا کیا جیسا اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرمایا ہے کہ "آج کے دن ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے پسند کیا کہ دین (تمہارا) اسلام ہو (تو اے لوگو!) تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں ملتجی ہو کہ مجھے سیدھا چلائے اور ہدایت نیک کی توفیق دے اور تمہارے ساتھ رافت و مہربانی کرنے کا خیال میرے دل میں جمائے اور تمہارے عطیات و ارزاق عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے کا خوگر بنائے کیونکہ وہ ہی سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

چنانچہ امیرالمومنین موصوف بھی تقسیم وظائف و ارزاق میں خلفائے راشدین ہی کے طرزِ عمل کے متبع رہے بنی ہاشم کو خمس کے اموال میں ترجیح نہ دی۔ ادنیٰ ادنیٰ شخص کے معاملے میں عدل و انصاف سے تجاوز نہ کرتے[1] خطیب بغدادی ان کے ترجمے میں کہتے ہیں:-

---

[1] مشہور مورخ جسٹس امیر علی بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ خلیفہ المنصورؒ نے اپنے عمل سے اپنی رعایا کے لئے یہ روشن مثال قائم کی کہ عدلیہ کے انصاف کے جو حکم دینے کی مجاز ہوں پوری پوری اطاعت کی جائے۔ چند ساربانوں نے جن کے اونٹ خلیفہ نے کرایہ پر لئے تھے جب مدینہ کے قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور قاضی نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۴ پر)

وکان فیہ عدل ولہ حظ من صلاۃ وعلم وفقہ توفی محرماً علی باب مکۃ (تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۰ صفحہ ۲۹) یعنی ابوجعفر المنصورؒ عدل گستر عابد و عالم و فقیہ تھے مکہ پہنچتے پہنچتے احرام باندھے وفات پائی۔ ان کے فرزند و جانشین امیر المومنین محمد المہدی نے باوجود یکہ کبھی کرور[له]

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۵۳ کا) خلیفہ کو جوابدہی کے لئے طلب کیا وہ بذات خود عدالت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ صرف ان کے امور خانگی کا مہتمم تھا ایک عام فریق مقدمہ کی حیثیت سے حاکم عدالت کے سامنے کھڑے رہے قاضی صاحب بھی بادشاہ کی تعظیم کو اپنی جگہ سے نہ اٹھے مقدمہ مدعیان کے حق میں فیصل ہو گیا۔ خلیفہ نے قاضی کے تدین اور آزادی رائے کے اعتراف میں گرانبہا عطیہ سے ان کو نوازا (ہسٹری آف سیریسنز)

[له] علامہ ابن خلدون مقدمہ میں امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ کی فضیلت علمیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ابوجعفر المنصورؒ کا جو درجہ اور مرتبہ علم و دین میں قبل خلافت اور اس کے بعد تھا معلوم ہے انھوں نے ہی امام مالکؒ کو کتاب حدیث "الموطا" کی تدوین کے لئے لکھا تھا یا اباعبداللہ! انہ لم یبق علی وجہ الارض اعلم منی ومنک وانی قد شغلتنی الخلافۃ فضع انت للناس کتاباً ینتفعون بہ (مقدمہ ابن خلدون) اے ابو عبداللہ! مجھ سے اور تم سے زیادہ اب دنیا کے پردے پر حدیث نبوی کا عالم کوئی باقی نہیں رہا میں تو خلافت کے کاموں میں مشغول ہو گیا تم حدیث کی کتاب مدون کرو کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں۔ بعض تدوین کے اصول بتلائے علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ابوجعفر المنصورؒ نے ابتدائے شباب میں تحصیل علم کیلئے مختلف ممالک کے سفر کئے تھے جہاں جہاں سے ہو سکا حدیث و فقہ کی تحصیل کی اور درجہ کمال حاصل کیا ایام خلافت میں کسی نے ایک دن پوچھا اے امیر المومنین کوئی مراد دل کی ایسی بھی ہے جو آپ کو حاصل نہ ہوئی ہو کہا ہاں ایک آرزو دل کی دل ہی میں رہی پوچھا وہ کیا فرمایا "قول المحدث للشیخ من ذکرت رحمک اللہ (یعنی حدیث سیکھنے والے جب اپنے شیخ (استاذ) سے حدیث دریافت کرتے ہیں کہتے جاتے ہیں رحمک اللہ' وہ آرزو پوری نہ ہو سکی یعنی درس حدیث کا نہ دے سکا یہ سنکر درباریوں نے حلقہ تلمذ بنالیا اور دوات قلم کاغذ لیکر بیٹھے اور کہا جو احادیث اپنے شیوخ سے آپ نے سماعت کی ہوں املا فرمایئے امیر المومنین نے کہا تم تو وہ لوگ نہیں ہو علم حدیث کے طالب وہ ہوتے ہیں جو میلے کچیلے لباس میں ملبوس طویل طویل مسافتیں طے کر کے صعوبتیں اٹھا کر آئے ہوں پیران کے زخمی ہوں اور لمبے لمبے بال ہوں۔ حدیث سیکھنے کے لئے کبھی عراق کبھی شام کبھی یمن کے سفر کئے ہوں چنانچہ خود انھوں نے بھی طویل سفر کئے تھے حتی کہ شمال مغربی افریقہ بھی گئے تھے ایام خلافت میں اسی ذوق علمی کی وجہ سے ترویج و اشاعت علوم کی وہ شاندار خدمات کیں جو دنیا کو معلوم ہیں مدۃ العمر معمولی طالب علم کی طرح حد درجہ سادہ زندگی بسر کی۔ بیت المال سے ایک حبہ بھی زائد نہ لیا اپنے مختصر سے مال پر گذران کی۔ پیوند لگی قمیص پہنے دیکھکر جب خادم نے کہا۔ "خلیفۃ وقمیص مرقوع" خلیفہ ہو کر بھی پیوند لگی قمیص پہنتے ہیں جواباً ہرثمہ کا شعر پڑھ دیا۔

قد یدرک الشرف الفتی ورداؤہ　　　خلق وبعض قمیصہ مرقوع

یعنی کتنی مرتبہ دیکھا گیا کہ بہادر جوان عزت کے بلند مقام پر ہوتا ہے اور اس کی چادر اور قمیص میں پیوند لگے ہوتے ہیں۔ علامہ موصوف نے وہ اقوال اور نصیحتیں بھی نقل کی ہیں جو اپنے فرزند محمد المہدی کو آخر زمانہ میں کی تھیں فرمایا تھا۔ خلیفہ کے لئے تقوی و پرہیزگاری لازم ہے حکمران کے لئے ضروری ہے کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۵ پر)

نقد اور ملبوسات باشندگانِ حرمین شریفین کو عطا کئے لیکن تقسیم وظائف و ارزاق میں کوئی خاص ترجیح بنی ہاشم کو نہیں دی ان کے نامور فرزند خلیفہ ہارون الرشید نے البتہ اپنی خلافت کے پہلے سال سنہ ۱۷۱ھ میں ہاشمیوں کو اموال خمس بحصہ مساوی تقسیم کئے جانے کا حکم دیدیا۔

وفیہا (سنہ ۱۷۱ھ) امر الرشید بسہم ذوی القربیٰ ان یقسم بین بنی ہاشم علی السواء (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۱۶۱)

اور اس سال یعنی سنہ ۱۷۱ھ میں (ہارون) الرشید نے حکم دیا کہ ذوی القربیٰ کے حصے (خمس) کو بنی ہاشم کے درمیان مساوی طور سے تقسیم کیا جائے۔

مورخین نے یہ تصریح نہیں کی تقسیم خمس کسی خاص محکمے کے ذریعہ کی گئی تھی اور آیا اسی زمانے میں نقابۃ الہاشمیین کی بنیاد پڑ گئی تھی مسلّمہ تاریخ طبری میں سب سے پہلے بنی ہاشم کے جن نقیب کا ذکر ملتا ہے وہ احمد بن عبد الصمد بن طوربار الہاشمی تھے جو بعمر ۸۲ سال سنہ ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے تھے ان کے بعد ان کے فرزند محمد ان سے جانشین ہوئے۔ خلیفہ مامون الرشید کے عہد خلافت میں جو سنہ ۲۱۸ھ تک رہا بعض دوسری بدعتوں[1] کی طرح بنی ہاشم کی نقابت کا سنگ بنیاد بھی شاید رکھدیا گیا ہو بہرحال نقابت ہاشمیہ چوتھی صدی ہجری کے تقریباً وسط تک غیر منقسم قائم رہی

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۵۴ کا) اس کی اطاعت کی جائے رعایا کی درستی کے لئے لازم ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے عفو و کرم کا لطف اسی میں ہے کہ سزا دینے کی قدرت کے باوجود معاف کردیا جائے سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو اپنے سے کمزور پر ظلم کرے چنانچہ خود بھی انہی باتوں پر عمل پیرا رہے۔ بغاوتوں کا استیصال کیا جو لوگ نظام خلافت کو درہم برہم کرنے اٹھے پہلے بار بار سمجھایا نہ مانے تادیب بہم پہنچائی ان میں سے جو لوگ طالب معافی کے ہوئے معاف کر دیا موسیٰ بن حسن مثنی کا ذکر اوپر آچکا ہے یہ بھی اپنے بھائی محمد الارقط کی بغاوت میں شریک تھے گرفتار ہو کر خواستگار معافی ہوئے انھیں معاف کر دیا اور وظیفہ بھی عطا کیا وموسیٰ ابن عبد اللہ اختفی بالبصرۃ فاخذہ فارسلہ الی المنصور فعفا عنہ (کتاب نسب قریش ص ۵۳) انہی موسیٰ کی نسل میں بڑے بڑے عالی اثار خاندان ہوئے، حکومت ادریسیہ مغربی افریقہ کے بانی نیز شرفائے مکہ جن کی یادگار اب اردن کے شاہ حسین ہیں نیز حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا سلسلہ نسب بھی انہی موسیٰ سے متصل کیا جاتا ہے۔

[1] خلیفہ مامون الرشید مسلکاً معتزلی شیعہ تھے۔ خلق قرآن کا مسئلہ جس کے سلسلے میں انھوں نے اور ان کے جانشینوں المعتصم باللہ اور واثق باللہ نے بڑی شدت برتی تھی انہی کا اٹھایا ہوا تھا۔ نیز پنجوقتہ نماز کے بعد کھڑے ہو کر تین تین تکبیریں باواز بلند کہلوانے کی بدعت بھی انھوں نے قائم کی تھی جس کے متعلق علامہ ابن کثیر نے صحیح فرمایا تھا کہ اس بدعت کی نہ کوئی دلیل تھی اور نہ سلف کا اس پر عمل تھا وہ لکھتے ہیں۔
ھذہ البدعۃ التی امر بہا المامون فانہا بدعۃ محدثۃ لم یعمل بہا احد من السلف (ج ۱۰ ص ۲۷۲)

شیعہ امیر الامراء بنی بویہ کے زمانۂ اقتدار میں عباسیوں اور طالبیوں کے جدا جدا نقیب مقرر ہوئے

لما ضعفت العباسیون فی العصر الرابع و قوی بال دیلم و امثالهم الطالبیون ثنیت هذه النقابة فاصبح للهاشمیین نقیبان (النشاشیبی)	چوتھی صدی ہجری میں جب عباسی خلافت کو ضعف لاحق ہوا اور طالبیوں کے دیلم وغیرہ کی وجہ سے قوت حاصل ہوئی تو اس نقابت میں بھی دوئی پڑ گئی یعنی ہاشمیوں کے دو نقیب ہو گئے۔

مؤلف طرفۃ الاصحاب فی معرفۃ الانساب کے بیان کے مطابق عباسی عہد کے یہ نقیب اپنے خاندان کے زعماء ہوتے تھے اور نقیب ذوی الانساب، نقیب الاشراف و نقیب بنی ہاشم العباسیین و الطالبین کہلاتے تھے ان کے انتخاب میں ان امور کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا کہ باعتبار حسب و نسب اعلیٰ ہوں، صائب الرائے و صاحب تدبیر اور علوم سے بہرہ ور ہوں۔ الماوردی کہتے ہیں:-

اذا اراد المولی ان یولی علی الطالبیین نقیباً او علی العباسیین نقیباً تخیر منهم اجلّهم بیتاً و اکثرهم فضلاً و اجزلهم رایاً۔ (الاحکام السلطانیة)	طالبیوں پر یا عباسیوں پر جب حاکم نقیب کا تقرر کرے تو ان میں سے ایسے شخص کو منتخب کرے جو اعلیٰ منزلت کا ہو باعتبار رائے کے۔

انتخاب کے بعد خلیفہ وقت کے سامنے پیش ہو کر تقرری کی سند باضابطہ عطا ہوتی تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ۳۶۳ھ میں عباسی نقیب کے تقرر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

وفی یوم عرفة قلد الشریف ابو الحسین الزینبی[1] محمد بن علی بن ابی تمام الزینبی نقابة العباسیین و قرئ عهده بین یدی الخلیفة بحضرة القضاة و الاعیان (ج ۱۱)	عرفہ کے دن الشریف ابو الحسین الزینبی محمد بن علی بن ابی تمام الزینبی کا نقابت عباسیین پر تقرر کیا گیا سند تقرر خلیفہ کے سامنے اور قاضیوں و اکابرین کی موجودگی میں پڑھی گئی۔

طالبی نقیبوں کے تقرر کا بھی یہی ضابطہ تھا مثلاً ۳۵۴ھ میں الشریف ابو احمد الحسن الموسوی (پدر الشریفان الرضی و المرتضی) کے تقرر کے متعلق بھی یہی مؤلف لکھتے ہیں:-

فیها قلد الشریف ابو احمد الحسن بن	یعنی اس سنہ (۳۵۴ھ) میں الشریف ابو

[1] نسباً عباسی تھے اپنی پردادی سیدہ زینب بنت سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کے نام کی نسبت سے زینبی کہلاتے تھے (کتاب لب اللباب فی تحریر الانساب سیوطی)

بن موسیٰ الموسوی نقابۃ الاشراف الطالبیین۔ (ص۳۰)	احمد الحسن بن موسیٰ الموسوی کو نقابت الاشراف طالبیین پر مقرر کیا گیا۔

الماوردی اور دیگر مولفین نے ہاشمی نقباء کے فرائض بیان کرتے ہوئے جو یہ حضرات پانچویں صدی ہجری میں انجام دیتے تھے لکھا ہے کہ نقباء کا فرض تھا کہ ہاشمی خاندان سے مختلف گھرانوں کے ذکور و اناث کی مکمل فہرستیں اور فوتی و پیدائش کے رجسٹر مرتب رکھیں۔ وظائف و ارزاق کی تقسیم کریں، خاندانی اوقاف کا انتظام و اہتمام کریں۔ انساب کا تحفظ کریں، داخل النسب اور خارج النسب کے معاملات اور وراثت کے مسائل کا تصفیہ کریں۔ غیر کفو قرابتوں کی روک تھام کریں وغیرہ دیگر امور مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ عرب قبائل خصوصاً قریشی گھرانوں سے وظائف و ارزاق کی تقسیم جس کی ابتداء عہد فاروقی سے ہوئی تھی اموی خلافت میں خاندانوں کے عریف کے ذریعہ ہوتی تھی عباسی خلافت میں یہی عریف نقیب کہلاتے تھے التقیب عریف القوم والجمع نقباء (لسان العرب) عرب کی جماعتی زندگی قبائلی تھی، ہر قبیلے و خاندان کا سردار و سربراہ (یعنی سید) اسی خاندان اور قبیلے کا پسندیدہ و منتخب شخص ہوتا تھا اور بیشتر نقیب انہی سادات قبائل سے منتخب ہوتے تھے اور یہ سب نقیب ایک ہی سرکاری ادارے سے منسلک تھے افسر بالا نقیب النقباء کہلاتا تھا علامہ ابن کثیرؒ نے چھٹی صدی ہجری کے نصف حصہ آخر میں طلحہ بن علی بن ابو احمد طراد عباسی کی وفات کے تذکرے میں بیان کیا ہے کہ وہ نقیب النقباء تھے اور یہ عہدہ ان کے گھرانے میں چند پشتوں سے متوارث تھا دیگر فرائض کے ساتھ خاندان کے انساب سے کماحقہ واقفیت بھی نقیب کے لئے لازم تھی تحفظ انساب کے بارے میں قریشی و ہاشمی نقباء کی اسناد میں یہ ہدایت درج ہوتی تھی کہ :۔

انظر فی امور انسابھم نظراً لا یدع مجالاً للمریب ولا یستطیع معہ احداً ان یدخل فیھم بغیر نسب ولا یخرج علیھم بغیر سبب۔	ان کے (قریشی و ہاشمیوں کے) معاملات انساب پر کڑی نظر رکھو تا کہ کسی کو مجال دھوکہ و فریب کی نہ ہو سکے اور نہ کوئی شخص بلا تعلق نسب ان میں داخل ہو سکے اور نہ بغیر کسی وجہ و سبب کے ان میں سے خارج ہو سکے۔

اسی کے ساتھ گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ سے اہل خاندان کو محفوظ رکھنے صحابہ کرام کے سیاسی اختلافات و مشاجرات نیز صالحین امت کی تنقیص کے بارے میں لوگوں کو افراط تفریط سے بچانا بھی نقیب کے فرائض میں شامل تھا۔ متعدد دجّی مدعیوں اور سیاسی قسمت آزماؤں نے علوی نسب کے ادعاء کے ساتھ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی تھیں ان میں سے بعض کا تذکرہ ان اوراق میں پہلے آچکا ہے۔ غرضیکہ اس قسم کی مذمات کی غرض سے نقابت بنی ہاشم معرض وجود میں آئی تھی نہ کہ محض نسبی فخر و مباہات کے کسی جذبے سے جیسا ایک مؤلف کو یہ کہنے میں غلطی ہوئی کہ :-

وکان القوم هم الحاكمين المسيطرين فهم يفعلون ويسمّون ويقولون کما يريدون	یہ لوگ (بنی ہاشم) تو حاکم و حکمراں ہی تھے جیسا چاہا کیا جو چاہا نام رکھا اور جو چاہا اپنے کو کہا

معترض نے یہ الفاظ نقابت الہاشمیین ہی کے سلسلے میں لکھے ہیں مگر ایک مثال بھی وہ اس کی پیش نہ کرسکے کہ بنی ہاشم یعنی عباسی خلفاء نے زائد از پانصد سالہ دور خلافت بغداد میں اولاً اور تقریباً تین سو برس مصر میں عالم اسلامی کے مذہبی سردار و امیر المسلمین ہونے کی حیثیت سے ساڑھے سو سال کی اس طویل مدت میں نسلی و نسبی تفاخر اور برتری کے اظہار کیلئے کوئی خاص لقب و اصطلاح اپنے لئے مخصوص کی ہو۔ لقب الشریف کے استعمال کی کیفیت تو آپ ابھی سن چکے ہیں۔ عباسی خلفاء کے القاب السفاح والمنصور والرشید وغیرہ کا نسبی تفاخر اور اس کے اظہار سے کیا تعلق اور در اسطہ ان خلفاء نے تو خاندانی و نسبی امتیاز کے لئے اپنے ناموں کے ساتھ لقب الشریف نہ خود استعمال کیا اور نہ سرکاری تحریرات و فرامین میں یہ یا ایسا کوئی لقب لکھوایا جو دیگر قریشی گھرانوں سے ان کی نسبی برتری کے اظہار کا سبب ہو۔ تعلقات قرابت و مصاہرت ان کے قریشیوں کے ساتھ برابر قائم رہے بالخصوص اپنے بنو العم امویوں کے ساتھ۔ امیر المومنین عبداللہ السفاحؒ تو حضرت مروانؓ کے پروتے عبدالعزیزؒ کے مادری بھائی ہی تھے۔ پھر ان کے بعد کے تینوں عباسی خلفاء امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ ان کے فرزند محمد المہدی اور پروتے ہارون الرشیدؒ کی زوجیت میں اموبہ خواتین تھیں جن کے بطن سے اولادیں بھی ہوئیں۔ ابوجعفر المنصورؒ کی اموبہ زوجہ سے دو صاحبزادے علی و عباس تھے یہ دونوں عباسی شہزادے ابو عثمان بن خالد اسید بن ابی العیص بن امیہ کے نواسے تھے۔ علاوہ متعدد قرابتوں کے عباسی خلافت کے مناصب

جلیلہ پر ہر دور میں متعدد اموی حضرات فائز رہے[1] کیونکہ برخلاف اموی خلافت کے عباسی عہد میں ملازمت کے دروازے عرب و غیر عرب سب ہی کے لئے آئینی طور سے کھلے ہوئے تھے اہلیت و قابلیت شرط تھی نہ نسلی و نسبی امتیاز اور نہ شیعہ سنی کا فرق۔ شیعہ مورخ مسٹر جسٹس امیر علی ہی کہتے ہیں :۔

> عباسی خلافت کا نظم و نسق ایسے آئین اور معین ضوابط پر چلتا رہا جو دور حاضر کے متمدن نظام و آئین کے مماثل تھا اور بعض پہلوؤں کے اعتبار سے ہمارے زمانے سے بھی ترقی یافتہ تھا۔ سلطنت کے عہدے اور مناصب مسلمانوں عیسائیوں یہودیوں اور ہنود کے لئے یکساں اور مساویانہ طور سے کھلے ہوئے تھے۔ (ص۴۰۰ ہسٹری آف سیریسنز)

---

[1] علامہ ابن حزم نے جمہرۃ الانساب (ص۱۰۶) میں تفصیلاً بیان کیا ہے کہ عباسی خلافت میں امیر المومنین المتوکل علی اللہ کے عہد سے ہمارے زمانے تک یعنی تقریباً ڈھائی سو برس تک بغداد کے قاضی القضاۃ کا عہدہ اموی خاندان کی ایک شاخ میں جو بنوابی الشوارب سے موسوم تھی قایم و برقرار رہا تھا۔ ان میں محمد بن حسن بن عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ اور علی بن محمد بن عبدالملک بن محمد ابی الشوارب اموی یہ دونوں اور ان کے باپ دادا اور چچا محمد بن عبداللہ اموی بغداد کے قاضی القضاۃ رہے نیز العباس بن محمد اموی بصرے کے قاضی تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ۴۱۲ھ کے واقعات کے سلسلے میں ابوالحسن احمد بن محمد عبداللہ بن عباس بن محمد بن عبدالملک مذکور کی وفات کے تذکرے میں جو بغداد کے قاضی القضاۃ تھے۔ بیان کیا ہے کہ اس اموی خاندان ابی الشوارب میں ۲۴ اشخاص عباسی خلافت میں اپنے اپنے وقت میں قاضی اور قاضی القضاۃ رہے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت مروانؓ کے ایک پوتے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ کے خاص ندیموں میں تھے اور ہر وقت کے حاضر باش سیاہ سرکاری لباس میں ملبوس رہتے۔ دوسرے خلفاء المعتصم باللہ اور الواثق باللہ کے عہد میں ابو مروان محمد بن عثمان جو حضرت عثمانؓ ذی النورین کے اخلاف میں تھے مکہ معظمہ کے قاضی تھے اور ان کے بنو عم میں محمد بن عبداللہ بن عبد اموی مکہ کے والی تھے۔ اسی طرح دیگر اموی اشخاص مختلف عہدوں پر مقرر تھے علامہ ابن حزم نے بعض عباسی اکابر کا ذکر کیا ہے جو اندلس کے اموی سلاطین کے یہاں معزز مہمان کی حیثیت سے مدتوں تک رہے۔ انقلاب خلافت کے زمانہ میں جو ظالمانہ قتل و قتال و جدال ہوئے وہ وقتی تھے بعد میں دونوں خاندان اپنی سابقہ تعلقات رشتے و قرابت پر پلٹ آئے ابو مخنف جیسے کذاب راوی نے کہا وہ ہی تنہا شخص ہے جس نے اپنے خاص مقصد سے عباسیوں کے ہاتھوں امویوں کے قتل عام کے اور ان کی قبروں کو اکھڑ کر مدفون لاشوں کو جلانے وغیرہ کے بے بنیاد جھوٹے قصے تراشے ہیں وہ ان حقائق کی روشنی میں جو مختصراً بیان ہوئے بے حقیقت ثابت ہوتے ہیں ہماری دوسری کتاب تاریخ بنو العباس میں تفصیل ملاحظہ ہو۔

امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ سے جب ان کے حاجب الربیع نے کسی شخص کے تقرر کے بارے میں عرض کیا تھا کہ تعلقات کی بنا پر ان کا حق بھی ہے امیر المومنین نے فرمایا کہ ہمارے ذاتی مال میں ان کا حق ہے نہ کہ مال المسلمین میں پھر فرمایا انا لا نولی للحرمة والرعاية بل للاستحقاق والكفاية ولا نؤثر ذا النسب والقرابة على ذي الدعاية یعنی ہم قرابت اور رعایت کی بنا پر تقرر نہیں کرتے بلکہ استحقاق اور اہلیت کی بنا پر کرتے ہیں۔ اہلیت وصلاحیت والے پر ترجیح صاحب نسب اور قرابت کو نہیں دی جا سکتی۔ اسی اصول کی اکثر و بیشتر پیروی کی گئی شیعہ اور روافض بھی بوجہ اہلیت ذمہ دار عہدوں پر مقرر ہوئے لیکن ان میں سے بعض بدبختوں نے غداریاں بھی کیں مثلاً ؁۶۰۰ھ میں بعہد امیر المومنین الناصر لدین اللہ عباسیؒ عہدۂ وزارت پر ابوالحسن ناصر بن مہدی حسنی[1] فائز تھے انھوں نے بقول شیعہ مورخ و نساب یعنی مولف عمدۃ الطالب انقلاب حکومت کی سازباز کی تھی اور بذاتِ خود امیدوار خلافت کے تھے اس وزیر کی خفیہ سازشوں کے متعلق ایک منظوم قطعہ میں کسی نے خلیفہ کو مطلع کیا تھا اس میں کہا تھا کہ

فان كان حقا من سلالة احمد　　　فهذا وزير في الخلافة طامع

وزیر مذکور کی ریشہ دوانیوں کا تو بر وقت قلع قمع ہو گیا تھا لیکن تقریباً چالیس سال بعد ؁۶۵۶ھ میں قلمدانِ وزارت ایک غالی رافضی ابن علقمی کے سپرد تھا اس نے دوسرے رافضی نصیر الدین طوسی کے ذریعہ دار الخلافہ بغداد پر تاتاری ٹڈی دل کا حملہ کرا دیا تھا۔ بغداد تباہ ہوا۔ المستعصم باللہ خلیفہ[2] شہید ہوئے ان کا قتل گویا ہاشمی وعربی خلافت کا قتل تھا

---

[1] ابوالحسن مذکور کا خاندان مازندران میں متوطن اور شیعی مسلک کا پیرو تھا۔ عمدۃ الطالب کے مؤلف نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے ابوالحسن ناصر بن مہدی بن حمزہ بن مہدی بن الناصر بن زید حمزہ بن محمد بن جعفر بن محمد بن ابراہیم بن محمد البطحانی بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن ابی طالب۔

[2] امیر المومنین ابو احمد عبداللہ المستعصم باللہ اپنے والد ابو جعفر المستنصر باللہ کی وفات ؁۶۴۰ھ پر مسند آرائے خلافت ہوئے سولہ برس خلیفہ رہے اپنے والد کی طرح نیک نفس و علم دوست حلیم و کریم خلیفہ تھے ایک دن کتب خانہ میں بیٹھے مطالعہ کتب میں مشغول تھے خادم خاص پیچھے فرش پر بیٹھا تھا اسے نیند آ گئی اور ایسی غفلت کی نیند سویا کہ کروٹ بدلتا ہوا آقا کے پاس لڑھک کر آ گیا اور سر اس تکیہ پر لگ گیا جس پر جھکے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے خلیفہ نے مہتمم کتب خانہ کو لاتے سے بلا کر کہا اسے سونے دو جب ہم چلے جائیں جگا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری موجودگی میں بیدار ہو کر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۱ پر)

عباسی خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی عربوں کی عالمی سیادت اور سیاسی اقتدار عالم اسلامی سے ہمیشہ کے لیئے زائل ہو گیا۔ دودمان ہاشمی کے عباسی اور طالبی گھرانے کچھ تو قتل عام میں فنا کے گھاٹ اتر گئے اور کچھ مختلف دیار و امصار میں منتشر و متفرق ہو گئے۔ فرزندانِ عم مصطفےٰ کے خون نے دارالسلام بغداد میں بہہ کر نقابت بنی ہاشم کے خاتمے کا بھی اعلان کر دیا۔ اس اجڑے دیار میں پھر عجمی و آفاقی آ بسے نقابت ہاشمیین کے بقول ایک مؤلف یوں مٹی پلید ہوئی کہ ہاشمیوں کے وارث عرب و قریش کے بجائے عجمی ہوئے۔ واتو سراث اهابهم استعجم الامر فقالوا نقابة الاشراف۔ ہاشمی گھرانے کے نقیب کا صرف نام باقی رہ گیا۔ بغداد کی ایک خانقاہ کا متولی البتہ نقیب الاشرف یا اشراف کہلانے لگا۔ مولف عمدۃ الطالب نے طالبی گھرانوں کے انساب کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے مختلف مقامات کے نقیبوں کا ذکر کیا ہے نیز ابن قیم العباسی کی کتاب نسب کا۔ نقیبوں کے مرتبہ شجرات سے جو دستبرد زمانہ سے باقی رہ گئے تھے مختلف گھرانوں کے انساب بعد کے نسابین نے مرتب کئے کہیں کہیں بعض مدعیان فاطمیت کا تذکرہ بھی آگیا ہے اس سلسلے میں عبیدیوں کے ادعائے فاطمیت اور لقب الشریف والسید کے مخصوص کرنے کی کیفیت کتب انساب و تاریخ کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہوا چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

عبیدی فاطمیت و نسبی سیادت

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنے کتابچے میں جس کے فقرات پہلے نقل ہوئے ہیں یہ بیان کرتے ہوئے کہ الشریف بغداد میں ہر عباسی و علوی و جعفری و عقیلی کا لقب تھا اور مصر میں ہر علوی کا لکھا ہے کہ:۔

فلما ولی الفاطمیون بمصر قصروا	جب فاطمیین (عبیدیین) کی مصر میں حکومت

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۶۰ کا) گستاخی پر خوف زدہ ہو (ص ۲۶۵ تاریخ ادبیات فارسی) خلیفہ کی شہادت کے بعد دو سال تک دنیائے اسلام میں لامرکزیت رہی جب شہزادے ابوالقاسم احمد بن ابو نصر محمد الظاہر باللہ سے ۱۳ رجب ۶۵۹ھ کو سلطان بیبرس نے مصر میں المستنصر باللہ کے لقب سے بیعت خلافت کی تقریباً تین سو برس تک مسلمانان عالم کے دینی مقتدا کی حیثیت سے عباسی خلفاء نے مرکزیت کو قائم رکھا بالآخر جب ترکی سلطان سلیم نے ۹۲۳ھ میں مصر پر قبضہ کیا۔ آخری خلیفہ عباسی نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے تمام حقوق و امتیازات خلافت ان کے سپرد کر دیئے۔ ہمارے زمانے میں شریف حسین حسنی کی غداری سے ترکی سلاطین کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

اسم الشریف علی ذریۃ الحسن و الحسین فقط و استمر ذلک بمصر الآن ۔	قایم ہوگئی کہ لقب الشریف کو انھوں نے صرف اولاد حسن و حسین کے لئے مختص کر دیا اور یہ دستور اب تک مصر میں جاری ہے ۔

مستند اور معتبر مورخین و نسابین کی تصریحات ۔ سے کتاب "تحقیق مزید" میں بیان کیا گیا ہے کہ نام نہاد فاطمیین کا مورث عبید اللہ بن میمون القداح ایرانی نژاد مجوسی تھا ۔ سیاسی مقصد سے فاطمیت کا ادعا اسی طرح کیا تھا جس طرح اور جس مقصد سے قرامطہ کے یحییٰ بن زکرویہ بن بہرویہ عجمی نژاد نے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اپنے متبعین اور اپنے آپ کو فاطمیین سے موسوم کیا تھا ۔ سموا ابا لفاطمیین (بدایہ ج ۱۱ ص ۷۳) وہ اس کا بھائی حسین[۱] بن زکرویہ بھی عبید اللہ کی طرح مہدیت کے مدعی ہو کر اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) کی اولاد سے اپنے کو منسوب کرتے تھے ۔ مولف کتاب اثر دستین فی اخبار الدولتین نے بھی دیگر مستند مورخین کی طرح بنی عبید کے مورث کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

کان والد عبید ھذا من نسل القداح الملحد المجوسی و قیل کان والد عبید یہودیاً من اھل سلمیۃ من بلاد الشام وکان حداداً ..... و عبید ھذا	اور اس عبید (اللہ) کا باپ معالج چشم (قداح) ملحد مجوسی کی نسل سے تھا کہتے ہیں کہ یہ عبید ملک شام کے شہروں میں سے سلمیہ کا یہودی تھا اور آہن گر تھا ..... اور اس عبید کا

[۱] حسین بن زکرویہ نے اپنا نام احمد رکھکر اپنی تحریرات میں جو شاندار القاب تجویز کئے تھے وہ اوپر نقل ہوئے ہیں دیکھئے یہ عجمی نژاد کس ڈھٹائی سے اپنے کو لکھتا ہے کہ "احمد بن عبد اللہ المہدی المنصور با مرہ وغیرہ یعنی اللہ کی مدد سے کامیاب اللہ کے دین کا مددگار اللہ کے حکم کا ۔ و اللہ کے حکم سے حکومت کرنے والا اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دینے والا اللہ کے حرم کی حرمت قائم کرنے والا رسول اللہ کی اولاد سے پسندیدہ امیر المومنین، امام المسلمین، منافقوں کو ذلیل کرنے والا، تمام جہانوں میں خدا کا نائب ظالموں کا قلع قمع کرنے والا، ظالموں کی کمر توڑنے والا، ملحدوں کو فنا کرنے والا، انصاف دشمنوں کو قتل کرنے والا، مفسدوں کو ہلاک کرنے والا، دیکھنے والوں اور نور حاصل کرنے والوں کے لئے روشنی مخالفوں کو پراگندہ کرنے والا، سید المرسلین کی سنت قائم کرنے والا، اور بیٹا اس کا جو سب وصیوں سے بہتر ہے (یعنی حضرت علیؓ کی اولاد وغیرہ) مگر اس جھوٹے مدعی نے جس بربریت سے مسلمانوں کا قتل عام کیا، خانہ کعبہ کی بحرمتی کا ارتکاب کیا، اس کے ساتھیوں قرامطہ نے جس وحشیانہ ظلم سے حاجیوں کے قافلوں پر بار بار حملے کئے مسلمانوں کے سیاسی نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے جو فتنہ و فساد برپا کیا وہ تاریخ کا سیاہ باب ہے عباسی خلافت کے لشکر نے بالآخر ان مفسدوں کا قلع قمع کر دیا تھا ۔

كان اسمه سعيداً فلمّا دخل المغرب تسمى بعبيد الله وزعم انه علوى فاطمی ثم ترقت به الحال ان ملك وتسمى بالمهدى وكان زنديقاً خبيثاً عدواً للاسلام متظاهراً بالتشیع متستراً به حریصاً علی ازالة الملة الاسلامیة قتل من الفقهاء والصالحین جماعة کثیرة۔

نام سعید تھا وہ جب مغربی افریقہ میں داخل ہوا اپنے کو عبید اللہ سے موسوم کیا اور علوی فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا پھر اس کو ایسا عروج ہوا کہ حکمراں ہو گیا اور مہدی سے موسوم ہوا وہ زندیق خبیث اسلام کا دشمن تھا۔ اسلام کا اظہار تشیع کے پردے میں کرتا تھا اور ملت اسلامیہ کے تباہ کرنے کا بڑا حریص تھا فقہا اور صالحین کی جماعت کثیر کو اس نے قتل کر ڈالا تھا۔

ان صالحین میں کافی تعداد ہاشمیوں یعنی مغربی افریقہ کے ادریسی حسنیوں کی بھی تھی اسی مدعی حسینی نسب نے یحییٰ بن ادریس حسنی کو جو حضرت حسن بن علیؓ کے اخلاف میں سے اور مغربی افریقہ کی ادریسی سلطنت کے اعاظم ملوک میں سے تھے اپنے ایک فوجی سردار مصالہ بن حبوس کے ہاتھوں بڑے بڑے عذاب دے کر مروایا تھا (قاموس التراجم) ایک غیر مسلم مورخ دوزی نے لکھا ہے کہ :۔

"عبداللہ ابن میمون تو اسماعیلیوں یعنی ابنائے اسماعیل بن جعفر (الصادق) کا بھی دل میں دشمن تھا اولاد علیؓ سے عقیدتمندی محض اپنا منصوبہ پورا کرنے کے لئے اختیار کی تھی اندرونی طور پر وہ پکا ایرانی تھا۔ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد اور تمام عربوں کو ایک ہی زمرے میں خیال کر کے سب سے منحرف تھا اور اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ ایرانی اگر کسی علوی کی حکومت قائم کرنا چاہیں گے تو ایرانیوں کو ہرگز ہرگز اس سے کوئی نفع نہ پہنچے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے متبعین کو صلاح دی کہ اولاد علیؓ میں سے جو کوئی بھی ہاتھ لگے فوراً ہلاک کر دیا جائے۔"

یہی مورخ عبیدیوں کے وحشیانہ ظلم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

"عبید اللہ کے وحشی لشکر نے شہروں پر قبضہ کر کے جو جو ظلم کئے ہیں ان کی مثال نہیں ملتی۔ برقہ میں امیر لشکر نے شہر والوں کے ٹکڑے کر کے ان کی

بوٹیاں آگ پر بھونیں اور جو شہر والے وہاں موجود تھے اُن کو بھنا ہوا گوشت کھلایا۔ اور پھر سب کو آگ میں زندہ ڈال دیا" (رائن ہارٹ دوزی)

عبیداللہ کا یہ لشکر نیم وحشی جنگجو بربری قبائل کا تھا جو توہم پرست تھے اور مہدی کے پروپیگنڈے کے جال میں پھنس گئے تھے۔ عبیداللہ کے جھوٹے دعوے نسب اور عقائد باطلہ و ملحدانہ کے ذکر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:-

واهل المعرفة بالنسب وغيرهم من علماء المسلمين يعلمون انه كذب في دعوى نسبه وان اباه كان يهوديا ربيب مجوسي فله نسبتان نسبة الى اليهود ونسبة الى المجوس وهو واهل بيته كانوا ملاحدة وهم ائمة الاسماعيلية الذين قال فيهم العلماء ظاهر مذهبهم الرفض وباطنه الكفر المحض وصنف العلماء كتبا في كشف اسرارهم وهتك استارهم وبيان كذبهم في دعوى النسب ودعوى الاسلام وانهم بريئون من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نسباً وديناً۔ (منهاج السنة ج ۲ ص ۱۳۳)

مسلمان علماء میں سے جو حضرات انساب وغیرہ سے پوری واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ (عبیداللہ) اپنے نسب کے دعوے میں جھوٹا تھا نیز یہ کہ اس کا باپ یہودی تھا اور مجوسی کا پروردہ؟ یعنی اس کی دو نسبتیں تھیں ایک یہود سے اور دوسری مجوس سے وہ اور اس کے گھر والے ملحد تھے اور یہی اسماعیلیہ کے ائمہ تھے جن کے بارے میں علماء کا قول ہے کہ ظاہر طور پر ان کا مذہب رفض تھا اور باطن میں کفر محض۔ علماء اسلام نے ان لوگوں کے راز فاش کرنے اور ان کا پردہ چاک کرنے اور ان کے دعوے نسب اور دعوے اسلام کے بطلان میں کتابیں تصنیف کی ہیں ان لوگوں کا کوئی واسطہ باعتبار نسب اور دین کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ تھا۔

خود علامہ جلال الدین سیوطی نے عبیدی حاکمان مصر کا تذکرہ اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ دعوے نسب و خلافت ان کا قطعاً باطل تھا اور مورث ان کا مجوسی تھا علم الانساب کے کسی عالم نے بھی ان کے دعوے کو تسلیم نہیں کیا انھوں نے اسی ضمن میں ایک واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک منظوم رقعہ کسی نے عبیداللہ کے پردوتے العزیز کو مخاطب کرتے ہوئے جمعہ کے دن منبر پر رکھ دیا تھا کہ اگر دعوٰی نسب میں سچے ہو تو ذرا اپنے اجداد سے پانچ پشت تک نام تو گنا دو اور خود المعز کے زمانہ میں ابن طبا طبا علوی نے جب اُس کا نسب

پوچھا شجرۂ نسب بیان کرنے کے بجائے المعز نے اپنی تلوار میان سے کھینچتے ہوئے کہا تھا کہ یہ تو میرا شجرۂ نسب ہے اور حاضرین کے درمیان اشرفیاں بکھیر کر بتایا تھا کہ یہ میرا حسب ہے۔

ڈوزی نے صحیح کہا ہے کہ عبیدیوں کا ادعائے نسب تو ایک بہانہ اور فریب تھا انھیں جب سیاسی اقتدار حاصل ہوگیا ادعائے نسب سے بے پرواہ ہوگئے مغربی افریقہ کے زمانہ قیام میں جب عبیداللہ نے موریتانیہ کی ایک عرب ریاست پر حملہ کرنا چاہا اس کے حکمراں سعید ثانی کو پیغام بھیجا کہ اطاعت قبول کرلے پیغام کے ساتھ کچھ اشعار بھی لکھ کر بھیجے تھے کہ اطاعت قبول نہ کی تباہ و برباد ہوجاؤ گے اور مطیع ہونے کی حالت عدل و انصاف سے انتظام مملکت کیا جائیگا سعید نے جواب میں احمس طلیطلی شاعر کے شعر بھی بھیجے جن میں کہا تھا کہ "خانۂ کعبہ کی قسم تو جھوٹ بولتا ہے تو جانتا نہیں کہ عدل وانصاف کسے کہتے ہیں راستی اور نیکی کا کلمہ آج تک تیرے منہ سے نکلا ہی نہیں تو مکار اور بے دین ہے"

گویا اس کے ہمعصر افریقی مسلمانوں کو اس کی بیدینی و مکاری سے بخوبی واقفیت تھی نصف صدی سے زیادہ مدت کے بعد جب اس کی اولاد نے مصر پر تسلط حاصل کرلیا صحیح النسب ہاشموں علویوں نے اس کے دعوے نسب کو کبھی قبول نہیں کیا مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ہی کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ کے ایک پوتے حسین الاصغر بن علی (زین العابدین) کی نسل سے ایک علوی گھرانا جو بنی طاہر سے معروف تھا مصر میں متوطن تھا عبیداللہ کے بیٹے المعز کے وقت میں اس علوی گھرانے کے معزز شخص مسلم بن عبیداللہ بن طاہر تھے جو بقول مولف مذکور مسلم العلوی کہلاتے تھے کسی نے ایک رقعہ المعز کے یہاں اس مضمون کا رکھوا دیا کہ اگر آل ابی طالب سے ہو بنی طاہر کے یہاں اپنا رشتہ کرنے کے لئے پیام دو وہ قبول کرلیں تو معلوم ہوجائیگا کہ ان کے ہم کفو ہو۔ اس رقعہ کے ابتدائی دو شعر یہ تھے۔

ان کنت من آل ابی طالب | فاخطب الی بعض بنی طاهر
اگر تم (نسباً) آل ابی طالب سے ہو | تو ذرا بنی طاہر کے گھرانے میں کسی کے یہاں پیام دو
فان رآك القوم کفواً لهم | فی باطن الامر وفی الظاهر
تو اگر یہ لوگ تمہیں اپنا ہم کفو جان لیں | حقیقت میں اور ظاہر میں (تو تمہارے نسب کا ثبوت ملے گا)

المعز نے رقعہ پڑھ کر اپنے بیٹے العزیز کے رشتہ کا پیام بھجوایا جو مسلم العلوی نے قبول نہ کیا مولف موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:-

فلما قرء المعز الرقعه خطب الی مسلم بن عبید الله بن طاهر احدی بناته لابنه العزیز فلم یجبه و اعتذر ان کلا من بناته فی عقد واحد من اقربائه فحبسه المعز و استقصی امواله و لم یر بعد ذلک فیقال انه اهلکه فی الحبس و یقال انه هرب (ص۳۲۸)

المعز نے جب رقعہ پڑھا اپنے بیٹے کا پیام مسلم بن عبیداللہ بن طاہر کی ایک دختر کے لئے دیا انھوں نے منظور نہ کیا اور عذر کیا کہ میری بیٹیوں کا تو میرے قرابتداروں سے پہلے ہی عقد ہو چکا ہے المعز نے اس پر انھیں قید میں ڈالدیا ان کا مال متاع بھی ضبط کر لیا اس کے بعد کسی نے انھیں پھر نہ دیکھا کہتے ہیں قید کی حالت میں ہلاک کر دیا اور یہ قول بھی ہے کہ وہ فرار ہو گئے تھے[1]

علم النسب کی اصطلاح میں ایسے شخص کو مردود النسب کہتے ہیں جس کے دعوے نسب کو اہل خاندان ہی جھٹلا دیں اور قبول نہ کریں۔ عبیدیوں کے مورث عبیداللہ کا ادعائے نسب بقول علامہ ابن حزم شرمناک تھا اس نے ایسے نسب شریف کا یعنی اولاد جناب جعفر (الصادقؒ) سے منتسب ہونے کا ادعا کیا تھا جن کے ایک ایک فرد کا حال اہل خاندان بنی ہاشم طالبیوں و عباسیوں کے علاوہ تمام قریشی گھرانوں کے اشخاص اور حجازی باشندوں کو ہی معلوم تھا۔

جناب جعفر (الصادقؒ) کے بارہ اولادیں تھیں سات بیٹے اور پانچ بیٹیاں۔ دو بیٹے عبداللہ اور اسمٰعیل اور ایک بیٹی ام فروہ زوجہ اولیٰ فاطمہ بنت حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب کے بطن سے تھے۔ باقی پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں کنیزوں سے تھے یعنی موسیٰ و محمد و اسحٰق اور ان کی دو بہنیں فاطمۃ الکبریٰ اور بریہ ایک ام ولد سے عباس اور ان کی دو بہنیں اسماء و رفی طمہ دوسری ام ولد سے اور علی تیسری سے تھے وہ اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت طفل صغیر تھے۔

جناب جعفر (الصادقؒ) کی اولاد میں عبداللہ سب سے بڑے تھے ان ہی کے نام سے ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ عبداللہ کے اولاد ذکور نہ تھی صرف ایک بیٹی فاطمہ تھیں جو عباسی

---

[1] ان مسلم العلوی کے پوتے حسن بن طاہر بن مسلم مذکور اپنے وطن حجاز سے نکل کر عراق چلے گئے تھے پھر وہاں سے سلطان محمود سبکتگین کے پاس غزنی پہنچ گئے ان کی موجودگی میں مصر کے عبیدی فاطمی حاکم کا فرستادہ الباہرتی العلوی سلطان موصوف کی خدمت میں پہنچا تھا اس باہرتی کا دعویٰ نسب بھی جھوٹا تھا۔ حسن بن طاہر بن مسلم سے سلطان کے مواجہ میں اس کا مباحثہ ہوا اس کے عقائد باطلہ اور نسب کے ادعا کے باطل ہونے کا اظہار ہونے پر اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ (عمدۃ الطالب)

خاندان میں عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب کو بیاہی گئیں (کتاب نسب قریش ص۶۲ و جمہرۃ الانساب ابن حزم)

منجھلے اسمٰعیل تھے اور خلقتاً لنگڑے اسمٰعیل الاعرج کہلاتے تھے (عمدۃ الطالب ص۲۲۲) عین عالم شباب میں کہ ستائیس اٹھائیس برس کی عمر تھی فوت ہو گئے یعنی جناب جعفر (الصادق) کی رحلت سے پندرہ سولہ برس پہلے ۱۳۳ھ میں مدینہ سے کوئی چار میل دُور موضع العریض جو خاندانی ملک تھا منزلت آخرت طے کی میت مدینہ لاکر دفن ہوئی۔ تین اولادیں چھوڑیں دو بیٹے محمد اور علی اور ایک بیٹی فاطمہ۔ محمد تو ایک کنیز کے بطن سے تھے اور علی و فاطمہ یہ دونوں بھائی بہن مخزومیہ خاتون اُم ابراہیم بنت ہشام بن اسمٰعیل بن ہشام بن الولید بن المغیرہ سے تھے نانی اور پرنانی ان دونوں کی عدویہ خواتین تھیں پرنانی تو حضرت فاروق اعظمؓ کی حقیقی پوتی ام جمیل تھیں اور نانی حضرت عمرؓ کے برادر حقیقی زید بن الخطاب کی پرپوتی ام حکیم تھیں۔ (کتاب نسب قریش ص۶۳)

اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) کے یہ دونوں فرزند سیاسی وجوہ سے اپنے چچا جناب موسیٰؒ جنھیں امامیہ بلقب الکاظم سے اپنا چھٹا امام کہتے ہیں سخت مخالف اور عباسی خلافت کے موید اور طرفدار رہے تھے۔ شیعہ مورخ و نساب مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ہی کے بیان سے یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ محمد بن اسمٰعیل مذکور اپنے چچا کے مراسلت و مکاتبت کا کام کیا کرتے تھے جو انقلاب حکومت کے سلسلہ میں وہ اپنے طرفداروں کو خفیہ طور سے بھیجا کرتے تھے۔

کان محمد بن اسمٰعیل بن الصادق مع عمہ موسیٰ الکاظم یکتب لہ فی السر الیٰ شیعتہ فی الآفاق۔ (عمدۃ الطالب ص۲۲۳)

محمد بن اسمٰعیل بن الصادق اپنے چچا موسیٰ الکاظم کے پاس خط و کتابت کا کام کرتے تھے جو وہ اپنے طرفداروں کو بیرونجات میں بھیجا کرتے تھے۔

یہی مولف مزید لکھتے ہیں کہ محمد مذکور نے اپنے چچا کے یہ سب راز امیرالمومنین ہارون الرشیدؒ پر اس وقت ظاہر کر دیے (اظہر اسرارہ) جب وہ ایک حج کے موقعہ پر مدینہ میں آئے تھے جناب موسیٰ کو امیرالمومنین مدینہ سے اپنے ساتھ لے گئے پہلے بصرے میں رکھا پھر بغداد میں نظربند کیے جانے کا حکم صادر کیا۔ محمد مذکور کے بھائی علی بن اسمٰعیل کے بارے میں علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے چچا کی مخبری کرتے تھے انھیں بھی ان پر نگران مقرر کیا گیا (موکلاً علیہ) مولف عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ محمد بن اسمٰعیل تو امیرالمومنین ہی کی معیت میں عراق چلے گئے تھے خلیفہ سے

صلہ بھی حاصل کیا اور بغداد ہی میں فوت ہو گئے۔

خرج معہ الی العراق ومات ببغداد (ص۳۳۰)	یعنی محمد مذکور ان ہی کے (خلیفہ ہارون الرشید کے) ساتھ عراق چلے گئے اور بغداد میں فوت ہوئے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جناب موسیٰ نے اپنے اس بھتیجے کو قطع صلہ رحمی و مخبری کیلئے بد دعا دی تھی جس کی وجہ سے جلد مر گئے۔ سن وفات ان کا ۱۸۰ھ بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ دونوں فرزند ابن اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) بغداد میں سکونت گزیں رہے۔ خلفاء عباسی کے خاندان سے ان کی متعدد قرابتیں بھی تھیں سطور بالا میں بہ ذکر ضمناً آیا ہے کہ ان کی چچیری بہن یعنی جناب جعفر (الصادقؒ) کی حقیقی پوتی فاطمہ بنت عبداللہ بن جعفر عباسی خاندان میں عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کو جو امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کے چچیرے بھائی تھے بیاہی تھیں۔ (کتاب نسب قریش ص۶۴) اور خود جناب جعفر (الصادقؒ) کی دو شہزادیاں فاطمہ الکبریٰ اور رقیہ جو محمد و علی فرزندان اسمٰعیل کی پھوپیاں تھیں عباسی خاندان میں امیر المومنین ابو جعفر المنصور کے سگے بھتیجے محمد بن ابراہیم (الامام) بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ کے حبالہ عقد میں یکے بعد دیگرے آئیں (کتاب نسب قریش ص۶۳) نیز جناب جعفر الصادقؒ کی تین پھوپھیاں فاطمہ و ام الحسن و ام الحسین بنات جناب علی زین العابدین داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ اور جناب ابراہیم الامام بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ سے بیاہی گئیں اور تینوں کے بطن سے اولاد بھی ہوئی (نسب قریش ص۶۳) تیسری چچیری بہن میمونہ بنت حسین بن زید بن علی زین العابدین امیر المومنین محمد المہدی عباسیؒ کی زوجہ تھیں (المعارف) ان سے اولاد بھی تھی۔ غرضیکہ جناب جعفر الصادقؒ کے یہ دونوں پوتے محمد و علی فرزندانِ اسمٰعیل بتعلقات قرابت و یگانگت خلفائے عباسی کے یہاں خوشحال زندگی بسر کرتے رہے۔ دونوں صاحب اولاد تھے۔ محمد کے دو ہی بیٹے تھے جعفر اور اسمٰعیل ثانی اور علی کے بھی صرف دو ہی فرزند تھے محمد اور ابوالحسن اسمٰعیل ثالث۔ ان سب سے نسل چلی کتب انساب میں ان کے اخلاف کے نام و تذکرے تفصیلاً درج ہیں عبیدیوں کے وضعی شجروں میں ان میں سے کسی کا نام نہیں ملتا۔

عبیدیوں نے محمد بن اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) کو اپنا ساتواں امام قرار دینے کی غرض سے طرح طرح کی کہانیاں وضع کی ہیں جو واقعات تاریخ کے سراسر خلاف ہیں۔ زمانہ حال کے ایک اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں:۔

"مولانا جعفر صادق نے مولانا محمد بن اسماعیل کو چھپا دیا کیونکہ بنی عباس ان کی جان لینے کے درپے تھے اور میمون القداح کو جو سلمان الفارسی کے پرپوتے تھے ان کا کفیل مقرر کیا اس وقت مولانا محمد بن اسماعیل کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ بحوالہ کتاب عیون الاخبار ص ۳۵۴ ج ۵) امام محمد کے والد کا جب انتقال ہوا تو محمد کی عمر ۲۶ سال تھی اور ان کے بھائی علیؑ کی ۱۸ سال کی تھی) عوام الناس کے اطمینان کے لئے امام موسیٰ کاظم کو جنھوں نے تاویل و حقیقت کا درس لیا تھا آپ کا حجاب یا مستودع (یعنی ظاہری نائب) اور میمون القداح کو آپ کا کفیل (یعنی باطنی نائب) مقرر کیا تاکہ لوگ آپ کو بھول جائیں اور امام موسیٰ کاظم کی طرف متوجہ ہو جائیں اس لئے آپ محمد مکتوم کہے جاتے ہیں اکثر شیعہ موسیٰ کاظم کے پیرو ہو گئے۔ مولانا جعفر صادق نے اپنے پوتے محمد بن اسماعیل کے رتبے کو چند اہل اخلاص و معرفت کے سوا خاص و عام دونوں سے چھپایا موسیٰ کاظم کو جب مستودع یا حجاب کا مرتبہ مل گیا تو انھوں نے یہ دعویٰ شروع کیا کہ میں ہی مستقر امام ہوں اور لوگوں کو دھوکا دے کر اپنی اور اپنی اولاد کی طرف امامت منتقل کر لی"

(کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام ص ۱۵۵)

جس کسی نے یہ لچر کہانی وضع کی ہے اُسے تاریخ و انساب کی معلومات مطلق نہ تھیں۔ محمد مذکور کے والد اسمٰعیل جب بوقت وفات ستائیس اٹھائیس برس کے تھے تو بیٹے کو ۲۸ سال کا بتانا انتہائی لغو بیانی ہے۔ محمد مذکور کے دادا جناب جعفر (الصادقؒ) کی ولادت سنہ ۸۰ھ کی تھی بیس سال کی عمر میں بالفاظ دیگر سنہ ۱۰۰ھ میں اگر ان کی شادی ہوئی جو زیادہ قرین قیاس ہے تو ان کے ان منجھلے صاحبزادے اسمٰعیل کی ولادت چار پانچ سال بعد ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ میں ہوئی ہوگی سنہ ۱۳۳ھ میں انتقال ہو گیا یعنی ستائیس اٹھائیس سال کی عمر میں اس وقت ان کے بڑے بیٹے محمد مذکور پانچ چھ برس کے ہوں گے نہ کہ ۲۸ سال کے۔ اپنے ہاشمی خاندان کے ایسے طفل صغیر اور معصوم بچے سے عباسی خلافت کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا کہ اس بچے کی جان لینے کے درپے ہوتے اور جناب جعفر (الصادقؒ) ہی اپنے اس صغر سن پوتے کو عباسیوں سے کیوں چھپاتے جن سے بعید ہونے کے علاوہ متعدد قرابتیں بھی تھیں جن کا ذکر سطور بالا

میں کیا گیا ہے۔ عباسیوں کی دشمنی کا یہ جھوٹا افسانہ ظاہر ہے اس لئے تراشا گیا کہ اس زمانہ سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد عبیداللہ از نسل میمون القداح مجوسی فاطمیت کے ادعائے کاذبہ کے ساتھ مہدی موعود اور محمد بن اسمٰعیل کی اولاد ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرکے اسلامی سیاسی نظام اور خلافت عباسیہ کے درپے تخریب ہونے والا تھا۔

اب اس موقع پر عبیداللہ مذکور کے دعوے نسب کی مختصر کیفیت مستند نسابین کی زبانی سنئے:۔ واضح رہے کہ اس عبیداللہ کا نام سعید تھا مغربی افریقہ میں مہدویت کے دعوے کے ساتھ اس نے اپنے دادا کے نام پر اپنا نام عبیداللہ رکھا تھا۔

علامہ ابن حزم نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ عبیداللہ نے پہلے تو جناب جعفر (الصادقؒ) کے بڑے بیٹے عبداللہ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ جناب محمدؒ (الباقر) کی اولاد کے تذکرے میں کہتے ہیں کہ:۔

ان بنی عبید ولاة مصر الآن قد ادعوا فی اول امرھم الی عبد اللہ بن جعفر بن محمد ھٰذ فلما صح عندھم ان ھذا المریقب الا ابنة واحدة ترکوہ و انتموا الی اسمٰعیل بن جعفر محمد۔ (جمھرة المناسب ابن حزم)	بنی عبید نے جو اس وقت مصر میں حکمران ہیں پہلے پہل تو عبیداللہ بن جعفر بن محمد سے اپنے کو منسوب کرنے کا ادعا کیا مگر جب انھیں اس بات کی صحت ہوگئی کہ ان عبداللہ کے سوائے ایک بیٹی کے اور کوئی عقب نہ تھا ان کو تو چھوڑ دیا اور اسمٰعیل بن جعفر بن محمد سے اپنے کو منسوب کر دیا۔

شیعہ مؤلف عمدة الطالب بھی فرماتے ہیں کہ :۔

ان المھدی (عبیداللہ) اولھم منسوب الی انه محمد بن اسمٰعیل بن الصادق لصلبه و زمانه لا یحتمل ذلك ص۲۳۲	(عبیداللہ مدعی) مہدی نے پہلے تو یہ ادعا کیا کہ وہ بنی محمد بن اسمٰعیل بن صادق ہے صلب اسمٰعیل) سے مگر زمانہ اس کے اس (دعویٰ) کا متحمل نہیں ہو سکتا

کیونکہ محمد مذکور اور عبیداللہ مدعی کے زمانہ میں تقریباً ایک صدی کا فرق آتا ہے۔ آخر میں محمد بن اسمٰعیل کے بیٹے حسین کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر محمد مذکور کا نہ کوئی تیسرا بیٹا تھا اور اور نہ کسی بیٹے کا نام حسین تھا علامہ ابن حزم نے اس کے جھوٹے دعوے پر یہ ریمارک کیا ہے:۔

ومرة ادعی۔ انه ولد الحسین بن محمد بن اسمٰعیل ابن جعفر وکل ھٰذہ	اور کبھی یہ ادعا کیا کہ وہ حسین بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کی اولاد ہے یہ سب دعویٰ اس کا

دعویٰ مفتعلۃ لان محمد بن اسمٰعیل بن جعفر لم یکن لہٗ قطُّ ولدٌ اسمہ الحسین وھذا کذبٌ فاحشٌ ولانّ مثل ھذا النسب لا یخفیٰ علیٰ من لہٗ اقلُّ علم بالنسب ولا یجھل اھلہ الّا جاھلٌ (جمہرۃ الانساب ص۵۴)

شرمناک ہے کیونکہ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کے حسین نام کوئی بیٹا تھا ہی نہیں یہ سب تو کھلا کھلا جھوٹ ہے۔ جس شخص کو انساب کا ذرا سا بھی علم ہوگا اس سے ایسا نسب مخفی نہیں رہ سکتا اور نہ اہل خاندان (یعنی بنی ہاشم) میں سے کوئی اس سے ناواقف رہ سکتا ہے سوائے جاہل کے۔

علامہ ابن حزم متولد ۳۸۳ھ و متوفی ۴۵۶ھ عبیدیوں کے زمانے میں تھے اور ان مدعیان فاطمیت کے حالات و واقعات سے واقفیت بھی کافی رکھتے تھے لیکن ان سے بھی زیادہ فیصلہ کن بیان اس بارے میں کتاب نسب قریش کے مولف مصعب زبیری متولد ۱۵۶ھ و متوفی ۲۳۶ھ کا ہے جو محمد و علی فرزندانِ اسمٰعیل بن جعفر اور ان کی اولاد کے نہ صرف ہم زمانہ تھے بلکہ متعدد قرابتیں بھی ان کے خاندان کی اس گھرانے سے تھیں انھوں نے ذاتی علم و واقفیت سے محمد مذکور کے صرف دو بیٹے جعفر و اسمٰعیل بتائے ہیں کوئی تیسرا بیٹا حسین نام نہیں بتایا اس لئے ابن حزم کا یہ ریمارک صحیح ہے کہ عبید اللہ کا یہ دعویٰ کہ وہ حسین بن محمد بن اسمٰعیل کی اولاد ہے شرمناک اور کھلا کھلا جھوٹ تھا۔ خود ایک ذی علم اسماعیلی مصنف[1] نے صراحتاً تسلیم کیا ہے کہ ان کے آئمہ کے صحت نسب پر جو اعتراضات ہیں "باوجود اس کے کئی دفعہ اس کے متعلق سوالات کئے گئے ہمارے نہ تو کسی امام نے اور نہ کسی داعی نے تشفی بخش جواب دیا (کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت مطبوعہ حیدرآباد دکن ص۱۶۳) دعوے نسب ہی جب بے بنیاد تھا جواب کیا دیتے عبیدیوں نے جس مقصد سے یہ زبردست سیاسی تحریک مذہب کی آڑ لیکر چلائی تھی۔ ان ہی اسماعیلی مولف کی زبانی سُنئے جن کی کتاب کے اقتباسات اوپر نقل ہوگئے ہیں" فرقہ اسماعیلیہ کے بانی "کی ذیلی سرخی سے لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارے قدیم اسماعیلی دعوت کی تعلیم اسلام کی تعلیم سے مختلف نظر آتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تعلیم کا بانی کون ہے اور کب سے اور کس طرح یہ شروع ہوئی اس کے بانی ایرانی نژاد میمون القداح یا ان کے فرزند

---

[1] ڈاکٹر زاہد علی بی۔ اے مولوی فاضل (پنجاب) ڈی فل (آکسن) سابق پروفیسر عربی و وائس پرنسپل نظام کالج حیدرآباد (دکن)

سیدنا عبداللہ ہیں" (ایضاً صلا)

ان ہی اسماعیلی مولف نے ایک اور ذیلی عنوان قایم کیا ہے "اسماعیلی دعوت کے محرک اور اس کا مقصد" اس کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔

"سیدنا عبداللہ (عبیداللہ) نے اسماعیلی دعوت قایم کی جس سے آپ کا مقصد ایک مذہبی تحریک پیدا کرنا تھا جو خلافت عباسیہ کا مقابلہ کر سکے جو اس زمانے میں برسر حکومت تھی۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک انجمن بنائی جس میں ایسے افراد شریک کئے جو بالطبع معتزلیوں کے خیالات اور فلسفیوں کی کی رایوں کی طرف مائل تھے۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے اہل بیت کی مدد لینا پڑی تاکہ وہ شیعہ جن کو اہل بیت سے محبت تھی اسے جلد قبول کر لیں ....
شیعہ جو اس زمانہ کی موجودہ حکومتوں یعنی حکومت عباسیہ بغداد اور حکومت امویہ اندلس سے ناراض تھے اہل بیت کے کسی نہ کسی فرد کو اپنا حق لینے کے لئے ابھارتے اور اسے حکومت کی ترغیب دلا کر اپنا امام بناتے اور اس کی قیادت میں عباسیوں اور امویوں کا مقابلہ کرتے۔ بعض وقت تو صرف اس کے نام سے فائدہ اٹھاتے تھے حالانکہ وہ خود ایسی تحریک کو پسند نہ کرتا تھا چنانچہ مولانا علی کے فرزند مولانا محمد بن الحنفیہ کے نام سے دعوت کی جاتی تھی اور آپ خود اس سے انکار فرماتے رہے اسی طرح سیدنا عبداللہ (عبیداللہ بن میمون القداح نے ایک ایسی دعوت قائم کی جو مولانا جعفر کے حکم کے خلاف تھی۔ ------.
کہا جاتا ہے کہ سیدنا عبداللہ میمون نے خفیہ طور پر مال و دولت حاصل کرنے کے لئے ایک جماعت تیار کی اور ظاہر میں اپنا مکر و فریب چھپانے کے لئے مولانا محمد بن اسماعیل کی طرف دعوت کرتے رہے ان داعیوں کے ایرانی النسل ہونے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ انھوں نے اس قسم کے خیالات پھیلائے ہوں (یعنی مولانا علی الوہیت وعقیدہ تناسخ وحلول) کیونکہ ایرانی بالطبع حلول وتناسخ کے قائل تھے یعنی اپنے بادشاہوں کو خدا مانتے تھے۔ ہم شیعوں کے اکثر عقائد یعنی حکومت کا ایک موروثی امر ہونا اس کا باپ کے بعد بیٹے میں منتقل ہونا بھی ایرانی خیالات سے تعلق رکھتا

ہے عربوں میں انتخاب کی رسم جاری تھی یشریعت کے ہر عمل کی تاویل کرنے سے سیدنا میمون اور ان کے فرزند عبداللہ جیسے داعیوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ لوگ باطن سے واقف ہو کر شریعت کو معطل سمجھیں" (ص ۲۱۳)

اسماعیلی مصنف کا مندرجہ بالا اقتباس کسی تشریح کا محتاج نہیں، وہ صاف کہتے ہیں کہ اس تحریک کا بانی ایرانی نژاد معالج چشم میمون کا بیٹا عبیداللہ تھا اور مقصد اس کا مسلمانوں کے دین و مذہب کی بیخ کنی اور اسلامی سیاسی نظام کی تخریب تھا چنانچہ مزید کہتے ہیں کہ:-

"سیدنا عبیداللہ بن میمون القداح نے اپنے اسماعیلی مذہب کی بنیاد اس اصول پر رکھی کہ آنحضرت صلعم نے ظاہری شریعت کی تبلیغ کی، باطنی شریعت کے لئے آپ نے مولانا علی کو قائم کیا۔ مولانا علی اور آپ کے بعد جو چھ امام گذرے انھوں نے باطنی شریعت کو مکمل کیا ساتویں امام مولانا محمد بن اسمٰعیل نے شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کر کے باطنی شریعت جاری کی . . . . .

گویا آپ کے زمانے سے ظاہری اعمال یعنی نماز وغیرہ کے ادا کرنے اور شرعی محرمات سے بچنے کی ضرورت نہیں رہی ان کی تاویل کی معرفت کافی ہے" (ص ۲۱۳)

تاویل کے سلسلے میں مصنف مذکور نے تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

"کیا ہم اپنے ایسے مذہب کو اسلام کے موافق کہہ سکتے ہیں جس کی توحید میں کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر لا امام الزمان ہو۔ جس میں آنحضرت صلعم کے بعد ایک اور ساتواں رسول پیدا ہو گیا ہو (یعنی محمد بن اسمٰعیل بن جعفر) جس میں مولانا علی رسول اللہ کی زندگی تک آپ کی رسالت میں شریک ہوں، جس میں مولانا علی اور آئمہ رسول اللہ سے چار درجے افضل مانے گئے ہوں، جس میں قرآن مجید۔ توراۃ اور انجیل کی طرح ایک تحریف شدہ کتاب سمجھی گئی ہو جس میں شریعت محمدی کے ظاہر کی توہین ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے سنہ ۱۳۰ھ کے بعد سے (یعنی بوقت وفات اسمٰعیل بن جعفر الصادق) اسے معطل کر دیا ہو۔ جس میں ہم نے اپنی سیادت و حکومت برقرار رکھنے کے لئے تقیہ اختیار کیا ہو اور مختلف مواقع پر مختلف تعلیمیں دی ہوں۔ جس میں امام محرمات اور فواحش کے مرتکب ہونے پر

" بھی امام باقی رہتا ہو جس میں امام کی تعظیم و تکریم میں سجدہ غیر منکر سمجھا گیا ہو جس میں ہم اپنے آپ کو بجائے "عبداللہ" لکھنے کے "عبدالمستنصر" یا "عبد سیدنا و مولانا" لکھتے ہوں۔ وغیرہ" (صـ۲۳۳)

ایسے ہی تاویلات باطلہ کے چور دروازے سے بقول ابن قیم دشمنانِ اسلام نے ملّت اسلامی میں داخل ہونے کی جسارت کی تھی۔

وانما دخل اعداء الاسلام من المتفلسفة والقرامطة والباطنية والاسماعيلة والنصيرية من باب التاويل۔ (اعلام الموقعين عن رب العالمين)	تحقیق کہ متفلسفہ قرامطہ و باطنیہ اسماعیلیہ و نصیریہ جیسے دشمنان اسلام تاویل ہی کے دروازے سے داخل ہوئے۔

پچھلے اوراق میں مختصراً ذکر آیا ہے کہ تیسری چوتھی صدی ہجری میں وضعی حدیثوں کے ذریعہ جن کا ذکر آگے آتا ہے یہ پروپگنڈا شدت اختیار کر گیا تھا کہ جلد ہی مہدی کا ظہور ہونے والا ہے جو نسل فاطمہ سے ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ عبیداللہ نے اسی پروپگنڈے کے ذریعہ مغربی افریقہ کے نیم وحشی بربری قبیلے کتامہ میں اپنے متبعین کی کثیر تعداد فراہم کی ۳۰۲ھ میں مصر کے فتح کرنے کے لئے زبردست مہم بھیجی، مگر عباسی عامل کے لشکر کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی سات ہزار مقتول اور تقریباً اسی قدر اسیر ہوئے ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج۱۲ ص۲۵)

لیکن ساٹھ سال بعد ۳۶۲ھ میں جب عباسی خلافت کے مصری عامل کی حربی قوت کمزور تھی عبیدیوں کے قائد جوہر کو مصر پر قبضہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد سے شام فلسطین و حجاز پر جہاں ان سے پہلے ان کے ہم عقیدہ ایجنٹ قرامطہ فتنہ و فساد اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر چکے تھے بار بار حملے کر کے عارضی تسلط بھی کر لیا تھا۔

علاقہ سندھ و ملتان میں قرامطہ اور اسماعیلیہ کو جو باطنیہ کہلاتے تھے تھوڑی مدت کے لئے سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو گیا تھا۔ بشاری مقدسی سیاح کے قول کے مطابق چوتھی صدی ہجری سندھ کے پایۂ تخت منصورہ میں تو ایک قریشی حاکم حکومت کرتا تھا مگر خطبہ عباسی خلیفہ کا پڑھا جاتا تھا (یخطبون للعباسی) اور ملتان میں اس وقت اسماعیلیہ باطنیہ کو اقتدار حاصل ہو گیا تھا جو مصر کے عبیدی فاطمی کا خطبہ پڑھتے تھے (اما الملتان فیخطبون للفاطمی) یہ زمانہ امیر المومنین القادر باللہ عباسی کا عہد خلافت تھا۔ وہ بذات خود بڑے پایہ کے عالم

و فقیہ اور صاحب تصنیف تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

كان الخليفة القادر بالله من خيار الخلفاء وسادات العلماء في ذلك الزمان و كان كثير الصدقة حسن الاعتقاد وصنف قصيدة فيها فضائل الصحابة وغير ذلك (البداية والنهاية ج ۱۱ ص ۳۔)	خلیفہ القادر باللہ نیک سیرت خلفاء میں سے اور اس زمانہ کے سادات العلماء میں سے تھے بہت زیادہ خیرات کرتے تھے بڑے اچھے عقیدے کے تھے۔ انھوں نے فضائل صحابہ وغیرہ میں قصیدہ بھی تصنیف کیا تھا۔

مسلمانان عالم کے مذہبی مقتدا کی حیثیت سے اس عالم و فاضل خلیفہ نے عزب دین سرگرمیوں کے سدباب کے لیے موثر تدابیر اختیار کیں عراق و بغداد کے معتزلی و علماء و فقہاء کے خیالات درست کئے وہ سب عقائد باطلہ سے تائب ہوئے اور تحریراً مقرر ہوئے کہ آیندہ سے مخالف اسلام کوئی بات نہ کریں گے علامہ ابن کثیرؒ نے ۴۰۸ھ کے واقعات کے سلسلہ میں امیرالمومنین کی ایسی دینی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :۔

وفي سنة ثمان واربعمائة استتاب القادر بالله الخليفة فقهاء المعتزلة فاظهروا و تبرؤا من الاعتزال والرفض والمقالات المخالفة الاسلام واخذت خطوطهم بذلك وانهم متى خالفوا احل فيهم من النكال والعقوبة ما يتعظ به امثالهم۔ (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۶)	اور ۴۰۸ھ میں خلیفہ القادر باللہؒ نے معتزلی فقہاء سے (ان کے عقائد سے) توبہ کروائی انھوں نے عقائد اعتزال و رفض اور مخالف اسلام مقالات سے تبرا کر کے اظہار رجوع کیا خلیفہ نے ان سے تحریراً اقرار لیا کہ اس کے بعد سے جب کبھی وہ اس کے خلاف کریں تو ایسی سزا اور عقوبت کے مستوجب ہوں گے جو دوسروں کے لئے عبرت ہو۔

پھر سلطان محمود غزنویؒ کو فرمان بھیجا کہ روافض و اسماعیلیہ و باطنیہ و قرامطہ و جہمیہ والمشبہ گمراہ فرقوں کی تحریکات کا قلع قمع کریں چنانچہ سلطان غازیؒ نے امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل میں ہندوستان کے علاقہ جات سندھ و گجرات سے لیکر خراسان تک ان فرقوں کی سرکوبی کی[۱]

---

[۱] کراچی سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر چوکنڈی قبریں قرامطیوں کی جو منقش پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اب تک اسکی یادگار ہیں کہ اس نواح میں قرامطہ کو اقتدار حاصل تھا۔ علامہ ابن کثیر نے بعض حکمرانوں کا ذکر کیا ہے جنھیں سلطان محمود غزنویؒ نے گرفتار کیا تھا منجملہ ان کے "ملک کراشی" کا بھی نام لیا ہے "کراشی" سے مراد اگر یہی "کراچی" ہو تو کیا عجب یہ قرمطی حکمران ہو جسے سلطان غازی نے گرفتار کر لیا تھا۔

وامتثل محمود بن سبکتگین امر امیرالمومنین فی ذلک (ایضاً)

اور (سلطان) محمود بن سبکتگین نے امیرالمومنین کے حکم کی اس بارے میں تعمیل کی۔

علاقہ سندھ کے بعض مقامات پر جیسا ابھی ذکر ہوا قرمطیوں کو ایسا اقتدار حاصل تھا کہ مصر کے الحاکم عبیدی کا خطبہ پڑھتے اس کا نام سنتے ہی تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور جبین نیاز زمین پر رکھتے۔

اذا ذکر الخطیب الحاکم یقوم الناس کلهم اجلالاً له وکذلک فعلوا بدیار مصر مع زیادة السجود وکانوا یسجدون عند ذکره۔

(ایضاً ج ۸ ص ۲۳۶)

جب (قرمطی) خطیب الحاکم (عبیدی) نام لیتا تو سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور یہی عمل وہ دیار مصر میں کرتے بلکہ مزید بر آں سجدہ کرتے یعنی اس کا ذکر آتے ہی سربسجود ہو جاتے تھے۔

سلطان غازی نے امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل میں گمراہ فرقوں کی تادیب کی غرض سے کئی بار ملتان وسندھ و گجرات پر یورش کر کے فتح کیا اور امیرالمومنین القادر باللہ عباسیؒ کے نام کے خطبے پڑھوائے مصر کے عبیدی کو جب ان حالات کی اطلاعیں پہنچیں سلطان غازی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُن کی خدمت میں وفود کے ذریعہ مکاتیب اور ہدیے بھیجے مگر سلطان نے ان کے مکاتیب اور ہدیوں کو نذر آتش کرا دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:۔

وکان (سلطان محمود) یخطب فی سائر ممالکه للخلیفة القادر بالله وکانت رسل الفاطمیین من مصر تفد الیه بالکتب والهدایا لاجل ان یکون من جهتهم فیحرق بهم ویحرق کتبهم وهدایاهم۔

(البدایة والنهایة ج ۱۲ ص ۲۹)

اور وہ (سلطان محمود) اپنے زیر حکومت سب ممالک میں امیرالمومنین القادر باللہؒ کے نام کا خطبہ پڑھوائے۔ مصر کے فاطمی (عبیدی) حکمرانوں کے جو سفرا ہدیے اور مکتوبات لے کر سلطان کی خدمت میں اس غرض سے آتے کہ وہ ان کے طرفدار ہوں وہ انھیں آگ میں جلوا دیتے اور ان کے ہدیوں اور تحریرات کو نذر آتش کرا دیتے۔

غرضیکہ چوتھی پانچویں صدی ہجری کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب عبیدیوں اور ان کی دشمن اسلام تحریک کو توہم پرست عوام میں مہدویت اور فاطمیت کے پروپگنڈے کی بدولت کامیابیاں

حاصل ہو رہی تھیں اسی زمانے میں اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء و فقہاء نے جنھیں فضائل علمیہ کی بدولت بعد میں سند کا درجہ حاصل ہوا عبیدیوں کے ادعاء فاطمیت کا پول کھولنے اور ان کے ملحدانہ عقیدے کا پردہ فاش کرنے کی غرض سے قلم اٹھایا چنانچہ شافعی مسلک کے ممتاز عالم و فقیہ قاضی محمد بن الطیب ابوبکر باقلانی نے "کشف الاسرار وہتک الاستار" نام کتاب اسی مقصد سے تالیف کی جس میں باطنیہ و اسماعیلیہ کے ملحدانہ عقائد کی نقاب کشائی کرکے ثابت کیا تھا کہ ظاہر ظہور ان کا رفض ہے اور باطن کفر محض۔ نہ رسالت ان کے نزدیک کوئی چیز ہے نہ کلام ربانی چنانچہ اسماعیلی مولف نے اپنے ائمہ کے اقوال کو جو قرآن شریف کے بارے میں ہیں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

"رسول خدا نے کلام اللہ جمع کرکے اسے اپنے اصحاب کے سامنے اپنے وصی (یعنی حضرت علیؓ) کے سپرد فرمایا (بعد رحلت رسول اللہ) یہ لوگ اس سے بے پرواہ ہوگئے اور اپنی رائے اور قیاس سے ایک الگ قرآن جمع کیا۔ اس کے بعد خلیفۂ ثالث (یعنی حضرت عثمانؓ) نے شیخین (یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ) کا جمع کیا ہوا نسخہ جلا ڈالا اور ایک دوسرا نسخہ تیار کیا پھر حجاج (یعنی امیر حجاج بن یوسف ثقفی) آیا اور اس نے خلیفہ مذکور کے نسخے کو پھینک کر آگ میں جھونک دیا اس کے بعد اس نے جو چاہا نکال دیا اور ایسی کتاب تالیف کی جو اب ان کے (یعنی مسلمانان عالم) کے پاس موجود ہے" (کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت ص)

یہ بیان بکواس لائق اعتناء نہیں غیر مسلم مورخین و مصنفین کو بھی اعتراف ہے کہ مصحف سماوی میں صرف قرآن مجید ہی ہے جو جیسا نازل ہوتا رہا ویسا ہی بلا تغیر و تبدل و تحریف اب تک موجود و محفوظ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ اس کی حفاظت کا کہ انا لہ لحافظون لاثانی و بے مثال معجزہ ہے[1]۔ اسماعیلیہ و باطنیہ کی ملحدانہ دعوت کو عوام کالانعام میں چونکہ فاطمیت کے ادعاء سے

---

[1] قرآن شریف خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں اسی ترتیب سے جو جیسا کہ ہے مرتب کرادیا تھا اور چند انصاری صحابہ نے آپ کی حیات ہی میں پورا قرآن لکھ کر اپنے پاس رکھا تھا خود آنحضور کا صحابہ کو ارشاد تھا کہ سفر میں جاتے وقت قرآن مجید کو ساتھ نہ لے جائیں ایسا نہ ہو کہ ضائع ہو جائے پھر آپ کا یہ ارشاد بھی بسند صحیح منقول ہے کہ جو مسلمان ورثے میں قرآن مجید چھوڑ جائے گا تلاوت کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔ ان حالات میں اسماعیلی ائمہ یا روافض کا یہ قول کہ آپ کی وفات کے بعد قرآن شریف جمع کرایا گیا ظاہر ہے واقعات کے سراسر خلاف ہے خلفاء راشدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے مصحف کی نقلیں کرائیں نقطے اور اعراب لگوائے یہ نہ کہ اس طریقے سے جمع کیا تھا جو دشمنی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

سوال یہ تھی اس کے جھوٹے دعوے کا بھی پول کھولنا ضروری ہوا۔ علامہ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ بغداد کے علماء و فضلاء و اشراف والعدول وصالحین و فقہا و محدثین کی جماعت نے مصر کے عبیدی حکمرانوں کے دعوئے فاطمی نسب کی تکذیب و تردید میں متفقہ طور سے محضر تیار کیا جس میں بالصراحت ثابت کیا گیا تھا کہ عبیدیوں کا کوئی واسطہ و تعلق نسب کا حضرت علیؓ کی اولاد کے کسی گھرانے سے نہیں اور نہ ہاشمیوں علویوں کا کوئی گھرانا ان لوگوں کو جانتا پہچانتا ہے وانھم لا یعلمون احدا من اھل بیوتات علی بن ابی طالب

محضر تکذیب دعوے فاطمیت

عبیدیوں کے دعوے فاطمیت کی تکذیب کے محضر پر جن اکابر علماء اور علویوں نے دستخط ثبت کئے تھے ان میں سے بعض ممتاز اشخاص کے اسماء مورخین نے درج کئے ہیں۔ مثلاً:۔

حسینی علویوں میں سے — شریف المرتضیٰ و شریف الرضی موسوی و ابن الازرق موسوی و ابو طاہر بن ابی الطیب و محمد بن محمد بن عمرو بن ابی یعلی وابن البطحاوی۔

قضاۃ میں سے — ابو محمد الاکفانی، ابو القاسم الجزری، ابو العباس الشیوری،

فقہاء میں سے — ابو حامد الاسفرایینی، ابو محمد بن الکسفی، ابو الحسن القدوری، ابو عبد اللہ الضیمری، ابو عبد اللہ البیضاوی، ابو علی بن جمکان، ابو عبد اللہ بن النعمان یہ (فقیہ شیعہ) نیز ابو بر دی اسی طرح ابو القاسم التنوخی وغیرہ صدہا شہود نے دستخط کئے تھے جن میں بقول شیعہ مولف عمدۃ الطالب بڑی کثیر تعداد بنی ہاشم یعنی عباسیوں و طالبیوں کی تھی جن کو مؤلف مذکور نے عن الاشراف (صلے) کہا ہے کہ اشراف سے مراد قریشیوں ہاشمیوں سے ہے۔ حرمین شریفین کے علماء و فضلاء و شرفائے مکہ نیز اندلس کے اموی حکمرانوں اور مغربی افریقہ کی ادریسی حسینیوں نے بھی ان مدعیان فاطمی نسب کا انکار کیا تھا۔

مستشرقین نے غیر جانبدارانہ بے لاگ تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ عبیدیوں کا نسباً کوئی تعلق اولاد علیؓ سے نہ تھا۔ اس سلسلے میں پروفیسر براؤن نے محقق دے خوئے کے بعض دلائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"فاطمیوں کے دعوے نسب کی اصلیت تو بہت کچھ زیر بحث رہا ہے وزن شہادت قوی طور سے ان کے خلاف معلوم ہوتا ہے کچھ شبہ نہیں کہ عبد اللہ (عبید اللہ) بن میمون القداح ان کا اصلی مورث تھا نہ علی و فاطمہؓ۔ دے خوئے نے اس سلسلے پر حسب معمول اپنے تبحر

علمی و دقیقہ رسی سے تفصیلاً بحث کی ہے۔ مجملہ بہت سے دلائل کے جو موصوف نے عبیدیوں کی صحت نسب کے خلاف پیش کئے ہیں ان میں سے دو ایک قوی ترین دلائل کا یہاں نقل کرنا کافی ہے۔ عبیدیوں کے فاطمی نسب ہونے کا انکار عباسی خلفاء نے اور قرطبہ (اندلس) کے بنی اُمیّہ نے یکساں طور سے کیا تھا حالانکہ عباسیوں نے ان علوی مدعیوں کے نسب کی قدح کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی جو ان کے خلاف مسلسل طور سے علم بغاوت بلند کرتے رہتے تھے اور بعض باغی ان میں ایسے خطرناک تھے جن کا مقابلہ دشوار بھی تھا لیکن صحیح النسب ہونے کی وجہ سے نسب کا انکار نہیں کیا گیا تھا) نیز دو مختلف مواقع پر یعنی ۴۰۲ھ اور ۴۴۴ھ میں بغداد کے علوی خاندان کے مسلم نمایندوں[۵] نے عبیدیوں کے دعوے نسب کا انکار کیا تھا۔ مزید برآں عضد الدولہ بویہی نے

---

۵ علامہ ابن کثیر اور ابن خلدون و دیگر مورخین نے شریف المرتضیٰ والرضی موسوی اور دوسرے علوی اکابر کے اسماء کی فہرست درج کی ہے جنھوں نے عبیدیوں کے فاطمیت کی تکذیب و تردید میں جیسا ابھی ذکر ہوا محضر پر دستخط ثبت کئے تھے یہ موسوی حضرات تو محمد بن اسمٰعیل مذکور ہی کے چچا کی اولاد تھے دوسرے موسویوں کی بہ نسبت ان دونوں بھائیوں المرتضیٰ والرضی میں مذہبی غلو کے علاوہ عصبیت خاندانی کا مادہ بھی بہت زیادہ تھا اور بقول شیعہ مولف عمدۃ الطالب شریف الرضی تو امیدوار خلافت کے بھی تھے وکان الرضی یترشح الی الخلافۃ قبیلہ قریش میں بہ قیادت و امامت کا اپنے ہی کو سب سے زیادہ موزوں و مستحق بھی جانتے تھے چنانچہ ان کے کلام میں بہت سے اشعار اس جذبہ کے اظہار میں ملتے ہیں۔ نام ان کا محمد تھا ذیل کے شعر ذرا ملاحظہ ہوں اپنے کو امیر المومنین محمد کہکر تفاخراً آبائی رنگ میں جو اخلاقاً و شرعاً مذموم ہے خود کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ اصل و نسل تمہاری کیسی طیب و پاک ہے۔ ماں فاطمہ ہیں باپ حیدر اور نانا محمدؐ

هذا امیر المومنین محمد — طابت ارومۃ و طاب محتد

اوما کفاک بان امک فاطمہ — واباک حیدرۃ و جدک محمد

اس سلسلہ میں ایک مضحکہ خیز واقعہ یہ بیان ہوا ہے کہ شریف الرضی کے آخر زمانہ میں جب عبیدی مدعیان فاطمیت کی حکومت کو مصر میں عروج ہوا تو رضی نے بلا تحقیق کئے انھیں نسباً علوی جان کر قصیدہ لکھا جس کے ایک مصرعہ میں حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی بتا کر کہا تھا؟ سید الناس جمیعاً محمد و علی پھر یہ بھی کہا تھا کہ ہم تو یہاں بغداد میں دشمنوں کے اندر ذلیل و خوار ہیں بحالیکہ مصر میں علوی خلیفہ ہے جس کے آباؤ اجداد وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ امیر المومنین القادر باللہ کے سمع مبارک تک جب رضی کا یہ قول پہنچا ان کے باپ احمد موسوی کو جو اعلیٰ منصب پر فائز تھے طلب کرکے پوچھا گیا کہ تم لوگوں کے ساتھ یہاں کیا ذلت کا برتاؤ ہے اور عبیدیوں سے کیا توقعات وابستہ ہیں ابو احمد نے حلفیہ بیان کیا کہ میرے بیٹے کے یہ شعر نہیں ہیں کسی دشمن نے منسوب کر دیئے ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۸۰ پر)

۴۰۲ھ میں عبیدیوں کے ادعائے نسب کی جب تحقیق کرائی تھی اور نتیجہ تحقیقات سے وہ اس درجہ غیر مطمئن رہا تھا کہ باوجود شیعیت کی جانب زبردست رجحان رکھنے کے عبیدیوں کے علاقے پر چڑھائی کرنے کی اس نے دھمکی بھی دی تھی اور ان کی تمام تحریرات کو جلوا دینے کا حکم بھی دے دیا

(بقایا نوٹ صفحہ ۹۷ کا) رضی نے بھی حلف اٹھایا ابن کثیر لکھتے ہیں هم ینکرون ذلك حتی بعث الشیخ ابا حامد الاسفرایني والقاضي ابا بکر الیهما فحلف لهما بالایمان المؤکدة انه ماقاله یعنی باپ بیٹے برابر انکار کرتے رہے حتی شیخ ابو حامد اسفرایني اور قاضی ابوبکر کو ان کے پاس بھیجا گیا انھوں نے ان کے سامنے شدید قسمیں کھا کر حلف اٹھایا کہ رضی نے یہ شعر نہیں کہے۔ علامہ ابن کثیر نے تو واللہ اعلم بحقیقۃ الحال لکھ کر یہ بھی کہہ دیا کہ روافض کے خصائص میں تو دھوکہ اور فریب کا شمول ہی ہوتا ہے مگر ابن ابی الحدید نے تو صاف لکھا ہے کہ شریف المرتضیٰ نے الرضی کی طرح تقیہ سے دستخط کئے تھے کیونکہ ان کو عباسی خلیفہ سے خوف بھی تھا اور غرض ان کی تسکین سے بھی تھی۔ (ج ۱ ص ۳۷) ابن ابی الحدید نے یہ الفاظ مندرجہ ذیل فقرات کی تشریح میں لکھے ہیں جو نہج البلاغہ کے مصنف نے حضرت علیؓ کی زبان سے عبیدیوں سے فاطمی نسب ہونے کے ثبوت میں ادا کرائے ہیں:۔

ثم یظهر صاحب القیروان الغض البض ذوالحسب المحض المنتجب من سلالة ذی البداء المسجی بالرداء

پھر ظاہر ہوگا قیروان کا حاکم نوخیز و نازک اندام سچے نسب وحسب والا، بزرگ اور اعلیٰ خاندان والے چادر سے ڈھکے ہوئے کے اخلاف سے ہوگا۔

چادر سے ڈھکے ہوئے سے مراد اسمٰعیل سے ہے جو حضرت علیؓ کی وفات سے تقریباً ایک صدی بعد اپنے والد جناب جعفرؒ کی زندگی ہی میں مر گئے تھے وضعی روایتیں میں کہا گیا ہے کہ ایک چادر سے ان کو ڈھانپ کر شیعوں کو دکھایا جاتا تھا چنانچہ ان ہی کے فرزند محمد کی اولاد میں ہونے کا عبیداللہ مدعی ہوا تھا اس نے حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد مغربی افریقہ میں مہدی موعود کے روپ کے پردے میں سیاسی اقتدار حاصل کر کے علاقہ قیروان پر بھی جس کا کوئی وجود حضرت علیؓ کے زمانہ میں نہ تھا قبضہ کر لیا تھا۔ یہ واقعات مصنف نہج البلاغہ کے زمانے کے ہیں جو انھوں نے حضرت علیؓ کی زبان سے ادا کرا دیئے۔ حالانکہ نہ حضرت علی غیب داں تھے اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا علم ہو سکتا ہے۔ سورۂ انعام کی آیت ۵۰ میں فرما دیا گیا ہے کہ "اے رسول کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ مجھے غیب کا علم ہے اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے" چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں جو نہج البلاغہ کی تصنیف کا زمانہ تھا عبیدیوں کو ایسی قوت حاصل ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کے سیاسی نظام کی بالفاظ دیگر عباسی خلافت کی تخریب کے درپے ہو سکیں جو غالی رافضیوں کی دیرینہ آرزو تھی حضرت علیؓ سے خطبے تصنیف کرنے والے غالی رافضی نے اس مدعی مہدویت کے نسب کی تصدیق میں حضرت علیؓ کی زبان ہی سے کرا دینے کے لئے یہ وضعی قول صاحب موصوف سے منسوب کر دیا یہ جعلسازی بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی دنیائے اسلام کے علماء اور [illegible] انوں نے خصوصاً عبیدیوں کے دعوے کو کبھی قبول نہیں کیا۔

تھا۔ دوسری جانب دوروزی (فرقہ اسماعیلیہ) کی مقدس کتب میں صاف بیانی سے تسلیم کیا گیا ہے کہ عبیداللہ بن میمون القداح ہی اصل مورث تھا ان کے بطل برگزیدہ الحاکم ششم خلیفہ فاطمی کا جسے یہ فرقہ جو ملک شام میں بتعداد کثیر اب تک موجود ہے اپنا کامل ترین مظہر تجسیم ربوبیت و الوہیت کا سمجھتا ہے بایں‌ہمہ جب اسماعیلی معتقدات ونظریات کی اصلیت نیز اس کی فلسفیانہ اور وسیع المشرب نوعیت پر غور کیا جائے تو یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی کہ اس فرقہ کے حقیقت آشنا اور محرم راز افراد کے لئے بہرنوع یہ سوال کہ ان کے روحانی اور دنیاوی پیشوا اور حکمران (حضرت) فاطمہ دختر رسول اللہ (صلعم) کی نسل سے ہیں یا نہیں کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ ان کے نزدیک نسبتاً موجب بے اعتنائی کا ہے۔" (تاریخ ادبیات ایران انگلش ج ۱ صـ۳۹۸)

محقق دے خوسے کی مندرجہ بالا دلیل کی تائید مزید سیاسی بغاوتوں کے ان حالات سے ہوتی ہے جو "تحقیق مزید" میں ساٹھ سے زیادہ حسنی وحسینی دعویداران خلافت کے خروجوں کے پیش کئے گئے ہیں جو عرصہ دراز تک عباسی خلافت کے خلاف یکے بعد دیگرے ہوتے رہے تھے بعض نے بڑی بڑی جمعیتوں سے مقابلہ کیا تھا چند باغیوں نے اپنی سلطنتیں بھی دیلم وطبرستان ویمن وافریقہ میں قائم کرلی تھیں ان میں سے دو ایک کئی صدیوں تک قائم رہیں چونکہ یہ سب صحیح النسب تھے اس لئے عباسی خلفاء کی جانب سے نہ ان کی نسب کا انکار رہا نہ سلسلہ نسب کی قدح کی گئی اور نہ ان کی حسینی حیثیت پر کوئی طعن کیا گیا ان صحیح النسب علویوں نے سیاسی اقتدار کے حصول کی جدوجہد میں کوئی ایسی بات بھی نہیں کی جس سے دعوت محمدیہ کے ساتھ بے وفائی کا شائبہ بھی نظر آتا ہو یا ان کے سوء اعتقادی کا ثبوت ملتا ہو اس لئے علمائے اسلام نے بھی ان کے مذہبی معتقدات کے بارے میں نہ کتابیں تصنیف کیں اور نہ محضر تیار کئے۔ بغداد کے علاوہ اندلس کے امویوں اور مغربی افریقہ کے ادریسی حسینیوں کی جانب سے بھی عبیدیوں کے دعوے نسب کی تردید کی گئی اور حرمین شریفین کے ہاشمی حکمرانوں نے بھی تکذیب کی اور خود عبیدی مدعی بھی سلسلہ نسب صحیح طور سے متعین نہ کرسکے کبھی کچھ دعویٰ کیا کبھی کچھ۔ اسماعیلی مصنف فرماتے ہیں کہ :۔

"دوسرا امر جو ہمارے مہدی کے دعوے کو کمزور کردیتا ہے یہ ہے کہ مولانا مہدی کا نام علی بن حسین بتایا نہ کہ عبداللہ بن حسین جس طرح ہماری کتابوں میں ہے۔ (صـ۲۳ ایضاً)

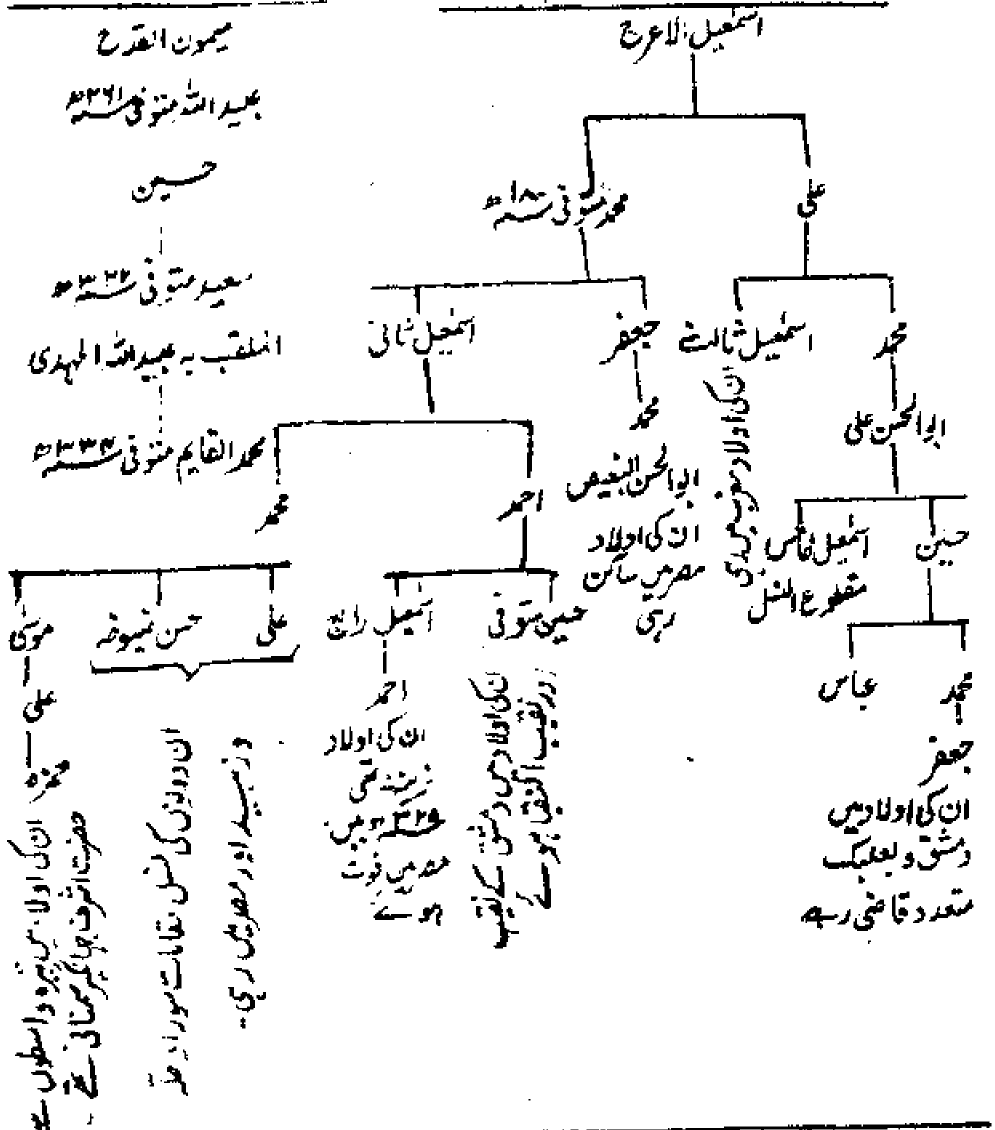
پھر سلسلۂ نسب کے بارے میں اپنے قدیم اسماعیلی داعیوں کے بیانات میں بے حد تضاد و تناقض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اگر ہم اہل ظاہر سے مورخین (یعنی عام مسلمانوں) پر یہ الزام لگائیں کہ انھوں نے ہمارے ائمہ کا صحیح سلسلہ بتانے میں غلطی کی تو ہمارا یہ الزام درست نہ ہوگا۔ قصور تو ہمارا ہے نہ کہ اُن کا ۔ ایسے اختلافات ہی کی وجہ سے اُنھوں نے یہ کہا یہ لوگ اپنے مریدوں کو دھوکا دیتے ہیں . . . . حق تو یہ ہے کہ ہم نے امامت کے جو اصول اپنی طرف سے گھڑے تھے ان پر ہم خود کاربند نہ ہو سکے اور ان کی اہمیت کو ہم خود برقرار نہ رکھ سکے ۔ واقعات کو اصول کے مطابق بتانے کے لئے کبھی ہم نے کچھ کہا اور کبھی کچھ ۔ جب تک ہمارے مہدی ظاہر نہ ہوئے تھے ہم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ آخری زمانے میں جو مہدی ظاہر ہوں گے وہ آنحضرت صلعم کے والد کے ہم نام ہوں گے اس دعوے پر ہم نے حدیث کا رنگ چڑھا دیا لیکن ہمارے مہدی جو ۲۹۷ھ میں ظاہر ہوئے ان کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام حسین تھا اس لئے ہمیں مجبوراً یہ تاویل کرنا پڑی کہ مہدی سے آپ کے فرزند مولانا محمد القاسم مراد ہیں جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا یہ تاویل کس طرح درست ہو سکتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارا دعویٰ غلط ثابت ہوا ۔ کاش مولانا احمد اپنے فرزند کا نام عبداللہ اور مولانا عبداللہ اپنے فرزند کا نام محمد رکھتے تاکہ ہمارا دعویٰ لوگوں کو دکھانے ہی کے لئے درست ہو جاتا ۔ سیدنا الخطاب نے تو مہدی کا نام علی بن الحسین بتایا ہے حالانکہ مہدی کا نام "عبیداللہ" تاریخ میں اتنا مشہور ہے کہ اہل ظاہر کے مورخین ہمارے اماموں کو "عبیدیین" کہتے ہیں ۔ مہدی کی شخصیت ہمارے دین میں بہت اہم ہے آپ کے نام ہی میں اگر ہمارے داعیوں میں اختلاف ہو تو ہمارا دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے (ص۱۸۶ ایضاً)

اسماعیلی مولف جیسے گھر کے بھیدی کے مندرجہ بالا اعتراف سے کہ ان کے ائمہ نے نسب کے بارے میں کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ عبیدیوں کے ادعائے فاطمیت کا تو گویا لنکا ہی ڈھ گیا ۔ برخلاف اس کے مستند نسابین کی تصریحات سے جن میں خود اہل خاندان کا بیان بھی شامل ہے ۔ یقینی طور سے ثابت ہے کہ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر (الصادق) کی نسل سے عراق و شام و مغرب و مصر میں متعدد ذی وجاہت گھرانے مسکن گزیں رہے اُنھوں نے نہ عبیدیوں کے دعوے کو تسلیم کیا اور نہ ان کا کوئی تعلق قرابت عبیدیوں کی خواہش کے باوجود ان سے کبھی ہو سکا ۔ اولاد اسمٰعیل بن جعفر (الصادق) کے مندرجہ ذیل شجرے کو جو ان کے اپنے خاندان کے مستند نساب کی تالیف

اور دیگر ہم عصر مولفین کی کتب انساب میں درج ہیں۔ عبیدیوں اور ان کے مورثین کے اسماء یک نظر بالمقابل ملاحظہ کرنے سے مدعیان فاطمیت کے جھوٹے دعوے کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے[1]۔

شجرہ اولاد اسمٰعیل بن جعفر (الصادق)　　　　اسماء اولاد میمون القداح مجوسی



[1] تمام مستند نسابین کے برخلاف مقریزی اور ابن خلدون نے عبیدیوں کے دعوے نسب کی حمایت کی ہے مقریزی تو اسی گروہ کے نواسے تھے ان کا بیان لائق اعتنا نہیں علامہ ابن خلدون نے بھی قیاس آرائی سے زیادہ کام لیا ہے وہ بلند پایہ مورخ تھے مگر نساب نہ تھے ان کا زمانہ عبیدی حاکمان مصر کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد کا زمانہ تھا عبیدیوں کے صحیح حالات کا ان کو ثبوت نہ ہو سکا اسمٰعیلی مولف لکھتے ہیں کہ "اسمٰعیلیوں کی انجمن جسے وہ دعوت کہتے ہیں ایک مخفی چیز ہے۔ راستبازی اور رازداری اس کی فطرت میں داخل ہے اس کے اسرار ہر کس و ناکس کو نہیں بتائے جاسکتے۔ اسمٰعیلیوں کو بھی تاویل کا علم

(بقیہ نوٹ ۱۸۴ صفحہ پر)

ذریت حسینؓ اور لقب الشریف کی تخصیص

مشہور مصری عالم سیوطی کا یہ بیان ابھی پچھلے اوراق میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مصر پر جب عبیدیوں کی حکومت قایم ہوگئی تو اولاد حسینؓ کے لئے لقب الشریف کو انھوں نے مخصوص و مختص کر لیا بالفاظ دیگر ایرانی نسل عبیدیوں نے یہ لفظ و لقب جو زمانہ قبل اسلام سے جملہ عرب قبائل کے اکابر اور ممتاز اشخاص کے لئے بلا کسی تخصیص کے مستعمل رہا تھا اپنے سیاسی اغراض کی خاطر اولاد حسین کے لئے مخصوص کر لیا جن میں شامل ہونے کے لئے یہ ایرانی نژاد یہودیت اور فاطمیت کے پروپگنڈے کے سلسلے میں مدعی ہوئے تھے۔ ان سے قبل بغداد کے شیعہ امیر الامراء بنی بویہ نے جیسا پہلے تفصیلاً بیان ہو چکا ہے جناب موسیٰ بن جعفر (الصادقؒ) کے اخلاف میں سے ابو احمد حسین موسوی کے دونوں ذی علم مگر غالی مسلک فرزندان محمد و علی کو فروغ رفض و تشیع نیز تصنیف و تدوین کتاب نہج البلاغہ کے صلے میں "محمد علی ذی الحسبتین" اور المرتضیٰ

نوٹ: بقیہ صفحہ ۱۸۳ کا) بغیر سخت عہد و پیماں کے نہیں پڑھایا جاتا علم حقیقت کے درجہ کو تو بہت ہی کم افراد پہنچتے ہیں (ص۱۲۱) دوسری جگہ کہتے ہیں "ہمارے اسمٰعیلی بھائیوں کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ خود ہماری دعوت ایک مخفی انجمن تھی جس کی کارروائی ظاہر نہیں کی جاسکتی تھی خلافت فاطمیہ کے زوال کے بعد مصر میں گنتی کے اسمٰعیلی رہ گئے تھے آج کل تو مصر میں وہاں کا کوئی مستقل باشندہ اسمٰعیلی نظر نہیں آتا شام اور فلسطین میں بھی کوئی نہیں" (ص۱۲۲) عبیدیوں کی یہ دعوت جس کی اصل حقیقت اب خود اسماعیلی مؤلف کے بیان سے بہتر طور سے منکشف ہوگئی ہے علامہ ابن خلدون پہ ہویدا نہ ہوسکی تھی ورنہ وہ عبیدیوں کو رافضی جان کر یہ نہ فرماتے کہ ان کا دین حق سے پھر جانا یا کٹر شیعہ ہونا ان کے نسب کو کب جھٹلاتا ہے۔ رفض و شیعت کی تو یہ تحریک نہ تھی بلکہ جیسا ان اوراق میں تفصیلاً بیان ہوا زبردست دشمن اسلام تحریک تھی کوئی صحیح النسب ہاشمی و علوی و حسینی اس کا بانی و محرک نہیں ہوسکتا تھا علامہ موصوف کا جید علمائے اسلام کے صدق مقال و تدین پر یہ حملہ اور ان سے یہ بدگمانی کہ بغیر تحقیق کے سنی سنائی باتوں سے انھوں نے عبیدیوں کے نسب کی تردید میں محضر تیار کیا تھا افسوسناک ہے اور اس سے بھی زیادہ ہیچ اور پوچ بات یہ کہی ہے کہ محض کمزور خلفائے بنی عباس کی خوشنودی کی خاطر ایسا کیا۔ یہ زمانہ تو امیرالمومنین القادر باللہ کی خلافت کا تھا جو تقریباً نصف صدی طویل مدت خلیفہ رہے عبیدیوں اور باطنیوں کی اسلام دشمن تحریک کے استیصال کے لئے امیرالمومنین نے سلطان محمود غزنوی کو متعین کیا تھا انھوں نے تعمیل حکم میں جو کارروائیاں کیں ان کا ذکر اوپر آیا ہے علامہ سلیمان ندوی نے اپنے مقالہ "خلافت اور ہندوستان" محمود غزنوی کے بارے میں لکھا ہے کہ

(بقایا نوٹ ۱۸۵ صفحہ پر)

ذی المجدین" خطابات عطا کرنے کے ساتھ ہی لقب الشریف کو بھی اس نوعیت سے شامل کیا کہ یہ حضرات الشریف الرضی و شریف المرتضیٰ ہی سے ہمیشہ مشہور و معروف رہے۔ ابتداء بغداد کے ایرانی النسل رافضی امیر الامراء نے کی تھی اور تکمیل مصر کے ایرانی نژاد حکمرانوں نے کی۔ یہ واقعہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے اس زمانے میں اور اس سے پہلے اور بعد بھی متعدد صحیح النسب علویوں، حسنی و حسینیوں کی حکومتیں طبرستان و دیلم، یمن و مغربی افریقہ میں قائم ہوئیں اور مدتوں تک برقرار رہیں مگر ان میں سے کسی حکمراں نے نہ لقب الشریف و السید کو باظہار نسب مختص و مخصوص کیا اور نہ طالبی و ہاشمی و علوی و حسنی و حسینی کے بجائے اظہار نسب میں فاطمی کہا۔ یہ تخصیص لقب بھی مصر کے ایرانی نژاد عبیدی حکمرانوں کے دعوے مہدویت و فاطمیت کے سلسلے ہی کی ایک کڑی سمجھئے جیسا کہ اس گروہ کے تاریخی واقعات سے جو اب تک بیان ہوئے جن کا اعادہ مختصر الفاظ میں اس موقع پر ضروری ہے۔ واضح ہوگا۔

ا۔ مسلم مورخین اور دیگر محققین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ نام نہاد فاطمی حکمران مصر کے مورث اعلیٰ میمون اور ان کا نامور فرزند عبیداللہ علاقہ اہواز (ایران) کے ایک قریہ کے باشندے اصل و نسل کے اعتبار سے ایرانی تھے منافقانہ طور سے اسلام میں داخل ہوئے وطن سے نکل کر کربلا پہنچے اور تربت حسینؓ پر اس مقصد سے معتکف ہو بیٹھے کہ ریاکارانہ زہد و عبادت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۴ کا)

"اپنی پوری جنگی قوت و طاقت کے باوجود وہ خلیفہ عصر القادر باللہ کی اطاعت کو اپنے لئے کتنا ضروری سمجھتا تھا ہر نئی کامیابی کا اطلاع نامہ دیوان خلافت میں معمولاً بھیجا جاتا تھا، کسی نئے ملک پر قبضہ و تصرف کرنے کے لئے اسی دربار سے باقاعدہ اجازت چاہتا تھا دربار خلافت سے فتوحات کے موقع پر اس کے لئے جو خلعت آتے تھے اس کی خوشی نئے ملک کی فتح سے کم اس کو نہیں ہوتی تھی اس کو دنیا کی بڑی سے بڑی عزت، بڑی سے بڑی عظمت اور بڑے سے بڑا فخر حاصل تھا تاہم اس کی سب سے بڑی عزت سب سے بڑی عظمت اور سب سے بڑا فخر یہ تھا کہ ایوان خلافت سے اس کو یمین الدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ ...... ہندوستان کے باطنی اسماعیلیوں کے استیصال پر خلیفہ نے اس کو کہف الدولہ والاسلام کا خطاب دیا" (ص ۹۰) کمزور خلیفہ کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے تعلیمات اسلامی مسخ کرنے والوں کی سیاہ چال کا پردہ جید علمائے اسلام نے چاک کیا کیونکہ فاطمیت و مہدویت کے جھوٹے پروپگنڈے سے عوام کالانعام کو دام تزویر میں پھانس کر ان کے عقاید خراب کئے جارہے تھے۔

گذار حق زائرین کو متاثر کریں اور متبعین کی جماعت بنائیں اور ان کے ذریعہ خفیہ سیاسی تحریک کی بنیاد ڈالیں، کربلا ہی کے قیام میں قرامطہ و باطنیہ کی بنیاد ڈالی بصرے اور یمن میں اپنے ایجنٹ متعین کئے۔ انہدام کربلا کے بعد ایران کے مختلف مقامات میں پھرتے رہے میمون تو اس عرصہ میں فوت ہو گیا عبیداللہ بصرے میں مقیم ہوا اسی نسبت مکانی سے بصری کہلایا چنانچہ ابن جریر طبری نے جو اس کے معاصر تھے اس کے فرزند کو ابن البصری لکھا ہے (طبری ج) آخر میں بصرے کی سکونت ترک کر کے ملک شام چلا گیا اور مقام سلمیہ میں مقیم ہو کر اپنے مخصوص داعیوں سے رابطہ قائم رکھا [illegible]ھ میں عبیداللہ کی وفات ہو گئی اس کے متبعین قرامطہ اور دوسرے داعیوں نے تحریک سرگرمی سے جاری رکھی۔

۳- دعوت عبیدیہ کا ایک کارگزار داعی ابوعبداللہ الشیعی یمن سے مصر ہوتا ہوا مغربی افریقہ کے توہم پرست و نیم وحشی قبائل میں تبلیغ دعوت کے لئے جا پہنچا اس کے ظاہری زہد و تقشف کا اثر ان بربریوں پر جن کی خصوصیات میں بقول اسماعیلی مورخ باطل پرستی توہمات میں انہماک اور سرعت قبول شامل تھے روز بروز بڑھتا گیا پندرہ سولہ برس کی مسلسل جد و جہد کے بعد بربریوں کی بڑی جمعیت اس کے ساتھ ہو گئی چنانچہ ۲۹۶ھ میں ابوعبداللہ الشیعی نے عبیداللہ کے بیٹے یا پوتے کو جس کا نام بعض مورخین نے سعید بعض نے حسین اور بعض نے عبداللہ بن حسین لکھا ہے ملک شام سے بلوا کر بمقام سجلماسہ (مغربی افریقہ) میں عبیداللہ المہدی کی حیثیت سے ظاہر کیا مگر تھوڑے عرصہ بعد ابوعبداللہ الشیعی اور اس کا بھائی ابوالعباس جو اس مہدی کے حالات سے پہلے سے واقف نہ تھے اس کی حرکتیں دیکھ کر اس سے منحرف ہو گئے اور حسب بیان اسماعیلی مولف بربری سردار کے روبرو اپنے اپنے شکوک ان الفاظ میں ظاہر کئے۔

"اس مہدی کے افعال اس مہدی کے مانند نہیں ہیں جس کی طرف میں دعوت کرتا تھا مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے اور میں نے ابراہیم خلیل اللہ کی طرح دھوکا کھایا ہے کہ جب انہوں نے تارے کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ میرا رب ہے اس لئے مجھ پر اور تم پر فرض ہے کہ ہم ان کا امتحان لیں اور ان سے ایسے اوصاف کا ثبوت طلب کریں جنھیں نسب وال امام میں ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔"

(ص ۱۲ کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت)

بعض بربری سردار بھی ابوعبداللہ الشیعی اور اس کے بھائی ابوالعباس کے ہم خیال ہو گئے مگر ان لوگوں کی بغاوت ناکام رہی مہدی نے ان سب کو مروا ڈالا اور اپنی حکومت مستحکم کر کے مغربی

افریقہ میں مہدیہ نام سے نیا شہر آباد کرکے دارالحکومت قرار دیا۔

۳۔ ۳۲۲ھ میں یہ عبیداللہ المہدی تو ہلاک ہوگیا اس کے بیٹے محمد نے جو القائم بامر اللہ کہلایا بارہ برس حکومت کی ۳۳۴ھ میں فوت ہوگیا اس کے بعد اس کا بیٹا اسماعیل بن محمد مذکور المنصور باللہ کے لقب سے حکمراں ہوا ۳۴۱ھ میں جب وہ فوت ہوگیا تو اس کا بیٹا معد بن اسماعیل جانشین ہوا المعز لدین اللہ لقب اختیار کیا۔ بیس اکیس برس مغربی افریقہ میں حکمراں رہا ۳۶۲ھ میں جب اس کے سپہ سالار جوہر نے خلافت عباسیہ کے مصری عامل کافور الاخشیدی کو شکست دے کر مصر پر تسلط کرا ۱۵۰ برس تک بلاد مغرب میں حکومت کرنے کے بعد یہ عبیدی مصر کو منتقل ہو گئے جہاں انھوں نے اپنے کو فاطمیین سے موسوم کیا۔

۴۔ مصر پہنچکر عبیدیوں نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی اس زمانہ میں قرامطہ کے لیڈر حسین بن احمد قرمطی بڑی جمعیت کے ساتھ الاحساء سے ان پر حملہ آور ہونے چلا المعز نے یہ سنکر اسے مکتوب ارسال کیا جس میں لکھا تھا کہ ہمارے اور تمہارے بزرگوں کی دعوت تو قدیم سے ایک ہی ہے فذ حوتنا واحدۃ (البدایہ ج ۱۱ ص ۲۷۲) مگر قرمطی نے علاقہ شام کے ایک سردار حسان الطائی کو اپنے ساتھ شامل کرکے المعز کی فوج پر شدید حملہ کردیا المعز نے دس لاکھ دینار کی رشوت شامی سردار کو دے کر یہ حملہ ناکام کردیا۔ کچھ عرصہ بعد المعز نے ملک شام و حجاز پر چلے گئے پھر مصر واپس آکر مشہور کیا کہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک جو کہتے ہیں کہ عسقلان میں سنہ ۶۱ھ میں دفن کیا گیا تھا اب سنہ ۳۶۳ھ میں منتقل کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ اب تک مصر میں "مسجد سیدنا حسینؓ" اسی کی یادگار بتائی جاتی ہے

۵۔ المعز کے فوت ہوجانے پر اس کا بیٹا نزار ۳۶۵ھ میں العزیز باللہ کے لقب سے جانشین ہوا ۲۱ سال حکومت کی ۳۸۶ھ میں فوت ہوا اس کا بیٹا حسین الحاکم بامر اللہ لقب سے مسند حکومت پر بیٹھا مولف نزہۃ القلوب نے اسی کے زمانے کی انتہائی خبیثانہ حرکت کے اقدام کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ :۔

حاکم اسماعیلی کی ششم خلیفہ بنی فاطمہ مغرب بود از مدینہ علوی را بفریفت تا در شب از خانہ او نقب بروضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زند تا امیر المومنین ابوبکر صدیق و عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما از آں روضۂ بیرون آورند و ہر چہ خواہند بایشان کنند (ص ۱۳)

حاکم اسماعیلی نے جو مغرب (مصر) کا چھٹا خلیفہ بنی فاطمہ (عبیدیوں) میں سے تھا مدینہ کے ایک علوی کو اس غرض سے بہکایا کہ رات کے وقت اس کے گھر میں سے روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نقب لگائیں تاکہ (حضرت) ابوبکر الصدیقؓ اور عمر بن الخطابؓ کو روضہ سے باہر نکال لائیں

اور ان کے ساتھ (لاشوں کی ہڈیوں کے ساتھ) جو دل چاہیں کریں۔

اسی حاکم عبیدی کے مصاحبین میں سے ایک شخص کے متعلق علامہ ابن کثیر نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ۴۱۳ھ میں وہ مصری حاجیوں کے زمرے میں شامل ہو کر مکہ معظمہ پہنچا تھا طواف کعبہ کرتے ہوئے حجر اسود پر ہتھوڑے سے تین ضربیں لگائیں (فضربہ بدبوس کان معہ ثلاث ضربات متوالیات (ج ۱۲ ص ۱۲) ہتھوڑا مارتے وقت کہتا جاتا تھا کہ آج میں اس عمارت (کعبہ) کو بھی ڈھا دوں گا (وانی اھدم الیوم ھذا البیت. (ایضاً) لوگوں نے اس خبیث ہی کے ٹکڑے کر دیئے۔ اسی الحاکم کے بارے میں ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ اپنے ایک سردار ابو الفتوح کے ساتھ فوجی دستہ ان ایام میں مدینہ کو بھیجکر جب چند روزہ تسلط اس کا حجاز پر ہو گیا تھا یہ چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مصر لے آئے تاکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مفروضہ سر کی مسجد کے علاوہ روضہ منورہ بھی قائم کر سکے کہتے ہیں کہ جب یہ خبیث حصول مقصد کے لئے روضۂ مبارکہ کو منہدم کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا ایک قاری نے یہ آیت مبارکہ بلند آواز سے تلاوت کی:۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۹ — ۱۳)	کیا تم اس گروہ سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے سب عہد و پیماں توڑ دئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور شرارت کی ابتداء ان ہی کی طرف سے ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ یہ حق اللہ کا ہے تم اسی سے ڈرو۔

آیت مبارکہ کی تلاوت سے مسلمانوں میں بجلی سے دوڑ گئی اور باوجود ان خبیثوں کے مسلح ہونے کے ان کا سخت مقابلہ کیا ساتھ ہی چمک و کڑک کے ساتھ خوفناک آندھی آئی یہ خبیث خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔

۲۔ تقریباً ۲۱ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۱۱ھ میں الحاکم عبیدی کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ شخص ظالم وسفاک اور قبیح سیرت تھا۔ اسماعیلیہ کی ایک شاخ جو دروزی کہلاتی ہے اسی سے منسوب ہے۔ اسماعیلی مؤلف کہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دروزیوں کا مذہب ہمارے ہی اسماعیلی مذہب کا

آخری نتیجہ ہے جو حلول اور تناسخ پر بنی ہے بڑھتے بڑھتے دروزی یہاں تک بڑھے کہ مولانا حاکم کو ہی خدا سمجھنے لگے کیونکہ مذہب کی اصولی تعلیم یہی ہے کہ امام ہی خدا تعالیٰ کی صفتوں سے جو کلام مجید میں آتی ہیں حقیقی طور پر موصوف ہے (ص۲۲۶) اسی الحاکم نے لقب الشریف والسید کو اولاد حسین کے لئے مختص کیا تھا اور اسی الحاکم کے بارے میں اسماعیلی داعیوں نے بقول اسماعیلی مولف یہ پیش گوئیاں کیں کہ ان ہی کے زمانے میں "ذریت طاہرہ (اولاد حسین) کی طرف دین کا امر لوٹے گا اور اسے وہی قوت داصل ہوگی جو پیغمبر صلعم کے زمانے میں تھی مولانا حاکم ہی وہ امام ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالےٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا تمام اسلامی ممالک میں جہاں غلط مذہب رائج ہے اسماعیلی مذہب پھیلے گا۔ آپ بڑے ہوں گے۔ آپ کا سن چالیس سال سے زائد ہوگا۔ آپ کی داڑھی ہوگی اور آپ تمام اضداد یعنی بنو عباس اور بنو امیہ پر جنھوں نے اماموں کا حق غصب کیا ہے غلبہ پائیں گے مومنین کی تمام امیدیں دین اور دنیا میں پوری ہوں گی ..... دین کو پوری قوت حاصل ہوگی اور وہ ذریت طاہرہ (یعنی اولاد حسین) کی طرف لوٹے گا۔"

ان پیش گوئیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں :-

"لیکن ان میں سے ایک امر بھی وقوع میں نہ آیا۔ نہ آپ کی (الحاکم عبیدی کی) عمر چالیس سال کی ہوئی نہ آپ نے بنو عباس اور بنو امیہ کو مسخر کیا نہ آپ کے عہد میں دین کو قوت حاصل ہوئی جو پیغمبر کے زمانے میں تھی ...... دوسرے ممالک میں اسماعیلیت کا شائع ہونا تو کجا خود آپ ہی کے پایہ تخت یعنی مصر میں دروزیوں کا فرقہ نکلا جس کی وجہ سے اسماعیلیت کو بڑا صدمہ پہنچا (ص۲۱۷)

پھر فرماتے ہیں کہ :- "مولانا حاکم کے زمانے میں فاطمی حکومت کے سیاسی اور مذہبی پہلو کمزور ہو چکے تھے اگر ایسی پیشین گوئیاں نہ کی جاتیں شیعوں کے عقیدوں میں تزلزل پیدا ہو جاتا اور وہ اسماعیلی دعوت سے پھر جاتے ہماری کتابوں کے چھپانے کی منجملہ دیگر وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے" (ص۲۱۸)

گویا اسماعیلی مؤلف کے اس اعتراف ہی سے ثابت ہے کہ اپنی حکومت کے سیاسی اور مذہبی پہلو کی کمزوری کے پیش نظر مہدویت و فاطمیت کے پروپگنڈے کی تقویت کے لئے جہاں "راس الحسین" کی مسجد تعمیر کی گئی اور مدینہ منورہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منتقلی کا ناکام اقدام کیا گیا اسی کے ساتھ لقب الشریف کو قریشیوں و ہاشمیوں کے علی الرغم اولاد حسین سے مختص کیا گیا

اور بقول اسماعیلی مؤلف اسماعیلی تعلیمات کو خفیہ رکھنے اور اپنی کتابوں کو چھپانے کی کوشش کی گئی کیونکہ اسماعیلیت کا بنیادی اصول یہ بتایا جاتا تھا کہ :-

"اللہ تعالیٰ نے آدم کی شریعت کے ظاہر کو نوحؑ کے قیام سے معطل کیا اور نوح کی شریعت کے ظاہر کو ابراہیم کے ظہور سے معطل کیا اسی طرح عیسیٰ کی شریعت کے ظاہر کو آنحضرتؐ کی بعثت سے معطل کیا اور آنحضرت صلعم کی شریعت کے ظاہر کو مولانا محمد بن اسمٰعیل کے قیام سے معطل کیا (ص ۱۰۷)

اسماعیلیت کے اس بنیادی اصول کے بارے میں خود ہی اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں کہ :-

"مولانا محمد بن اسماعیل کو حضرت آدم سے ساتواں رسول ماننا جن کے قیام سے اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کر دیا یہ ایسے عقائد ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں ہماری کتابوں کو چھپانے کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ان میں ایسے عقائد درج ہیں جو بالکل اسلام کے خلاف ہیں۔"

(ص ۱۱۴ کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت)

مندرجہ بالا تصریحات اور اسماعیلی مؤلف کے بیانات اور واضح اعتراف سے کیا یہ بات روز روشن کی طرح ہویدا نہیں ہو جاتی کہ عبید اللہ بن میمون القداح نے اپنی سیاسی تحریک کو مذہب کا لبادہ پہنایا اور بقول ایک مستشرق جن کے اقتباسات "تحقیق مزید" میں پیش کئے گئے ہیں "ایسی دلیرانہ مستقل مزاجی کے ساتھ بروئے کار لایا گیا جو ہمارے جذبات حیرت و استعجاب کو برانگیختہ کرتا ہے اور اگر ہم اس مقصد اور غرض کو فراموش نہ کر بیٹھیں جس کی خاطر یہ سب کچھ کیا گیا (یعنی اسلام کی بیخ کنی اور اسلامی سیاسی نظام کی تباہی) تو وہ ضرور ہماری پُرجوش مدح و تحسین کا مستوجب ہو سکتا تھا" عبید اللہ کے زمانہ میں مہدی موعود اور فاطمی نسب کے دعاوی چونکہ حصول مقصد کی خاطر متبعین کی جماعت فراہم کرنے میں زبردست آلۂ کار ثابت ہوئے تھے کیونکہ یہی ہتکنڈے اس زمانہ میں دوسرے سیاسی قسمت آزما بھی استعمال کر رہے تھے یہی حربہ اس نے بھی استعمال کیا اور اپنی اس خفیہ سیاسی تحریک کو نہایت ہوشیاری، مستقل مزاجی، حسن تدبیر اور انسانی قلوب کی گہری معرفت کی بدولت عملی جامہ پہنایا اس کے اخلاف کو اس تحریک کا بالآخر ثمرہ ملا، سیاسی اقتدار حاصل ہوا، دو صدیوں تک مذہبی فرقے کے پیشوا اور امام کی حیثیت سے حکومت کی، یہ حکومت بقول اسماعیلی مؤلف عباسی اور اموی حکومتوں کے مقابلے اور ان کی تخریب و استیصال کے مقصد سے عالم وجود میں آئی تھی "فاطمی خلافت" سے موسوم کیا گیا اس وقت تک صحیح النسب فاطمیوں یعنی

اولادِ حسنؓ و حسینؓ نے اظہارِ نسب میں علوی و حسنی و حسینی نسبتوں کے علاوہ فاطمی کہلانا یا الشریف والسید بااظہارِ نسب استعمال کرنا اختیار نہیں کیا تھا عبیدیوں نے بقول علامہ سیوطی الشریف والسید کو مختص و مخصوص کیا یہ واقعہ پانچویں صدی ہجری کا ہے اس کے بعد سے اسماعیلی داعیان ناصر خسرو و ابو نصر ھبۃ اللہ شیرازی وغیرہم کی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں ایران و خراسان و ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری سے اولادِ حسینؓ کی سیادتِ نسبی کا چرچا ہونے لگا مگر حجاز و شام وغیرہ میں جہاں صحیح النسب قریشی و ہاشمی قبائل شروع سے آباد ہیں اظہارِ نسب میں نہ کبھی السید والشریف استعمال ہوئے اور نہ آج ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کا یہ عبرت آموز باب ہے کہ مہدی موعود کے ادعا سے شریعت محمدیہ کو معطل کرنے یعنی نماز روزہ حج و زکوٰۃ و دیگر ارکان اسلام کو مٹانے تاویلات باطلہ سے عقائد اسلام کو مسخ کرنے قرآن شریف کو محرف بتا کر اور اس کی آیات کی لغو تاویلات کر کے اس کی ہدایت ختم کرنے اور محمد بن اسماعیل کو حضرت آدم سے ساتواں رسول قرار دے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت پر حرف لانے اور اسی طرح سے دیگر مخترعات کو جمہور مسلمین نے عموماً اور قریشی و ہاشمی عباسی و علوی اکابر نے خصوصاً تعلیم اسلامی کی تخریب کا موجب قرار دے کر اس کے ابطال کی کوششیں کیں لیکن غیر طبقاتی ملتِ اسلامیہ میں نسبی و نسلی امتیاز و تفریق پیدا کرنے کے لئے عبیدیوں نے القاب الشریف والسید کو بااظہار نسب مخصوص کرنے کی جو بدعت قائم کی تھی ایران اور ہندوستان میں اسے بمرورِ زمانہ تفاخر بالآباء کے جذبے سے اختیار کر لیا گیا اور خروجِ مہدی و فاطمیت کی موضوعات کو بھی بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا اور متاخرین صوفیہ نے بھی اپنے مقاصد کے لئے اختیار کیا۔ "خروجِ مہدی" کے مختصر حالات تاریخی واقعات کی روشنی میں ملاحظہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ سیاسی اقتدار کے حصول کی دوڑ میں سیاسی قسمت آزماؤں نے مہدی موعود کا ادعا کس درجہ مفید مطلب سمجھا تھا۔

خروجِ مہدی

سب سے پہلے ۶۶ھ میں یعنی سانحہ کربلا کے پانچ برس بعد ایک سیاسی قسمت آزما مختار بن ابی عبید ثقفی نے اپنے متبعین کی جماعت فراہم کرنے کی غرض سے حضرت علیؓ کے فرزند جناب محمد بن الحنفیہؒ کو "مہدی" قرار دے لیا تھا۔ تحریرات میں "ایہا المہدی" سے خطاب کرتا مگر وہ

حضرت اس سے اپنی برات کا اظہار کرتے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے اور اپنے مخالفین پر غلبہ پانے کی غرض سے مختار نے یہ سارا ڈھونگ رچایا تھا۔ وھو فی نفس الامر متستر بذلک یستجمع علیہ رعاعا من الشیعۃ الذین بالکوفۃ لیقیم لہ دولۃ (البدایہ ج ۸ صفحہ ۲۷۲) مورخین نے اس کو کذاب کہا ہے اور سوء اعتقادی سے متہم کیا ہے۔ مختار ثقفی ہی پہلا شخص ہے جس نے سیاسی مقصد سے "مہدی" کا پروپیگنڈا کیا تھا اس کے بعد نصف صدی تک جو اموی خلافت کا عہد نصف آخر تھا کسی اور شخص نے مہدی کے ادعاء سے خروج نہیں کیا تھا حضرت حسینؓ کے پوتے اور پڑپوتے زید علی بن حسینؒ اور یحییٰ بن زید مذکور کے جن کا نام خروج ۱۲۲ھ و ۱۲۵ھ میں امیر المومنین ہشام بن عبد الملک اموی جیسے نیک سیرت خلیفہ کے عہد میں اور اس کے بعد ہوئے وہ محض طلب خلافت کی غرض سے تھے۔ مہدویت کے یہ حضرات مدعی نہ تھے۔ صحیح النسب علویوں میں سے سب سے پہلے جن صاحب نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعوے سے خروج کیا وہ حضرت حسن کے پڑپوتے محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب تھے۔ لقب ان کا الارقط تھا، محمد الارقط کہلاتے تھے (جمہرۃ ابن حزم) مہدی کے مدعی ہو کر "محمد المہدی" کہلانے لگے۔ انھوں نے یہ خروج ۱۴۵ھ میں کیا تھا یعنی عباسی خلافت قائم ہونے کے ۲۳ برس بعد بعہد خلافت امیر المومنین ابو جعفر عبداللہ المنصورؒ مدینہ میں خروج کیا اور عباسی سردار لشکر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کے مقابلہ میں مع اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے مقتول ہوئے۔ محمد الارقط خلقتاً ہکلے تھے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلتی تھی۔ ان کے خروج کی تائید میں جو حدیثیں وضع ہوئیں ان میں ان کی اس خصوصیت کا بھی لحاظ رکھا گیا یعنی شیعہ مولف مقاتل الطالبین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اولاد میں ایک مہدی ہوگا جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا اور اس کی آواز میں خرخراہٹ ہوگی فی لسانہ رتۃ (مقاتل الطالبین ص ۲۴۳) سبائیوں نے ان کے مقتول ہو جانے کے بعد انھیں "النفس الزکیہ" کا خطاب دیا عمدۃ الطالب کے شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مدینہ کے مقام احجار الزیت پر میری اولاد میں سے ایک "نفس الزکیہ قتل" ہوگا۔ سبائیوں کی اس اختراع کو اتنی شہرت دی گئی کہ غیر شیعہ مولفین بھی نام کے بجائے "النفس الزکیہ" ہی لکھتے رہے سبائیوں کی اس وضعی حدیث کے علاوہ اور بھی حدیثیں اور روایتیں وضع ہوئیں۔

آمد و خروج مہدی کے متعلق مندرجہ ذیل روایت حضرت علیؓ سے منسوب کی گئی ہے منسوب کرنے والے ابو اسحٰق النسفی ہیں جن کی عمر حضرت علی کی وفات کے وقت صرف چھ سات برس کے درمیان تھی یعنی ولادت ان کی ۳۳ھ کی تھی اور حضرت علیؓ ۴۰ھ میں مقتول ہوئے تھے باوجود اس درجہ کم سنی کے سُنن ابو داؤد و دیگر کتب میں ان سے یہ روایت ہے کہ :-

عن ابی اسحٰق النسفی قال قال علیؓ ونظر الی ابنہ الحسن انّ ابنی ھذا سیّد کما سمّاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیخرج من صلبہ رجلٌ یسمّٰی باسم نبیکم یشبہہ فی الخُلُق ولا یشبہہ فی الخَلْق یملأ الارض عدلاً۔

ابو اسحٰق النسفی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حسن کو دیکھ کر کہا کہ میرا یہ بیٹا سردار (سیّد) ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام رکھا ہے عنقریب اس کے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا اخلاق میں ان سے ملتا ہوا ہوگا اور صورت میں ملتا ہوا نہ ہوگا یہ روئے زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔

تاریخی واقعات سے ثابت ہے کہ حضرت حسنؓ کے اپنے بیٹوں میں سے تو کسی نے مہدی ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا تھا البتہ ان کے فرزند حسن مثنّیٰ کے ایک پروتے محمد الارقط بن عبد المحض بن حسن مثنّیٰ مذکور نے جیسا ذکر ہو چکا ۱۴۵ھ میں مہدی کے دعوے سے طلب خلافت کے لئے خروج کیا تھا تاریخ اسلام میں یہی پہلے شخص تھے جنھوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر نسلِ حسنؓ کے ان جناب مہدی کا یہ خروج قطعاً ناکام رہا روئے زمین کو عدل انصاف سے بھر دینے کی نوبت ہی نہ آنے پائی تھی کہ خروج کے چند گھنٹے بعد ہی حکومت کے فوجی دستے نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا شیعوں نے ان کو ایک وضعی حدیث سے "النفس الزکیہ" کا لقب دیا تھا۔ پھر چند ہفتے بعد ان کے برادر حقیقی ابراہیم نے بصرے میں خروج کیا وہ بھی مع اپنے ساتھیوں کے مارے گئے[1] ان خروجوں کے تقریباً سترہ سال بعد

---

[1] محمد الارقط کے فرزند عبد اللہ الاشتر بھی اسی زمانہ میں خلافت عباسیہ کے سرحدی صوبہ سندھ میں جس کے باجگذار علاقہ میں ان دنوں زمانہ میں نواح کابل تک بھی شامل تھا پہنچ گئے تھے مگر چند سال بعد نواح کابل کے ایک پہاڑ علج نام پر گورنر صوبہ کے فوجیوں کے مقابلے میں قتل ہو گئے تھے جہاں

۱۴۵ھ میں ان کے ایک اور بھائی اور دوسرے عزیزوں نے خروج کیا تھا مدینہ کے مقام فخ پر حکومت وقت کے لشکریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہلاک ہوئے پھر ان مقتولین کی تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں شیعہ مؤلف مقاتل الطالبین سے یہ دو حدیثیں سُنئے۔ ایک میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر جب مقام فخ پر ہوا (یعنی ان باغیوں کے مارے جانے سے ایک سو ساٹھ برس پہلے) آپ سواری سے اترے ایک رکعت نماز ادا کی جب دوسری پڑھنی شروع کی تو رونے لگے آپ کو روتا دیکھکر آپ کے ساتھی صحابہ بھی رونے لگے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے لوگوں سے سبب رونے کا دریافت کیا لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ کو جب روتے دیکھا ہم بھی رونے لگے۔ آپ نے اس پر فرمایا جب میں پہلی رکعت پڑھ رہا تھا جبرئیل نازل ہوئے اور کہا "اے محمد! تمہاری اولاد میں سے یہاں ایک شخص قتل ہوگا جسے کئی شہیدوں کا ثواب ملے گا (صفحہ ۴۳۶)

اس لغو اور مہمل روایت سے کہیں زیادہ لغو اور مہمل روایت زید بن علی (زین العابدین) کی سند سے یوں بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے صحابہ کے مقام فخ پر نماز جنازہ پڑھی پھر فرمایا اس جگہ میرے اہل بیت میں سے مع جماعت مومنین یہاں قتل ہوں گے ان کے لئے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے (صفحہ ۴۳۶ ایضاً) یہ ہے ادنیٰ نمونہ اُن خرافات کا جو حکومت وقت کے خلاف بغاوتوں میں مقتول ہونے والوں کی تقدیس میں وضع ہوتی رہیں اور سیاسی اقتدار کے حصول

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۹۳ کا) ایک کنیز کے بطن سے ایک بیٹا ہوا تھا جس کا نام اپنے والد کے نام پر محمد رکھا تھا علاقہ کابل میں پیدا ہونے کی بنا پر یہ محمد الکابلی کہلائے۔ ہمعصر مؤلف کتاب نسب قریش ان کے متعلق لکھتے ہیں "ولد بکابل وقدم به وبامه بعد موت ابيه وهي ام ولد (صفحہ ۵۵) یعنی یہ محمد (فرزند عبداللہ الاشتر) کابل میں پیدا ہوا اور اپنی ماں کے ساتھ جو کنیز تھی یہاں لایا گیا خلیفہ وقت امیرالمومنین ابوجعفر المنصورؒ نے اس بچے کی پرورش کے لئے وظیفہ مقرر کر کے اہل خاندان کے پاس بھیجدیا یہ محمد بن عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الزکیہ الملقب بہ المہدی صاحب نسل ہوئے ان کے اخلاف میں بعض ذی وجاہت اور ذی علم گھرانے مختلف دیار وامصار میں آباد ہوئے ہندوستان میں بھی جیسا مجملاً ذکر گذشتہ اوراق میں آیا ہے بعض معزز ذی علم وجاہت گھرانے انہیں سے آباد ہیں۔ قبر پرستی کی ستم ظریفی دیکھئے کراچی کے مقام کلفٹن پر کسی نامعلوم قبر کو عبداللہ الاشتر مقتول بکابل کا مدفن بتانے کی شرمناک حرکت کا ارتکاب کیا جا رہا ہے محلہ اوقات کو مستند ترین کتب تاریخ وانساب کی تصریحات کے مطابق معلوم ہونا چاہئیے کہ عبداللہ مذکور اب سے بارہ سو برس پہلے نواح کابل میں حکومت کے باغی کی حیثیت سے قتل ہوگئے تھے پھر ان کے مدفن کے کراچی میں ہونے کی کیا تک ہے۔

کے لئے خروج کرنے والے اپنے کو مہدی کہتے تھے مقتول ہوجانے پر انھیں شہید کہا گیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات میں قایم حکومتوں کے خلاف خروج کرنے کی سخت ممانعت ہے منجلہ دیگر متعدد ارشادات کے زبان مبارک ہے من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات میتۃ جاھلیۃ (یعنی جس شخص نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا اور خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوگیا اور اسی حالت میں (بغیر توبہ کئے) مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ بہرحال وضاعین باغی مقتولین کی ہلاکت کو شہادت کہکر اس قسم کی جعل اور لغو روائتیں وضع کرتے رہے جن کا نمونہ سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے۔

دوسری تیسری صدی ہجری میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نسبی ونسلی تعلیوں کے مسلسل پروپگنڈے نے جو فضا پیدا کر رکھی تھی بیسیوں حدیثیں اور روائتیں اس مقصد سے کوفہ اور بصرے وغیرہ کی ٹکسالوں میں وضع ہوتی رہیں کہ ملت اسلامیہ کی سربراہی وسیادت کا استحقاق فلاں گھرانے کے اشخاص کو حاصل ہے اور اسی گھرانے میں وہ ہستی بھی یعنی مہدی عالم وجود میں آئیگی جو ظلم .. سے بھری ہوئی اس دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گی زمین اپنے خزانے اگلے گی اور امت مسلمہ نعمتوں سے مالامال ہوجائیگی اور مہدی تمام اسلامی ممالک کو اپنے زیر اقتدار لے آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ وامام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے مہدی کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی صحیحین میں درج نہیں کی یا تو ان ائمہ حدیث کو ایسی کوئی حدیث نہ مل سکی یا وضعی جانکر چھوڑ دیا سنن نسائی میں بھی آمد مہدی کی کوئی حدیث نہیں حالانکہ حافظ ابو عبدالرحمن احمد نسائی کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی تھی اور اس زمانہ میں طلب خلافت کے لئے مہدیت کا چرچا جو اصل وجہ ایسی حدیثوں کے گھڑنے کی ہے شباب پر تھا۔ ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ وابو داؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اور ابو عیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ البتہ آمد مہدی کی حدیثیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں بایں تفصیل ابن ماجہ کی سات، ابو داؤد کی دس اور ترمذی کی چار۔ میزان کل ۲۱۔ کتب حدیث کے علاوہ دیگر کتب الصواعق وغیرہ میں بھی اس مبحث پر متعدد روائتیں اور حدیثیں ملتی ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے شہرۂ آفاق "مقدمہ" میں ایک خاص باب آمد مہدی کا قائم کرکے کوئی تیس حدیثوں اسنادی تفصیلی گفتگو کی ہے جو ان کی کتاب (عربی اڈیشن) کے ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے

کتب اسماء الرجال وائمۂ فن کے اقوال سے بتایا ہے کہ راویوں میں کون کون شیعہ و متشیع ہیں کون مشہور بالتشیع ہے کون منکر الحدیث ہے کون مدلس وضعیف ہے اور کون ناقابل اعتبار لیس بشیئ و مجہول ہے چنانچہ صاف کہا ہے کہ آمد مہدی کی ان حدیثوں میں شاید ہی کوئی حدیث ایسی ہے جو سقم سے خالی ہو۔[۱]

مفہوم و مضمون کے اعتبار سے ہر حدیث کا جدا اسلوب اور نیا روپ ہے۔ مختلف اور متضاد الفاظ مہدی و آمد مہدی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے گئے ہیں۔ بعض حدیثوں میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میرے اہلبیت میں سے ہوگا۔ من اھل بیتی بعض میں ہے کہ قریش میں کا کوئی شخص ہوگا۔ رجلٌ من قریش، بعض میں ہے کہ میری اُمّت میں سے کوئی شخص ہوگا رجل من امتی، کسی میں کہلوایا ہے کہ مدینہ کے لوگوں میں سے ایک شخص ہوگا رجلٌ من اھل المدینۃ بعض حدیثوں میں ہے کہ مہدی اولاد فاطمہؓ یا بنی فاطمہ سے ہوگا المھدی من ولد فاطمۃ اومن بنی فاطمۃ اور بعض میں کہا گیا ہے کہ میرے چچا عباسؓ کی اولاد میں سے مہدی ہوگا۔ المھدی من ولد العباس عمی (الصواعق المحرقۃ ص۱۴۳) چنانچہ مزید تصریح میں یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں:۔

العباس عمی ابوالخلفاء وان من ولدہ السفاح والمنصور والمھدی	عباس میرے چچا جد الخلفاء ہیں ان کی اولاد میں السفاح والمنصور والمہدی ہوں گے۔
یاعم بی فتح اللہ ھذا الامر ویختمہ برجل من ولدک (ایضاً ص۱۴۱)	اے چچا اس امر کا آغاز مجھ سے ہوا اور اختتام تمہاری اولاد میں سے ایک شخص کے ذریعہ ہوگا۔

تقریباً اسی مضمون کی ایک وضعی حدیث مستدرک لحاکم میں مجاہد کی روایت سے ہے جس میں السفاح والمنصور والمہدی کے علاوہ ایک نام المنذر کا بھی شامل ہے یعنی مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا منّا اھل البیت اربعۃٌ منّا السفّاح ومنّا المنذر

---

[۱] برادر محترم علامہ تمنا عمادی مدفیوضہ نے "خروج مہدی" نام ایک کتابچہ غایت تحقیق سے تالیف کیا ہے ابن ماجہ و ابوداؤد و ترمذی میں جو اکیس حدیثیں مہدی کے بارے میں ہیں ان سب کے اسناد پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سب وضعی اور لوگوں کی من گھڑت ہیں امید ہے کہ یہ کتابچہ عنقریب ہو کر شائقین کے مطبوعہ [illegible] ہو۔

ومنا المنصور ومنا المہدی (چار شخص ہم اہلِ بیت میں سے ہوں گے السفاح ہم میں سے والمنذر ہم سے اور المنصور ہم سے اور المہدی ہم میں سے ہوں گے) مجاہد کے پوچھنے پر ہر ایک کی صفت بیان کرتے ہوئے مہدی کے بارے میں کہا " اور مہدی دنیا کو انصاف اور عدل سے بھر دیں گے جس طرح وہ ان سے پہلے ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ چوپائے درندوں سے بے خوف ہو کر رہیں گے۔ زمین اپنے جگر پارے (یعنی سونے چاندی کی سلیں) اگل دے گی" وضاعین نے تین چار حدیثیں اس مضمون کی بھی گھڑی ہیں کہ جب مشرق سے یا خراسان سے (جیسا ایک حدیث میں نام کی تصریح بھی ہے) کالے پرچم لئے لوگ نکلیں اور اس طرح قتال کریں جو کسی قوم نے بھی نہ کیا ہو تو تم بیعت کرو اس کے ہاتھ پر خواہ وہ سب گھٹنے کے بل چلیں برف پر کیوں کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت ثوبانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سے منسوب کی گئی ہے جن کی وفات ۵۴ھ ہوئی تھی اس وضعی حدیث کے ابتدائی جملے یہ ہیں یعنی حضرت ثوبان سے یہ کہلوایا ہے کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقتتل عند کنزکم[1] ثلاثة کلھم ابن خلیفة ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق (الی آخرہ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل کئے جائیں گے تمہارے خزانے کے پاس تین شخص ہر ایک کسی خلیفہ کا بیٹا ہوگا پھر وہ خزانہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا پھر نمایاں ہوں گے کالے پرچم مشرق کی طرف سے......

ابن ماجہ نے جن اسناد سے یہ حدیث درج کی ہے اس کے راویوں میں عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کا شمول ہے یہ کٹر شیعہ بھی تھے اور بقول زید بن المبارک اور عباس العنبری کذاب بھی۔ بنی امیہ کے شدید مخالف تھے انہی نے یہ جھوٹی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی تھی کہ معاویہؓ کو میرے منبر پر جب پاؤ قتل کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کاتب وحی اور صحابی کا ذکر ان کے سامنے ہوتا تو منع کرتے اور کہتے کہ ان کے ذکر سے مجلس خراب مت کرو

---

[1] یہ لفظ کبر عربی میں متعدد معنی میں مستعمل ہے۔ بڑھاپے کے معنی میں نیز عظمت و شان جاہ و جلال، نجابت و شرافت، بیش بہا و گرانقدر وغیرہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے یہاں خزانہ کے مفہوم میں ہے مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کے مترجم نے اس فقرہ کا یہ کیسا غلط ترجمہ لکھا ہے۔
"تمہارے بڑھاپے کے وقت تین آدمی خلفا کی اولاد میں سے قتل ہوں گے۔"

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۲۱ و تہذیب التہذیب) ان کا زمانہ خلیفہ مامون الرشیدؒ کا عہد خلافت تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے آخر دور خلافت کے واقعات کو سامنے رکھ کر جو امیر المؤمنین ہشام بن عبدالملکؒ کی وفات کے بعد ۱۲۵ھ سے چھ سال کے قلیل عرصہ میں الولید بن یزید بن عبدالملک و یزید الولید بن عبدالملک اور مروان بن محمد بن مروانؒ کے ہلاک ہو جانے اموی خلافت کے خاتمے اور عباسی خلافت کے قائم ہونے سے پیش آئے تھے اس وضاع نے یہ حدیث گھڑلی اور حضرت ثوبان متوفی ۵۴ھ سے منسوب کر دی۔ برخلاف اس کے دو غالی شیعہ راویوں عبداللہ بن عمر بن ابان الکوفی و عبداللہ بن لہیعہ کی روایت سے ایک اور وضعی حدیث طبرانی نے درج کی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت انصار کے سامنے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ عنقریب ان (عباسؓ) کی پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا جو دنیا کو ظلم اور جور سے بھر دے گا اور ان (علیؓ) کی پشت سے عنقریب ایسا شخص پیدا ہوگا جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا تم تمیمی نوجوان کا ساتھ دینا جو مشرق کی طرف سے نکلے گا اور مہدی کا پرچم اٹھائے ہوگا۔ اس حدیث نے اولاد عباسؓ سے آمد مہدی کا گویا خاتمہ ہی کر دیا اور اولاد علیؓ کے لئے آمد مہدی کی خوش خبری سنا دی اب ایک اور حدیث سنئے جو مہدی کے ذکر میں ہے مگر عبدالمطلب کی حقیقی اولاد میں حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ کو شامل نہیں کیا گیا وہ حدیث یہ ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن ولد عبدالمطلب سادة أهل الجنة انا وحمزة وعلي وجعفر والحسن والحسين والمهدي۔
(ابن ماجہ، الصواعق المحرقة ودیگر کتب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم اولاد عبدالمطلب اہل جنت کے سردار ہیں میں اور حمزہ و علی و حسن و حسین اور مہدی۔

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ بیچارے کا نام راوی نے شاید اسی بنا پر اپنی مرتبہ فہرست میں شامل نہ کیا ہو کہ جنگ صفین کے موقع پر وہ اپنے برادر حقیقی کے خلاف حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت عباسؓ تو عباسی خلفاء کے جن سے شیعہ راویوں کو خاص بیر ہے۔ مورث اعلیٰ ہی تھے۔ اس وضعی حدیث کے راویوں میں منکر الحدیث و متشیع لوگوں کے علاوہ عکرمہ بن عمار الیمامی بھی شامل ہے جس کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے

ابن قیمؒ زاد المعاد میں فرماتے ہیں موضوع بلاشک کذب بہ عکرمہ بن عمار (ج ۲ صہ ۲۲)
یعنی یہ حدیث بے شک موضوع ہے عکرمہ بن عمار نے اسے جھوٹ بیان کیا۔ ایسے جھوٹے راوی کے
قول پر وثوق ہی کیا۔

اِن چندہی مثالوں سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ آمد و خروج مہدی کی حدیثیں
مختلف اشخاص اور خاندانوں کے سیاسی اغراض کی خاطر وقتاً فوقتاً وضع ہوئیں بیشتر ان میں
سے حضرت فاطمہؓ کی نسل کے کسی شخص کے بارے میں ہیں۔ جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو بشارت دی تھی کہ مہدی آخر الزماں تمہاری اولاد میں سے ہوگا۔
نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں جو طویل حدیث نقل کی ہے اس میں یہ کلمات جناب
رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے ہیں جو بقول راوی آپ نے اپنی ان صاحبزادی
سے فرمائے تھے :-

یا فاطمۃ نحن اھل بیت قد اعطانا اللہ سبع خصال لم تعط لاحد قبلنا ولا تعطی احداً بعدنا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ومنا سبطا ھذہ الامۃ وھما ابناک الحسن والحسین۔ یا فاطمۃ والذی بعثنی بالحق ان منھما مھدی ھذہ الامۃ اذا صارت الدنیا ھرجاً مرجاً (الاسلام الصحیح صہ ۱۵۳)	اے فاطمہ ہم اہل بیت کو اللہ تعالیٰ نے سات ایسی فضیلتیں عطا کی ہیں جو ہم سے پہلے کسی ایک کو بھی عطا نہیں ہوئیں اور نہ ہمارے بعد کسی کو عطا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ ہم ہی ہیں اس امت کے دو نواسے ہیں اور وہ دونوں تمہارے فرزند حسن و حسین ہیں اور اے فاطمہ قسم اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے ان (کی اولاد) میں سے اس امت کے مہدی (کا اس وقت ظہور) ہوگا جب دنیا میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔

فاطمی مہدی کے حلیے اور شکل و شباہت کے بارے میں طبرانی اور دیگر کتب میں یہ
الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے گئے ہیں :-

المھدی من ولدی وجھہ کالکوکب الدری اللون لون عربی والجسم جسم اسرائیلی یملاء الارض عدلاً	المہدی میری اولاد میں ہوگا، چہرہ اس کا روشن ستارے جیسا درخشاں، رنگ اس کا رنگ عربی، جسم اس کا جسم اسرائیلی۔ دنیا کو عدل

کما ملئت جوراً یرضی بخلافتہ اھل السماء و اھل الارض والطیر الجو یملک عشرین سنۃ۔ (ایضاً)	و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ اس کی خلافت سے اہل آسمان و اہل زمین اور پرند اہل کرۂ ہوا راضی ہوں گے وہ بیس برس تک حکومت کریگے

اِس وضعی حدیث کے ان الفاظ سے کہ مہدی بیس برس تک حکومت کریں گے، ان کی خلافت سے اہل آسمان و زمین و پرندانِ ہوا سب راضی خوش رہیں گے صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی قسمت آزماؤں کے پروپگنڈے کے سلسلے میں وضع ہوئی تھی "تحقیق مزید" میں صحیح النسب فاطمی دعویداروں کے ساٹھ سے زیادہ خروجوں اور بغاوتوں کے حالات پیش کیے گئے جن کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جائیگی کہ بعض موقع شناس ایرانی نژاد کس کس طرح مہدی کے روپ میں ظاہر ہو کر اسلامی سیاسی نظام میں اختلال و انتشار پیدا کرنے کا موجب ہوئے تھے اور ایسی وضعی احادیث سے حصول مقصد میں کیا کچھ کام لیا تھا۔ اسماعیلی مولف نے عبید اللہ بن میمون القداح مدعی مہدویت کی علامتوں اور حلیہ کے بارے میں کہہ دیا ہے کہ "مہدی کا اسرائیلی قد و قامت، عربی روپ، چوڑی پیشانی اور اونچی ناک ہوگی (ص۱۶۲) حکومت بھی عبید اللہ مذکور کو نصیب ہوئی اور تقریباً ۲۶ برس حکمراں رہا مگر ساری دنیا پر تو نہیں مختصر سے خطۂ ملک پر ہی حکمرانی کی آسمان کے رہنے والوں اور ہوا کے پرندوں کا حال تو معلوم نہیں ان پر کیا گذری زمین کے رہنے والوں میں سے مغربی افریقہ کے باشندوں پر اپنی حکومت قائم کرنے اور اس کے استحکام اور توسیع میں جو جو ظلم و ستم ڈھائے اشارۃً ذکر ان کا آچکا ہے۔ اس کی نسل کے بعض حکمراں انتظامی امور میں اچھے اچھے کام کر گئے مگر آخر میں ابتری پھیلی بقول اسماعیلی مؤلف "آخری حکمراں الحافظ الدین اللہ کے عہد میں ایسی خانہ جنگیاں اور فوج کی مختلف پارٹیوں میں ایسی لڑائیاں ہوئیں کہ خدا کی پناہ دوسرے نائبوں کے عہد میں ملک کی حالت اور بھی بدتر ہوگئی خصوصاً ظافر کی حکومت میں ایسے ہولناک واقعات پیش آئے جن کی سیاہی کو زمانے کا زبردست ہاتھ بھی کبھی نہیں مٹا سکتا یا بظاہر کا ان سب بدنظمیوں کو فاطمی حکومت سے منسوب کرنا ایسا واقعہ ہے کہ جس کا جواب بن نہیں پڑتا (ص۲۹۳) اس حادثہ کے بعد تو حکومت عبیدیہ فاطمیہ کا خاتمہ ہی ہوگیا۔ اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں کہ ان کے امام آمر کے انتقال کے وقت ان کا فرزند طیب چھ ماہ کا تھا وہی جانشین ہوا" امامت کی وراثت

اسے گہوارے ہی میں دیدی تھی (ص۲۸۹) مگر ۵۲۴ھ میں ستنتش ماہیلا امام کے نانا اسے لیکر مصر سے غائب ہوگئے اس وقت سے پھر دورِ ستر (روپوشی) شروع ہوا چنانچہ فرماتے ہیں:۔

" اب قیامت تک کسی امام کا ظہور نہ ہوگا اور ہم اس نعمت عظمیٰ سے

تقریباً بارہ سو سال تک محروم رہیں گے۔ یہ طولانی مدت ایسی تاریک

گذرے گی جس میں ہمیں امام کا روئے انور نظر نہیں آئیگا۔ . . . .

دوسرے ستر میں جملہ اماموں کی تعداد ۲۰ ہوگی مولانا قائم القیامت

(یعنی مہدی) جو ظاہر ہوں گے ۲۰ میں امام ہوں گے (ص۲۹۰) سلہ

سلہ اسماعیلی مولف کے قول کے مطابق ان کے امام مستنصر کے متعدد بیٹے تھے، بڑے بیٹے کا نام نزار تھا اور تیسرے کو مستعلی لقب دیا تھا اسی کو اپنا جانشین کیا مولف مذکور کہتے ہیں" جب نزار اور عبداللہ (منجھلے بیٹے) کو بیعت کے لئے طلب کیا تو انھوں نے مخالفت کی اور فاطمی حکومت سے لڑے مولانا مستعلی کو کامیابی ہوئی اور نزار کو قید کرکے بعد میں دیوار میں چنوا دیا گیا اس لڑائی میں دشمن کے دس ہزار آدمی قتل ہوئے یہاں سے فرقہ نزاریہ شروع ہوتا ہے جو ابھی باقی ہے (ص۲۶۲) نزاریہ فرقہ کے اڑتالیسویں امام ہزہائی نیس سر سلطان محمد آغا خانی تھے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ نزار کی اولاد میں سے اس لڑائی میں جو حکومت سے ہوئی تھی کوئی نہ بچا تھا اسی کے ساتھ یہ روایت بھی ہے کہ اسماعیلی امام مستنصر کے انتقال کے بعد اس کے مقربین میں سے ایک شخص ابوالحسن صعیدی مصر سے حسن بن صباح کے پاس الاموت آیا حسن مذکور نزار کی موافقت میں تھا چنانچہ صعیدی نے نزار کے ایک کم سن بچے کو اس غرض سے اس کے سپرد کر دیا کہ اس کی پرورش اور کفالت کی جائے حسن نے اس بچے کی نزاریہ امام مستور کی حیثیت سے پرورش کی اور اپنی وفات سے قبل اپنے دستِ راست بزرگ اُمید کو جو کہ خالص ایرانی نسل سے تھا اپنا جانشین مقرر کرکے فرزند نزار کو جو ابھی کم عمر لڑکا تھا اس کی کفالت میں دے دیا۔ بزرگ امید کے مرنے پر اس کا بیٹا کیا محمد اس کا جانشین ہوا اس زمانہ میں یہ فرزند نزار جوان ہو گیا تھا کہتے ہیں کہ اس نزاریہ امام مستور کا ناجائز تعلق کیا محمد کی زوجہ سے ہو گیا جس سے ایک بچہ ہوا جو بعد میں حسنؒ علی ذاکرہ السلام کہلایا۔ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ جس دن کیا محمد کی بیوی کے بچہ ہوا اسی دن نزاریہ امام کے یہاں بھی بچہ ہوا اور ایک عورت اس بچے کو گود میں چھپا کر لائی اور کیا محمد کے بچے کے بجائے نزاریہ بچے کو لٹا دیا اور کیا محمد کے بچے کو لے گئی۔ نزاریہ بچہ کیا محمد کا بیٹا اور حسن بن کیا محمد کہلایا کیا محمد کے مرنے پر اس کا جانشین ہوا ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ کو اس حسن بن کیا محمد نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کرکے نزاریوں کے اجتماع عظیم کے سامنے اپنے کو نزار کی اولاد میں اور امام کی حیثیت سے ظاہر کیا اس کے نام کے ساتھ "علی ذکرہ السلام" الفاظ اضافہ ہوئے۔ پھر اس نے اعلان کر دیا کہ اب قیامت برپا ہوگئی تمام احکام اور تکالیف شرعی ساقط ہوگئیں اس کے بعد مجلس عیش و طرب منعقد ہوئی اسی کی

(بقیہ صفحہ ۱۰۲ پر)

یہ کیفیت تو عبیدی فاطمیوں کے مورث و خود ساختہ مہدی کے ظہور کی تھی جو پچھلے اوراق میں مجملاً بیان ہوئی اور آپ نے ملاحظہ کی یعنی پہلے تو خفیہ تحریک چلائی سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے مختلف قبائل کے لوگوں کو اپنی خفیہ انجمن میں شامل کیا۔ قرامطہ جن کے وحشیانہ لوٹ مار کے حالات سے اوراق تاریخ مملو ہیں اسی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا پھر اس کے ایک یمنی ایجنٹ نے مغربی افریقہ پہنچ کر وہاں کے نیم وحشی و توہم پرست بربری قبیلہ کی کثیر تعداد کو آمد مہدی کے سبز باغ دکھا کر گرویدہ کیا' فوجی جمعیت اکٹھی کی اور ان ہی کے بل بوتے پر حکومت قائم کی کوئی ساٹھ سال بعد اس کے جانشین نے موقع پا کر اپنے سپہ سالار جوہر کے ذریعہ مصر پر تسلط کر لیا۔ دو صدیوں تک ان کے اخلاف نے مصر پر شان و شوکت سے حکمرانی کی اور اس دوران حجاز و شام اور دیگر حصص اسلامی مملکت پر چھاپے مارے بالآخر جیسا خود اسماعیلی مولف کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان ہوا ہے باہمی خانہ جنگیوں سے ملک کی حالت ابتر ہو گئی۔ ان کے امام کا ڈھائی سالہ فرزند طیب نامی مصر سے غائب ہو کر عالم ستر (روپوشی) میں چلا گیا۔ اس ستر پوشی کی مدت بارہ سو برس قرار دی گئی ہے جس میں تئیس روپوش امام ہوں گے۔ پھر سویں امام بحیثیت قائم القیامہ (مہدی موعود) ظہور کریں گے گویا موجودہ زمانہ سے تقریباً چھ سو برس بعد۔

مہدی المنتظر

اسماعیلی مہدی کے ظہور اور ستر کی مندرجہ بالا کیفیت کے بعد اب فرقہ امامیہ کے صاحب العصر و مہدی المنتظر کی ولادت اور غائب ہونے کی داستان

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۰۱ کا) یادگار میں عید منائی جاتی ہے اور اسی دن سے نزاریہ امام تمام اخلاقی اور شرعی قیود سے آزاد سمجھا جاتا ہے۔ حسنؒ علی ذکرہ السلام کے بعد اس کی نسل کے چار شخص کے بعد دیگرے فرمانروائے الاموت رہے پھر الاموت کی تباہی کے بعد اس خاندان کے لوگ ایران کے مختلف مقامات پر منتشر ہو گئے ہز ہائی نس کے دادا محمد حسن سے جو آغا خان اول کہلائے فتح علی شاہ' قاچار شاہ ایران نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی اور بلا رقم و محلات کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ ان اطراف میں نزاریہ فرقے کے لوگوں کی کثرت تھی ۱۸۳۸ء میں جب محمد علی شاہ قاچار نے حکومت کی باگ سنبھالی محمد حسن مذکور نے حکومت کے خلاف بعض وجوہ سے بغاوت کر دی مگر شکست کھا کر سندھ چلے آئے یہاں ۱۸۴۲ء کی جنگ میں حکومت برطانیہ کی مدد کی پھر کئی سال بعد بمبئی جا کر مقیم ہوئے نزاریہ فرقہ کے لوگ جہاں کہیں ہیں اس خاندان کے معتقد ہیں اور سربراہ خاندان کے امام حاضر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

بھی مجملاً ملاحظہ ہو یعنی اسماعیلی شست امامیہ امام کی روپوشی سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ۲۶۱ھ یا بقول دیگر اس کے کچھ عرصہ بعد امامیہ کے گیارہویں امام حسن عسکری کے مفروضہ فرزند محمد نام کم سنی میں دشمنوں کے خوف سے بغداد کی نواحی بستی سُر من رائے کے غار یا سرداب میں ایسے غائب ہوئے کہ بارہ سو سال کی طویل مدت گزرنے کے بعد اب تک مستور ہیں۔ ان کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ اپنے وقت پر ظہور فرمائیں گے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب متعدد وضعی حدیثوں میں بیان ہوا ہے کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا۔ آخر زمانے میں ظہور کرکے ظلم و جور سے بھری دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا چاہے دنیا کے خاتمہ کا ایک ہی دن باقی رہ جائے مگر اللہ تعالےٰ اس کو اتنا لمبا کردیں گے کہ یہ مہدی ظہور کرسکے مگر امامیہ کے مہدی المنتظر اور اسماعیلیہ کے مہدی دونوں کی ولدیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے اسم گرامی کی طرح عبداللہ نہ تھی۔ امامیہ کے مہدی کی ولدیت حسن تھی اور اسماعیلیہ کے مہدی کی اسماعیل۔ قطع نظر اس کے مہدی المنتظر کی ولادت کے بارے میں کتب تاریخ و انساب کی روشنی میں فرقہ امامیہ کے مصنفین و مجتہدین کی بیان کردہ روایتوں پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

فرقہ امامیہ کے دسویں امام علی بن محمد (الجواد) کے دو فرزند تھے حسن اور جعفر۔ حسن بڑے تھے انہیں امامیہ اپنا گیارہواں امام مانتے ہیں۔ یہ حسن بن علی بن محمد (الجواد) جنہیں امامیہ امام حسن العسکری کہتے ہیں سنہ ۲۶۰ھ میں لاولد فوت ہو گئے تھے کہا جاتا ہے کہ ان کے مرنے پر ایک جماعت تو انہیں زندہ اور قائم تصور کرنے لگی اور دوبارہ ظہور کی منتظر رہی دوسری جماعت نے یہ عقیدہ قائم کیا کہ امام کے مرنے سے امامت منقطع نہیں ہوئی ان کا فرزند و جانشین موجود ہے اگرچہ ہماری نظروں سے مستور رہے۔ تیسری جماعت نے حسن کے بھائی جعفر کو ہی توجہات کا مرکز بنا لیا اس زمانہ میں حسن و جعفر کی والدہ بھی حیات تھیں حسن کی میراث ان دونوں کو پہنچی۔ جعفر کثیر الاولاد تھے۔ مؤلف عمدۃ الطالب کے بیان کے مطابق ایکسو بیس اولادیں تھیں ابو کرین یا ابو البنین کہلاتے تھے ان کے اخلاف اپنے جد گرامی علی الرضا کی نسبت سے رضوی کہلائے۔ علامہ ابن حزم حسن عسکری کے لاولد فوت ہو جانے کے بارے میں ان کے والد علی بن محمد (الجواد) کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وُلد علی بن محمد صهر المامون الحسن وجعفر فاما الحسن فهو آخر ائمة الرافضة ولم يعقب وادعى الرافضة ان جارية له اسمها صقيل ولدت منه بعد موته وهذا كذب وجرت وفي ذلك خطوب طوال۔ (جمهرۃ الانساب صفحہ)	(خلیفہ) مامون (الرشید) کے داماد علی بن محمد (الجواد) کے حسن اور جعفر دو بیٹے تھے۔ یہ حسن رافضیوں کے آخری امام ہوئے ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ رافضیوں نے یہ ادعا کیا کہ ان کے مرجانے بعد ان کی ایک لونڈی سے جس کا نام صقیل تھا بیٹا ہوا تھا۔ مگر یہ تو جھوٹ ہے اس سلسلے میں طویل جھگڑے بھی رہے تھے۔

اپنی دوسری کتاب الملل والنحل میں علامہ موصوف نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے کہ:۔

"حسن (عسکری) بغیر کوئی عقب چھوڑے مرگئے تو رافضیوں کے چند فرقے ہوگئے ان کے جمہور اس بات پر قائم ہیں کہ حسن بن علی (بن محمد الجواد) کے یہاں ایک لڑکا ہوا مگر انھوں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسن کی وفات کے بعد ان کے یہاں ان کی کنیز سے جس کا نام صقیل تھا ایک لڑکا پیدا ہوا اور یہ بہت مشہور رہے بعض روافض نے کہا ہے کہ صقیل سے نہیں بلکہ ان کی ایک اور کنیز سے پیدا ہوا جس کا نام سوسن تھا۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اس کنیز کا نام صقیل تھا کیونکہ اسی صقیل نے اپنے آقا حسن بن علی (بن محمد الجواد) کی وفات کے بعد حمل کا دعویٰ کیا تھا اسی وجہ سے سات برس تک حسن کی میراث کو روکا گیا تھا اور اس معاملہ میں اس کنیز سے حسن کے بھائی جعفر بن علی نے جھگڑا کیا تھا اور ارباب دولت کی ایک جماعت اس کنیز کی مددگار تھی اور دوسرے لوگ جعفر کے مددگار تھے اس کے بعد وہ حمل پھٹک گیا اور جھوٹا ہوگیا اور حسن سے بھائی جعفر نے میراث لے لی"۔ (الملل والنحل ابن حزم)

تاریخی واقعات کی روشنی میں حقیقت بھی یہی معلوم ہوتی ہے

داستان ولادت کہ جناب حسن عسکری کے یہ صاحبزادے جنھیں مہدی المنتظر وحجت خدا وغیرہ کہا جاتا ہے سیاسی ضرورت سے فرض کر لئے گئے ہیں ورنہ ان کی شخصیت

فی الواقع اگر ہوتی تو جیسا روایتوں میں بیان کیا گیا ہے ان کے والد لوگوں سے ان کو اسقدر پوشیدہ کیوں رکھتے۔ اصول کافی کا پورا باب" مولد صاحب الزمان" جو کتاب کے تقریباً دس صفحات پر محیط ہے ان کا وجود ہی ثابت کرنے کی روایتوں سے بھرا ہوا ہے جو لا یعنی کرامتوں وخلاف عقل و درایت باتوں سے مملو ہیں یا تاغم ہندی وغیرہ کی فرضی داستانیں ہیں۔ یہی کیفیت ملا باقر مجلسی کی ضخیم تالیف بحار الانوار کی تیرھویں جلد کی ہر ہر ہا ۱۴ روایتوں کی ہے پہلے تو اسی بات میں سخت اختلاف ہے کہ یہ مہدی المنتظر اپنے والد کی کس کنیز کے بطن سے اور کب پیدا ہوئے تھے کسی راوی نے ان کی ماں کا نام نرجس بتایا ہے کسی نے سوسن کسی نے صقیل کسی نے مریم اور حکیمہ۔ کتاب جنات الخلود کے مصنف فرماتے ہیں کہ مہدی آخرزماں کی والدہ ملیکہ تو بروایت اصح قیصر روم کی پوتی حضرت عیسٰی کے حواری شمعون کی نسل سے تھیں قیصر اپنے بھتیجے سے ان کی شادی کرنا چاہتا تھا مجلس نکاح منعقد ہونے والی تھی کہ "در شب رسول خدا و فاطمہ زہرا بخواب ملیکہ آمدہ اورا مسلمان کردہ وبا امام حسن عسکری عقد بستند (صفحہ) یعنی رات کے وقت رسول خدا اور فاطمہ زہرا خواب میں ملیکہ پاس آئے اسے مسلمان کیا اور امام حسن عسکری کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا" اس کے بعد وہی مہمل حکایت لکھی ہے کہ کس طرح بردہ فروشوں کے قافلے میں قیصر روم کی یہ پوتی کنیزوں کی طرح بغداد آئی اور حسن عسکری نے ۲۲۰ اشرفی میں خرید کر اپنے تصرف میں کیا نام نرجس رکھا۔ ولادت کے بارے میں بھی اختلاف بیانی ہے تاریخ ولادت ۱۳ ہر یا ۱۴ ہر یاہ اپنائی گئی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ شب جمعہ رمضان ۲۵۴ھ میں ولادت ہوئی اور کسی کا بیان ہے کہ ۱۵ ر شعبان ۲۵۵ھ تاریخ ولادت ہے پھر یہ قول بھی ہے کہ اپنے مفروضہ والد کی وفات کے بعد ۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کی کیفیت بھی عجیب وغریب دیومالائی حکایتوں سے بیان ہوئی ہے۔ دیگر روایتوں کے علاوہ جناب حسن عسکری کی پھوپی جناب حکیمہ[1] کی زبانی بیان ہوا ہے کہ میرے بھتیجے نے مجھے یہ پیغام بھیجا کہ آج نصف شعبان ہے آج کی رات کو خدا بہت جلد اپنی حجت کو ظاہر کرے گا جب میں پہنچی میں نے پوچھا تو فرمایا نرجس کے بطن سے وہ پیدا ہوگا مگر نرجس میں آثار حمل کے میں نے مطلق نہیں پائے چنانچہ نرجس اور میں دونوں سو گئے آخر شب میں نرجس تڑپ کر اٹھی اور کہا وہ بات ظاہر

---

[1] جناب محمد الجواد کی کسی بیٹی کا نام حکیمہ مستند کتب انساب سے ثابت نہیں ان کی ایک کنیز کے بطن سے دو بیٹیاں فاطمہ و امامہ تھیں۔

ہو گئی جس کی خبر امام نے آپ کو دی تھی پھر میرے بھتیجے نے بلند آواز میں کہا کہ انا انزلناہ پڑھو میں پڑھنے لگی دفعتہً میں نے سنا کہ بچہ بھی شکم مادر میں وہی آیتیں پڑھ رہا ہے پھر نرجس میری آنکھوں سے غائب ہو گئیں میں اپنے بھتیجے امام کے پاس دوڑ گئی فرمایا کہ جاؤ نرجس کو وہیں پاؤ گی اس جگہ واپس آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ نرجس موجود تھی اور نور سے ایسی منور کہ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں دفعتہً میں نے اپنے برابر ایک لڑکا دیکھا جو زانو کے بل سجدہ کر رہا تھا اور انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند کر کے اشهد ان لا الہ الا و ان جدی رسول اللہ ابی امیر المومنین کہتا جاتا تھا اس کے بعد اس نے تمام ائمہ کے یکے بعد دیگرے نام لئے یہاں تک کہ اپنا نام لیا توریت وانجیل و زبور و قرآن بھی پڑھ ڈالا پھر کہا اللھم انجزلی وعدی و اتمم لی امری و ثبت وطاتی واملاء الارض بی عدلا و قسطاً (یا الٰہی میرے لئے اپنا وعدہ پورا کیجئے میری خلافت مکمل کیجیو اور میری حکومت قایم کیجیو اور میرے ذریعہ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیجیو) میں اس مولود کو امام کے پاس لے گئی فوراً ہی چند مرغ ان کے سر پر اڑتے ہوئے نظر آئے امام نے ایک مرغ کو پکار کر اس سے کہا اس بچہ کو لے جا اور حفاظت کر چالیس دن بعد میرے پاس لانا مرغ نے بچہ کو اٹھا لیا آسمان کی طرف لے اڑا اور تمام مرغ اس کے پیچھے پیچھے اڑ گئے۔ امام نے فرمایا میں تیرے سپرد کرتا ہوں وہ چیز جو مادر موسیٰؑ نے تیرے سپرد کی تھی۔ نرجس رونے لگی امام نے فرمایا تمہارے پاس جلد واپس آئیگا تمہارے سوائے دوسرے کا دودھ پینا اسے حرام ہے جس طرح موسیٰؑ اپنی ماں کے پاس واپس آگئے تھے فرددنا الی امہ کی تقر عینھا ولا تحزن۔ جب پوچھا یہ مرغ کون ہیں فرمایا روح القدس تھا جو ائمہ پر موکل ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے حکیمہ سے یہ بھی کہلوا دیا کہ چالیس دن بعد گئی تو اس بچے کو دیکھا چل پھر رہا ہے میں نے امام سے عرض کیا کہ یہ تو دو سالہ معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ کی اولاد جو امام ہوتی ہے ان کی نشوونما اور لوگوں کے خلاف ہوتی ہے۔ ہمارا ایک ماہ کا بچہ دوسروں کے ایک سال کے بچے کے برابر ہوتا ہے ہمارا بچہ شکم مادر میں کلام کرتا ہے قرآن پڑھتا ہے عبادت کرتا ہے شیر خوارگی کے وقت اس پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں حکیمہ کے منہ ہی سے یہ بھی کہلوا دیا ہے کہ حسن عسکری کی وفات سے چند روز پہلے وہ بچہ پورے انسان کی قد و قامت کے برابر ہو گیا تھا میں نے اسے نہ پہچانا تو امام نے کہا یہ وہی

نرجس کا بیٹا ہے میرے بعد خلیفہ ہے میری وفات اب جلد ہوگی چنانچہ چند دن بعد ان کی وفات ہوگئی اور وہ فرزند لوگوں کی نظروں سے روپوش ہو گئے ''

جنت الخلود کے مصنف فرماتے ہیں کہ '' از ترس اعادی '' یعنی دشمنوں کے خوف سے غائب ہو گئے اور مصنف مذکور کے زمانہ ۱۲۱۱ھ تک آٹھ سو ستر سال ان کو چھپے ہوئے ہو چکے تھے '' ازدواجہ واولادہ '' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ ایک زوجہ امام مہدی کی اولاد ابولہب سے تھیں مگر نام ان کا معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ ان کے لطن سے کیا اولاد تھی پھر فرماتے ہیں کہ

محتمل است کہ اولاد بسیار ازو در اطراف عالم منتشر شدہ باشد چہ آنحضرت ہمہ ارباع واقطاع ربع مسکون را سیاحت و در اکثر امکنہ تاہل نمودہ فرزندان ہم رسانیدہ باشند بدلیل آنکہ دریں شریعت ترک اہل جائز نیست (صـ۱۴)	ممکن ہے کہ ان کی بہت سی اولاد اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہو کیونکہ وہ حضرت ربع مسکون کے مقامات اور اقطاع میں سیاحت فرماتے اور اکثر مقامات میں قیام فرما کر اولاد ضرور پیدا کی ہوگی اس دلیل سے کہ شریعت میں تاہل اختیار کرنا جائز ہے ۔

پھر فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں جب خروج فرمائیں گے باوجود طول عمر کے اس وقت چہل سالہ جوان کی طرح ہوں گے تمام دنیا کو فتح کر ڈالیں گے دین محمدی کی ترویج کریں گے اور تمام پیغمبر عیسیٰؑ اور خضر و ادریسؑ و اصحاب کہف ان کے اقتداء میں نماز ادا کریں گے (صـ) پھر مدینہ آکر '' سہ ہزار قریش را بشش مرتبہ گردن بزند '' یعنی تین ہزار قریشیوں کی چھ مرتبہ گردن ماریں گے ''

دیومالائی طرز کی یہ طویل حکایت یہاں اس غرض سے نقل کی گئی کہ ثبوت میں تو ہے امام مہدی کی ولادت کے مگر نتیجہ اس کے برعکس برآمد ہوتا ہے ، مہدی کا وجود ہی عنقا ہو جاتا ہے غور طلب سوال قدرتاً یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس وجہ سے گیارہویں لاولد امام کے انتقال کے بعد بارہویں امام قرار دینا ضروری سمجھا گیا اور اس کا وجود ثابت کرنے کے لئے ایسی خلاف عقل وقیاس حکایتیں وضع ہوئیں جن کا نمونہ سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ کیا ۔

بعض محققین نے پہلی وجہ تو یہ بتائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیشین گوئی فرمائی تھی جسے ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں حضرت جابر بن سمرہؓ صحابی کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ

دین قوت سے قایم رہے گا یہاں تک کہ تم میں بارہ خلفاء ہوں ان سب پر امت مجتمع رہیگی نیز یہ کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔ علمائے شیعہ فرماتے ہیں کہ بارہ خلفاء سے مراد ہمارے بارہ امام ہیں چنانچہ اسی ضرورت سے گیارھویں امام کی وفات کے بعد بارھواں امام قرار دیا گیا چونکہ حضرت حسینؓ کے بعد سے باپ کے بعد بیٹے کا امام ہونا لازم ہو گیا تھا سوائے اسماعیل کے جو اپنے والد جناب موسیٰ کی حیات میں مر گئے تھے اس لئے گیارھویں امام ہی کی اولاد میں اس مفروضہ فرزند محمد کو قرار دے دیا گیا۔ دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ حضرت علیؓ کے سوائے جو خلفائے راشدین میں شامل تھے اور باوجود معزولی وقت وفات تک ذی اقتدار بھی رہے تھے شیعوں کے بقیہ دس ائمہ میں سے کسی کو بھی اس کا موقع نہ مل سکا تھا کہ قوت و تمکین اور سیاسی اقتدار حاصل کر کے ملت اسلامیہ کی کوئی نمایاں تعمیری خدمت انجام دے سکتے یا بزعم امامیہ دین کو شیعہ مذہب کے مطابق اسلامی ممالک کے کسی خطے میں علانیہ تبلیغ کر کے پھیلا سکتے حالانکہ اللہ عزوجل کا صریح وعدہ مومنین صالحین کے بارے میں استخلاف فی الارض کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؀

(النور)

(اے لوگو) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان کے ساتھ نیک عمل میں مصروف رہے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہم انھیں زمین میں خلیفہ بنا دیں گے جس طرح ان سے اگلوں کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لئے اس دین کو بحال العمل بنا دیں گے جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے اور (دشمنوں اور مخالفوں سے) ان کے خوف کے بعد (اس خوف کو) امن سے بدل دیں گے کہ (اطمینان کے ساتھ) میری بندگی میں مصروف رہیں اور (کسی بات میں بھی) کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں اور (اس خلافت ربانی کے قیام) کے بعد جو لوگ کفر کریں تو پھر وہی لوگ بدکار ہیں

واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ امامیہ کے ان دس اماموں پر جنھیں وہ ائمہ معصومین کہتے

ہیں اور ان کی امامت کو من جانب اللہ تصور کرتے ہیں استخلاف فی الارض کا یہ وعدہ ربانی کسی طرح بھی منطبق نہیں ہوا بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔

"ان ائمہ کو جب یہ قدرت و اختیار ہی نہ تھا کہ جمعہ و جماعات کی نمازوں کی امامت کرتے، جہادوں میں قائد و امام ہوتے یا حج کے موسم میں امیر حج ہوتے یا شرعی حدود قائم کر سکتے یا نزاعی معاملات کا تصفیہ اور مقدمات کا فیصلہ کر سکتے یا کسی شخص کا حق دلوا سکتے خواہ وہ حق لوگوں کے ذمہ ہوتا یا بیت المال میں ہوتا اور نہ وہ مسافروں کے لئے راستوں کو محفوظ و مامون کر سکتے تھے کیونکہ یہ سب امور تو محتاج ہیں قدرت و اختیار کے اور یہ قدرت و اختیار بغیر اعوان اور مددگاروں کے میسر نہیں ہو سکتا۔ ان ائمہ کو نہ اس کا اختیار تھا اور نہ قدرت بلکہ یہ قدرت اور اختیار تو ان کے علاوہ دوسروں کو حاصل تھا پس جو شخص ایسے عاجز اماموں سے ان باتوں کی توقع کرے وہ جاہل و نادان ہے۔" (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۲۶)

اور بقول علامہ ابن حزم امامیہ کے وہ تمام ائمہ جو علیؓ و حسینؓ کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے بجز اپنے سکونتی مکان کے اور کہیں کبھی حکم نہیں دیا اور نہ کبھی ایک گاؤں یا اس سے بھی کم پر حکومت کی تو پھر ان لوگوں کی کیا حاجت ہے خاص کر ایک سوا سو برس سے تو یہ لوگ ایسے کھوئے ہوئے امام کا دعویٰ کرتے ہیں جو عنقائے مغرب کی طرح پیدا نہیں ہوا۔

(ملل و النحل ابن حزم)

پس ان حالات میں جب کمزور اور بے اختیار ائمہ کو تعمیر ملت کے کاموں میں کوئی حصہ نہ مل سکا تھا اس قسم کی وضعی روایتوں اور حدیثوں سے ایک ایسی ہستی کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جو آئندہ کسی زمانے میں بارہویں امام کی حیثیت سے صاحب سیف و با اختیار ہو کر تمام دنیا کو فتح کر ڈالیں گے شیعہ مذہب کو ساری دنیا میں پھیلائیں گے اور خدا جانے کیا کیا کریں گے اسی گروہ میں یہ بات بھی مشہور کر رکھی ہے کہ غاصبان خلافت کو زندہ کر کے کئی مرتبہ پھانسی کی سزا دیں گے وغیرہ ذالک من الھفوات۔

ہمیں امامیہ کے عقیدے مہدی، منتظر کی تردید و تکذیب سے تو یہاں بحث نہیں اور نہ عوام میں جو یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے۔ مہدی کی

معیت میں دجال کو قتل کریں گے یہ باتیں بھی ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ قرآن شریف میں نہ مہدی کا ذکر ہے اور نہ نزول عیسیٰؑ کا۔ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں جس راوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے آمد مہدی کی تکذیب کی اور دجال کو نہ مانا وہ کافر ہے یہ راوی الاسکافی بقول علامہ موصوف محدثین کے نزدیک متہم اور وضاع تھا یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ دیگر تصریحات سے بھی ثابت ہے کہ مسلکاً رافضی وغیر ثقہ تھا۔

بہر حال یہاں تو تاریخی واقعات کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ مہدی کے بھیس میں سیاسی قسمت آزماؤں نے حصول اقتدار کی جو مسلسل جدوجہد کئی صدیوں تک کی اور طرح طرح کی وضعی روایتوں اور حدیثوں سے اس بات کی عوام میں تشہیر کی گئی کہ امت کی دینی و دنیوی امامت و قیادت، سرداری و سروری فلاں خاندان کے افراد کا حق ہے، نسباً وہی سب سے برتر ہیں، دنیا کے علاوہ جنت میں بھی وہی سید و سردار ہوں گے صدیوں کے اس پروپگنڈے نے جسے مذہبی رنگ دیا گیا تھا غیر طبقاتی امت مسلمہ کو بالآخر کس طرح شریف وغیر شریف، سید وغیر سید طبقوں میں منقسم کر دیا۔ اور کب سے سید و شریف لقب اظہار نسب میں مستعمل ہونے شروع ہوئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ وضاعین نے مہدی کی شخصیت کو صرف ہاشمی خاندان سے مخصوص کیا ہے، کسی دوسرے قریشی وغیر قریشی خاندان کو یہ اعزاز نہیں بخشا گیا کہ کوئی مہدی کبھی ان میں سے بھی ہو۔ پھر ہاشمیوں میں سے بھی صرف ان ہی دو گھرانوں کی تخصیص ہے جنھوں نے اسلامی سیاسیات میں عملاً حصہ لیا تھا یعنی عباسی اور علوی گھرانوں کی۔ دوسرے ہاشمیوں عقیلیوں، جعفریوں، حارثیوں وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ انھوں نے حصول خلافت میں کوئی جدوجہد نہیں کی تھی۔ وضعی حدیثوں میں بھی چند ہی عباسی مہدی سے متعلق ہیں بیشتر حسینی مہدی کی آمد کے سلسلے میں ہیں دو ایک البتہ حسنی نسب مہدی کے بارے میں ہیں۔ حسنی نسب مہدی کی آمد کا راز بھی سنن ابو داؤد کی ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حسنؓ نے چونکہ امت پر شفقت و رحم کے اس خیال سے کہ خلافت کی خانہ جنگی سے مسلمانوں کی جانیں ضائع نہ ہوں خلافت ہی چھوڑ دی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے اس زمانے میں جب حالات اس کے متقاضی ہوں گے اور شدید حاجت اس کی پیش آئے گی ایک قائم بالحق خلیفہ کا ظہور کرا دیں گے جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ) مگر آپ نے دیکھا کہ ۱۴۵ھ میں ان ہی حضرت حسنؓ کے ایک پوتے محمد الارقط بن عبداللہ المحض نے نسبی تعلیوں سے مہدی ہونے کا ادعا کر کے قائم خلافت کے خلاف خروج کیا تھا جو نتیجۃً ناکام رہا دنیا کو عدل انصاف سے بھرنے کی نوبت ہی نہ آسکی تھی ان کے بعد اس نسل کے متعدد اشخاص نے خروج کئے بعض نے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی قائم کر لیں لیکن مہدویت کی دعویدار نہ ہوئے البتہ ۵۱۵ھ میں ابن تومرت نے مغربی افریقہ میں حسنی نسب کے دعوے اور مہدی کی حیثیت سے خروج کیا تھا حکومت بھی حاصل کر لی تھی۔ خطبات میں اپنے کو "الامام المعصوم المہدی المعلوم" وغیرہ کہا اور کہلوایا کرتے تھے مگر ان کے حسنی نسب کو اہل خاندان واہل معرفت نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ صحیح النسب حسینی دعویداران خلافت کے بیسیوں خروج وقتاً فوقتاً ہوئے ان کا شعار بالعموم "الرضا من آل محمد" تھا۔ مہدی کے ادعاء سے صحیح النسب حسینیوں کے بجائے قرامطہ اور عبیداللہ دعویداران فاطمیت نے متعدد خروج کئے مگر ان کے نسبی ادعاء کو جیسا بالوضاحت بیان ہو چکا عام طور سے تسلیم نہیں کیا گیا فاطمیین مصر کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی یمن میں جو پہلے ہی سے اس خفیہ سیاسی دعوت کا مرکز تھا اسماعیلی دعوت کے مبلغین مجتمع ہو گئے سیاسیات سے کنارہ کش ہو کر اپنے مسلک و معتقدات کی تبلیغ کے لئے مختلف ممالک میں بیشتر تاجروں اور صوفیوں کے بھیس میں مبلغ بھیجتے رہے اس موقع پر متاخرین متصوفہ کا قدرے ذکر بھی ضروری ہے جن کے ذریعہ باطنی نظریات نیز فاطمیت اور سیادت نسبی کے پروپگنڈے کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

اسماعیلیہ و متصوفہ

اسماعیلیہ اور متاخرین متصوفہ کا چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد سے دیگر بدعات کے علاوہ مغالاۃ فی البشر اور فاطمیت و نسبی سیادت تعظیم و توقیر اولاد حسنینؓ کے پروپگنڈے میں کیا حصہ رہا اور کیسے کیسے مہمل اور لغو قصے گھڑ گھڑ کے عوام میں پھیلائے گئے اس گفتگو میں متقدمین صوفیہ سے یا علم تصوف کی حقیقت سے جسے بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شریعت میں احسان کہتے ہیں کوئی تعلق نہیں ہے اللہ تعالےٰ کے کلام میں ان محسنین کی جانب اشارہ ہے جو راتوں میں عبادت الٰہی کے لئے کم سوتے صبح کو استغفار کرتے اور سائلوں اور محروموں کو اپنے مال سے حصہ دیتے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ۝ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝

وہ تھے اس سے قبل نیکی والے اور رات کو تھوڑا سوتے تھے اور صبح کے وقتوں

وبالاسحار هم يستغفرون ○ وفي اموالهم حق للسائل والمحروم ○ | استغفار کرتے (معافی اللہ سے مانگتے) اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور ہارے ہوئے کا حق تھا۔

اسی احسان کے بارے میں جو عرفِ شرع میں تصوف کہلاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہو کانک تراہ اور یہ نہ کر سکو تو جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اسی خشوع و خضوع قلب سے متقدمین صوفیہ کے نفوس میں وہ پاکیزگی زہد و قناعت رجا و خوف توکل و رضا صبر و شکر فقر و محبت کی کیفیت اور صفات پیدا ہوئی جس سے مخلوق کی رہنمائی اور رشد و ہدایت کے کامیاب نتائج برآمد ہوئے۔ ان بزرگوں کے حالات و واقعات سے یہاں کوئی بحث نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات کے سلسلے میں یہ بیان اس موقع پر ضروری ہوا کہ چھٹی ساتویں صدی ہجری سے ایران وغیرہ میں متاخرین صوفیہ کے جو پر اسرار حلقے اور سلسلے قائم ہوئے ان کی تعلیم میں باطنیہ اسماعیلیہ تحریکات کا کہاں تک اثر کارفرما ہوا تھا۔ متاخرین متصوفہ کا بیشتر طبقہ شیخ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ مصنف فصوص الحکم و فتوحات مکیہ کے خیالات و نظریات کا اثر قبول کر چکا تھا۔ ابن عربی کی ان کتابوں کے مطالعہ کرنے والے کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی اس رائے سے اختلاف نہ ہو سکے گا جو انہوں نے ابن عربی و ابن سبعین مولف کتاب لیدوا ابن برجان مولف عین الیقین کے بارے میں اپنے فتوے میں دی ہے کہ یہ لوگ قرامطہ باطنیہ اسماعیلیہ کی قماش کے تھے "فانهم من جنس القرامطة الباطنية الاسماعيلية الذين كانوا اكفر من اليهود والنصارى" (فتویٰ ابن تیمیہ) ابن عربی کے خیالات کا تھوڑا سا نمونہ آگے آتا ہے۔ خود متصوفہ کے یہاں جو اصطلاح رجال الغیب کی ہے ان کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ کائنات کے روحانی انتظامات کے ذمہ دار ہیں یہ بظاہر اسماعیلیہ تنظیم کا اتباع ہے کیونکہ رجال الغیب کے تعداد اور مدارج کے اعتبار سے جو القاب مقرر کئے گئے ہیں یعنی ابدال و نجیب و نقیب، اوتاد، عمود، قطب اور غوث وہی دوسرے ناموں سے اسماعیلیہ تنظیم میں ہیں یعنی ناطق و اساس و حجت، و داعی و ماذون و لاحق و مومن اس سلسلے میں اگر روسی مستشرق کے اس قول کو نہ مانا جائے کہ الاموت کی بربادی کے بعد نزاری اسماعیلیہ کی جو کانفرنس بحر اخزر کے ساحلی مقام پر منعقد ہوئی تھی اس میں قرار دیا گیا تھا کہ اپنا دوسرا سیاسی مرکز قائم کرنے کے بجائے ہمیں صوفیوں کے بھیس میں کام کرنا چاہیے پھر بھی اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ عصمت الٰہی [illegible]

وشمالی ایران اور خراسان میں، اناطولیہ والبانیا کے بکتاشی کشمیر کے نوربخشی وغیرہ جو متصوفہ طریقت کے مدعی تھے درحقیقت باطنی شیعہ ہی تھے۔ اسماعیلیہ و باطنیہ کے یہاں ظاہر و باطن کی جو تفریق ہے اسی طرح متصوفہ کے یہاں شریعت و حقیقت کی ہے اور متصوفہ کے علی اللہی گروہ میں ترک شریعت و اباحی اخلاقیات کے علاوہ اسماعیلیہ باطنیہ کے اپنے سرگروہ کی کورانہ اطاعت سے متصوفہ کے دوسرے حلقوں میں بھی فنا فی الشیخ کے درجہ اور اپنے مشائخ کی کراموں اور محیر العقول داستانوں میں اسماعیلیہ ہی کے اماموں کی پرستاری و بندگی کی جھلک آتی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے متاخرین متصوفہ کے بارے میں وضاحت سے لکھا ہے :-

"اسماعیلیہ کی طرح متاخرین متصوفہ حلول کے قائل ہو گئے گویا امامیہ اور روافض کے ہمخیال ہوئے کیونکہ وہ بھی تو الوہیت ائمہ و حلول الٰہ کے قائل تھے انھوں نے اماموں اور نقیبوں کے بجائے قطب و ابدال مقرر کیے اور مذہب شیعہ کو اپنے دل میں اس قدر جگہ دی اور اقوال شیعہ سے اس درجہ متاثر ہوئے اور ان کے مذاہب کی دیانت میں ایسا غلو کیا کہ خرقہ کے بارے میں ان کے طریقہ کو مستند بنانے کی خاطر کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے حسن بصری کو پہنایا تھا اور طریقہ کے التزام پر ان سے بیعت لی تھی پھر وہ سلسلہ بیعت ان کے شیوخ سے جنید تک چلا گیا حالانکہ اس کا ثبوت حضرت علیؓ سے بطریق صحیح موجود نہیں اس کے علاوہ یہ طریقہ حضرت علیؓ کی

ملے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صراحتاً لکھا ہے کہ حسن بصریؒ کو نہ جدہ کمسنی نہ کبھی حضرت علیؓ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا تھا اور نہ کبھی ان کی باہم ملاقات ہی ہوئی تھی وہ لکھتے ہیں۔

ان الحسن (البصری) صحب علیا	اور حسن بصری کا حضرت علیؓ سے صحبت پانا باتفاق
وھذا باطل باتفاق اھل المعرفة	اہل معرفت غلط اور باطل ہے کیونکہ ان کا اس
فانہم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع	بات پر اتفاق ہے کہ حسن بصری اور حضرت علیؓ
بعلی .... والحسن ولد لسنتین	کی باہم ملاقات ہی نہیں ہوئی .... خلافت
بقیتا من خلافة عمر وقتل عثمان و	عمرؓ کے دو سال باقی تھے جب حسن بصری پیدا ہوئے
ھو بالمدینة کانت امہ امة لام	قتل عثمانؓ کے زمانے میں وہ مدینہ میں تھے کیونکہ

(بقایا صفحہ ۲۱۴ پر)

سے کیوں مخصوص کیا جائے جبکہ تمام صحابہ ہدایت و رشد کے اسوۂ و نمونہ ہیں حضرت علیؓ سے بمقابلہ صحابہ اس کی تخصیص میں تو شیعت کا رنگ جھلکتا ہے اس سے اور دوسری باتوں ۔ طور سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ تشیع میں داخل ہو کر ان کے مسلک پر گامزن ہو چکے تھے۔ چنانچہ قطب کے بارے میں اسی طرح ان کے کلام کا اظہار ہوتا تھا پھر ان ہی رافضی اسماعیلیوں اور متاخرین متصوفہ کی کتابوں میں اس فاطمی المنتظر کی روایتوں کی بھرمار ہو گئی ان میں سے بعض کا مضمون بعض سے مطابق ہوا اور بعض نے بعض سے اخذ کیا مگر ان سب نظریات کی بنیاد اصول واہیہ پر مبنی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

غرضیکہ متاخر متصوفہ کے ذریعہ جن میں اسماعیلی مبلغین بھی شامل ہو کر کام کر رہے تھے فاطمیت و سیادت کے سلسلے میں صدہا حکائتیں اور قصے نہ صرف عوام میں مشہور ہوئے بلکہ متعدد کتب کے صفحات پر ان کو جگہ دی گئی۔ یہاں تک کہا گیا کہ ایک شریف یعنی سید کی تعظیم و توقیر ہر حالت میں لازم ہے خواہ وہ کیسا ہی قبیح الاعمال ہو۔ شریف سے مراد فاطمی حسینی لی گئی۔ متصوفہ کے شیخ الطائفہ ابن عربی کا یہ قول مولف نور الابصار فی مناقب آل البیت النبی المختار نے نقل کیا ہے۔

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۱۳ کا)

سلمة فلما قتل عثمان حمل الى البصرة وكان على بالكوفة والحسن فى وقته صبى من الصبيان لا يعرف ولا له ذكر (منهاج السنة)	ان کی ماں حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں قتل عثمانؓ کے بعد وہ بصرے لائے گئے تھے اور حضرت علیؓ اس وقت کوفے میں تھے پھر یہ حسن بصری اس زمانے میں عام لڑکوں میں کے ایسے لڑکے تھے جنہیں نہ کوئی جانتا تھا اور نہ ان کا کوئی ذکر ہی تھا۔

صوفیوں کا یہ سلسلہ یعنی جنیدؒ مرید سری سقطیؒ مرید معروف کرخیؒ مرید داؤد طائیؒ مرید حبیب عجمیؒ مرید حسن بصری مرید حضرت علیؓ منقطع ہے جیسا سطور بالا میں ذکر ہے حسن بصریؒ کی حضرت علیؓ سے ملاقات ہی ثابت نہیں پھر داؤد طائی اور حبیب عجمی کا باہم ملاقی ہونا بھی نہایت مشتبہ ہے سری سقطی تو معتبر روایت کی بنا پر معروف کرخی کے نہیں بکر بن حنیس کے مرید تھے۔ واللہ اعلم۔

تعظیم الشریف مطلوب بما لا اثم علیه ولو زنی وعمل عمل قوم لوط وشرب الخمر وسحروا کل الربا و سرق وکذب واکل اموال الیتامی وقذف المحصنات وآذی المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا۔

(صحیح الاسلام ص۱۵۱)

شریف (سید) کی تعظیم ہر حالت میں واجب ہے خواہ وہ زنا کرے، قوم لوط کا فعل بد کرے، شراب پیے، دھوکہ و فریب دے، سود کھائے، چوری کرے، جھوٹ بولے، یتیموں کا مال کھائے، پاکدامن عورتوں پر اتہام لگائے اور مومن مرد مومن عورتوں کو بلا سبب ایذا دے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

یہ لغو قول تو متاخرین متصوفہ کے شیخ الطائفہ ابن عربی کا تھا اب یوسف النبہانی کا ارشاد سنئے وہ اپنی تالیف میں جس کا نام "الشریف المؤبد لآل محمد" (یعنی شرف ابدی آل محمد کا) رکھا ہے لکھتے ہیں کہ آل البیت کے فاسق و فاجر شخص کی بھی عزت و توقیر کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ گناہ اس کے سب معاف ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی بدکاریوں سے بجزائے آیت تطہیر درگذر فرمائیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں پھر ایک جعلی حدیث جو البزار والطبرانی و فوائد ابی تمام میں بھی ہے درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم: ان فاطمة احصنت فرجها فحرمها اللہ وذریتها علی النار وغیرہ من الاحادیث الدالة علی القطع لهم بالجنة من غیر سابقة عذاب و انما طلب اکرام فاسقهم لان اکرامه لیس لفسقه وانما هو لعنصره الطاهر ونسبه الطاهر و هذا موجود فی طالحهم کوجوده فی صالحهم۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے پس اللہ نے اس پر اس کی ذریت پر نار دوزخ حرام کر دی۔ یہ اور دوسری حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جنت ان کے (فاطمہ و اولاد فاطمہ) کے لئے بغیر سابقہ عذاب کے مقرر کر دی گئی ہے اور بیشک ان کے فاسق کا اکرام ضروری ہے کیونکہ اکرام اس کے فسق کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ پاک عنصر سے اور اعلیٰ نسب سے ہے اور یہ چیز ان کے بدکاروں میں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح ان کے

نیکو کاروں میں موجود ہے۔

اِس قسم کے مہمل اقوال کو جو صریحاً نصوص قرآنیہ و تعلیمات اسلامیہ کے سراسر خلاف ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا ابن عربی اور اس کے ہم مشربوں کی بڑی جسارت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے چچا عباس رضؓ، اپنی پھوپی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ ان تینوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا۔

یا عباس! عم محمدؐ یا صفیۃ عمۃ محمدؐ یا فاطمۃ بنت محمدؐ! اعملوا اعملوا فلن اغنی عنکم من اللہ شیئا	اے عباس محمدؐ کے چچا! اے صفیہ محمدؐ کی پھوپی اور اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی! عمل کرو عمل۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔

ابن عربی کی کتاب الفتوحات المکیہ وغیرہ کی خرافات سے متاخرین صوفیہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ بیشتر اسی شیخ طریقت کی جانب لپکتے جو حسنی و حسینی نسب کا ہوتا یا اس نسب شریف کا ادعا کرتا کیونکہ ان کا شیخ اکبر طرح طرح سے یہ سبق پڑھا گیا تھا کہ سب فاطمی نسب طاہر و مطہر اور گناہوں کی آلودگی سے پاک و منزہ ہوتے ہیں اور ابدال و قطب بھی ان ہی میں سے ہوتے ہیں۔ اپنی کتاب الفتوحات المکیہ میں (الجزء الاوّل باب ۲۹) میں سورۂ الفتح کی اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ:۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا۔	یقیناً ہم نے دی ہے تجھ کو فتح مبین تاکہ اللہ درست کرے تیرے واسطے خطائیں جو آگے منسوب کی گئی ہیں تجھ سے اور جو پیچھے رہیں اور تجھ پر پورا کرے اپنا احسان اور چلائے تجھکو سیدھی راہ۔

چنانچہ ابن عربی ان الفاظ میں اولاد فاطمہؓ کو اس آیت کی تفسیر میں شامل کرتے ہیں:۔

فدخل الشرفاء اولاد فاطمہ کلھم ومن ھو من اھل البیت الی یوم القیامۃ فی حکم ھذہ الآیۃ من الغفران فھم المطھرون اختصاصاً من اللہ وعنایۃ بھم ولا	اس آیت کے حکم مغفرت میں اولاد فاطمہؓ میں سے سب کے سب اشراف اور جو کوئی بھی اہل بیت سے ہو یوم قیامت تک داخل ہیں کیونکہ یہ سب پاک مطہر ہیں اللہ تعالیٰ کے لطف و عنایت اور خصوصیت سے جو

يظهر حكم هذا الشرف لاهل البيت الا في الآخرة فانهم يحشرون مغفوراً لهم۔	ان کے ساتھ ہے اہل بیت کے لئے اِس شرف کے حکم کا ظہور دار آخرت میں ہی ہو گا۔ کیونکہ یہ سب مغفرت یافتہ محشور ہوں گے۔

اسی مضمون و مفہوم کی بیسیوں روایتیں اور حدیثیں گھڑی گئیں روافض وغیرہ کی کتابوں کے علاوہ عام مسلمان علماء و مصنفین نے بھی درج کر ڈالی ہیں۔ مولف الصواعق المحرقہ کی زبانی نمونے کے طور سے ایک آپ بھی سنئے:۔

انه صلى الله عليه وسلم قال لعلى ان اول اربعة يدخلون الجنة انا وانت والحسن والحسين و ذرارينا خلف ظهورنا وازواجنا خلف ذرارينا وشيعتنا عن ايماننا وشمائلنا (ص ۱۱۱)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا اوّل جو چار جنت میں داخل ہوں گے وہ میں اور تم اور حسن و حسین ہوں گے ہماری پشت کے پیچھے پیچھے ہماری اولاد ہو گی اور ہماری اولاد کے پیچھے پیچھے ہماری بیبیاں ہونگی اور ہمارے دائیں بائیں ہمارے شیعہ ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی "شیعہ" بتانا کیا کچھ کم لغو بیانی ہے۔

دوسری حدیث جو حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی مغفرت کے بارے میں ہے اِن الفاظ میں اختراع کی گئی ہے:۔

انه صلى الله عليه وسلم قال للعباس يا عباس ان الله غير معذبك ولا احد من اولادك وفى رواية يا عم سترك الله وذريتك من النار (ايضاً)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا اے عباس! اللہ تعالیٰ تمھیں اور نہ تمہاری اولاد میں سے ایک کو بھی عذاب نہ دیگا اور روایت میں ہے کہ اے چچا اللہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو نار دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔

واضح رہے کہ اس قسم کی حدیثیں جن کے نمونے سطور بالا میں درج ہوئے ہاشمی خاندان کے انہی دو گھرانوں کے اشخاص کے بارے میں ہیں جنھوں نے سیاسیات میں عملی حصہ لیا تھا یعنی اولاد عباسؓ و علیؓ نے گرانہی کے دوسرے عزیزوں یعنی اولاد جعفرؓ و عقیلؓ برادران علیؓ اور دوسرے ہاشمیوں آل حارث وغیرہم کے بارے میں جن پر لقب الشریف کا اطلاق

ہوتا تھا کوئی روایت نہیں اسی سے ظاہر ہے کہ سیاسی ضرورت سے ایسی حدیثیں وضع کی گئیں جو مؤلف کی روایت پرستانہ ذہنیت سے اس کتاب میں بھی درج ہیں جس کے نام کے ساتھ ہی یہ الفاظ لکھے گئے ہیں کہ یہ کتاب بدعت و زندقیت کے رد میں ہے۔

امام مہدی اور صوفیہ کے قطب متاخرین صوفیہ نے امامیہ کے ان بارہ اماموں کہ جن میں سے دو اپنے پیشرؤں کی وفات کے وقت سات آٹھ برس کے بچے اپنے روحانی پیشواؤں میں شامل کر رکھا ہے۔ اور گیارہویں امام حسن عسکری کے مفروضہ فرزند محمد کو ابدال اور قطب کے مرتبہ پر فائز کر دیا ہے۔ کتب صوفیہ میں ان کا نام "رضی اللہ عنہ" یا "علیہ السّلام" الفاظ کے ساتھ درج ہے۔ صاحب انوار العارفین شیخ علاؤ الدولہ احمد بن محمد سمنانی کا قول در بارہ ابدال و اقطاب درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بتحقیق رسید بمرتبہ قطبیت محمد بن حسن عسکری رضی اللہ عنہ وعن ابائہ الکرام ائمہ اہلبیت الطہارۃ و وے در وقتے کہ مخفی شد داخل زمرۂ ابدال بود پس ترقی کرد درجۂ درجہ طبقۂ طبقۂ تا آنکہ سید افراد گشت۔ (ص ۱۴۲)	محمد بن حسن عسکری (خدا ان سے اور ان کے آبائے کرام ائمہ اہل بیت طہارت سے راضی ہو) بتحقیق مرتبہ قطب پر پہنچے اور جس وقت وہ روپوش ہوئے زمرۂ ابدال میں داخل تھے پھر درجہ بدرجہ اور طبقہ بطبقہ ترقی کی۔ یہاں تک کہ سید افراد ہو گئے۔

پھر لکھا ہے کہ محمد بن حسن عسکری کے زمانہ میں کوئی علی بن حسین بغدادی قطب تھے۔ ان کے مرنے پر یہی ان کے جانشین ہوئے اور انھوں نے ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ۱۹ سال تک مرتبہ قطبیت پر فائز رہ کر وفات پائی:۔

پس حق تعالیٰ اورا بروح وریحاں ازیں عالم درگذرانید وعثمان بن یعقوب جوینی خراسانی را دراں مقام برپا کرد و نماز کرد وے وجمیع اصحاب وے بر محمد بن حسن عسکری و دفن کردند او را در مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ایضاً)	پس اللہ تعالیٰ نے ان کو روح وریحان کے ساتھ اس دنیا سے گذار دیا اور ان کے بجائے عثمان بن یعقوب جوینی خراسانی کو قایم کیا انھوں نے اور ان کے سب ساتھیوں نے محمد بن حسن عسکری کے جنازے کی نماز پڑھ کر انھیں مدینہ رسول اللہ صلی اللہ

	وسلم میں دفن کر دیا۔

اس کے بعد حضرت حسینؓ سے یہ منسوبہ قول نقل کیا ہے کہ :۔

از سید الشہدا حسین بن علیؓ می آرند کہ گفت از ما دو ازدہ تن مہدی باشند اوّل علی بن ابی طالب وآخر ایشاں مہدی قایم بحق زندہ میگرداند حق سبحانہ بوئے زمین را بعد از موتش وظاہر میگرداند بوئے دین حق را بر ہمہ دینہا اگرچہ ناخوش آید مشرکان را۔ (ایضاً)	سید الشہدا حسین بن علیؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم میں بارہ شخص مہدی ہیں اوّل علی بن ابی طالب ہیں اور آخری ان میں کے مہدی قایم بحق ہیں۔ حق سبحانہٗ ان کے ذریعہ غلبہ دیں گے دین حق کو تمام ادیان پر اگرچہ مشرک اس سے ناخوش رہیں۔

امامیہ تو جس طرح اپنے امام الزماں وصاحب العصر کی خدمت میں حاجت روائی کے لئے عریضے ارسال کیا کرتے ہیں بعض صوفیہ سلسلوں کے لوگ بھی مہدی کے روحانی تصرف کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اہل بیت یعنی اولاد حسنینؓ کی روحانی پیشوائی کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قطب زماں ان ہی میں ہوتے ہیں جیسا الآلوسی الکبیر کا قول ہے کہ :۔

ذھب قوم الیٰ ان القطب فی کل عصر لایکون الامنھم — من آل البیت۔	ایک جماعت (صوفیہ کی) اس بات کی طرف گئی ہے کہ ہر زمانہ کا قطب سوائے ان کے یعنی آل البیت اور کسی میں نہیں ہوتا۔

یہی قول فتوحات مکیہ میں ابن عربی کا بھی ہے کہ قطب الاولیا اسی پاک ومطہر خاندان کا ہوتا ہے مگر جو لوگ اس طرف گئے ہیں کہ دوسروں میں بھی قطب الاولیا ہو سکتا ہے وہ بھی اس کے معترف ہیں کہ قطب الاقطاب تو آل البیت ہی کے لئے مخصوص ہے۔ قطب الاولیاء اور قطب الاقطاب کے قصوں اور حکایتوں کے علاوہ متاخرین صوفیہ کے حلقوں میں ایسے بے شمار قصے اور حکایتیں وضع ہو کر مشتہر ہوئیں۔ جن میں سے چند بعض علمائے اہل سنت کی کتب میں بھی درج ہیں کہ اولاد فاطمہؓ میں جس کسی شخص کو باظہار نسب سید وشریف کہا گیا ہے اگر کسی نے اذیت دی یا اذیت دینے کا قصد کیا یا برا برتاؤ کیا دفعتہً خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علیؓ وفاطمہؓ کو دیکھا کہ یہ بزرگ اس سے اظہار ناراضی

فرمارہے ہیں وہ اپنے فعل سے تائب ہو جاتا ہے یا اگر وہ ظالم و گنہگار ہے مگر سید و شریف سے کوئی حسن سلوک اس نے کبھی کیا ہے یہی فعل اس کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی محدث و فقیہ سے ایک دو قصے اس کے ہی سنئے :۔

(۱) اخبر الجمال الرشدی والشہاب الکورانی ان بعض ابناء تمرلنگ اخبر انه لما مرض تمرلنگ مرض الموت اضطرب فی بعض الایام اضطرابا شدیدا فاسود وجهه وتغیر لونه ثم افاق فذکروا له ذلك فقال ان ملائکة العذاب اتونی فجاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لهم اذهبوا عنه فانه کان یحب ذریتی و یحسن الیهم فذهبوا۔

جمال الرشدی اور شہاب الکورانی نے بتایا کہ تیمور لنگ کی اولاد کے بعض لوگوں نے ہمیں یہ بتایا کہ جب تیمور لنگ مرض موت میں مبتلا ہوا تو بعض دنوں میں تو اس پر ایسی شدید بے چینی طاری ہوتی کہ اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا اور رنگ متغیر ہو گیا مگر پھر اچھا ہو گیا یہ بات جب اسے یاد دلائی گئی تو اس نے کہا کہ عذاب دینے والے فرشتے میرے پاس آ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے پس آپ نے فرشتوں سے فرمایا اس کے پاس سے دور ہو جاؤ کیونکہ یہ تو میری ذریت سے محبت کرتا ہے اور حسن سلوک سے پیش آتا ہے پس وہ (فرشتے عذاب کے) چلے گئے۔

(۲) حکی التقی بن فهد الحافظ قال جاءنی الشریف عقیل بن همیل وهو من الامراء الهواشم فسألنی عشاء فاعتذرت الیه ولم افعل فرأیت النبی فی تلك اللیلة او فی غیرها فاعرض فقلت کیف تعرض عنی یا رسول الله وانا خادم حدیثك فقال کیف لا اعرض عنك ویاتیك

تقی بن فہد نے جو حافظ حدیث تھے حکایت کی ہے کہ شریف عقیل بن ہمیل جو امرائے ہو ہاشم کے خاندان کے تھے میرے پاس آئے اور طعام شب طلب کیا میں نے ان سے معذرت چاہی اور کھانا نہ کھلا سکا اسی رات میں یا دوسری شب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے منہ پھیر لیا میں نے عرض کیا کہ میں تو آپ کی حدیث

ولد من اولادی لیطلب العشاء فلم تعشہ قال فلمّا اصبحت جئت الشریف واعتذرت الیہ واحسنت الیہ بما تیسر (ص۱۵۱)

کی خدمت کرتا ہوں مجھ سے کیوں بیرخی برتتے ہیں فرمایا تجھ سے کیوں نہ بیرخی کریں ہماری اولاد میں سے ایک تیرے پاس آیا طعام شب طلب کیا اور تو نے کھانا نہ کھلایا تھا۔ ابن فہد کہتے ہیں کہ صبح ہوتے ہی میں شریف کے پاس دوڑا گیا ان سے معذرت کی اور جو کچھ میسر تھا سلوک کیا۔

شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی نے اپنی یہ کتاب الصواعق المحرقہ جس سے مندرجہ بالا حکایتیں نقل ہوئیں ۹۵۰ھ میں تالیف کی تھی نسل علی و فاطمہؓ کے اعزاز و اکرام کے جیسے مہمل قصوں سے کئی صفحے بھر ڈالے ہیں ایک قصے میں بیان ہوا ہے کہ حاکم الشریف ابی نمی محمد بن ابی سعد حسن بن علی بن قتادہ الحسنی "بڑے ظالم شخص تھے" ۔ شیخ عفیف الدین الدلاصی پیش نماز نے ان کے جنازے کی نماز نہیں پڑھائی رات کو خواب میں حضرت فاطمہؓ کو مسجد الحرام میں دیکھا لوگ سلام کر رہے ہیں وہ جواب دے رہی ہیں پیش نماز نے تین مرتبہ سلام کیا انھوں نے منہ پھیر لیا خفگی کا سبب معلوم کیا تو فرمایا "یموت ولدی ولا تصلی علیہ" میرے بیٹے کی وفات ہوئی ہے تو اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھتا اس قسم کی دوسری حکایتوں کے بیان کے بعد کہا گیا ہے شریف و سید اولاد فاطمہؓ کا اکرام و توقیر ہر حالت میں لازم ہے خواہ صالح و نیکوکار ہوں یا فاجر و بدکار۔ ان حکایتوں اور قصوں کی تصنیف کا سراغ چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد سے چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک ایرانی نژاد مدعیان فاطمیت و مہدویت کے علاوہ خود صحیح النسب فاطمیوں علویوں کے پے در پے خروج حصول خلافت کی غرض سے مختلف مقامات میں اکثر و بیشتر ناکام ہو چکے تھے۔ اب جبکہ عبیدیہ فاطمیہ حکومت کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا خروجوں کے مواقع حسب سابق حاصل نہ تھے ادھر غالی شیعہ و روافض باطنیہ اسماعیلیہ و متاخرین متصوفہ کی بدولت مغالاۃ فی البشر کی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ مہمل حکایتیں بھی عوام میں پھیلائی گئیں جو روایت پرستی کی وجہ سے بعض کتب میں بھی درج ہو گئیں حالانکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے دنیا کے یہ رشتے ناتے خواہ نبی سے ہوں یا ولی سے دنیا ہی تک کے لئے ہیں۔ ارشاد باریتعالیٰ ہے۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (پ۲۸)

تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تم کو نفع نہیں پہنچائیں گے وہ (اللہ) فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ○ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ○ (پ۱۸ ع ۶)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان کوئی رشتہ نہیں رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے جن کا (نیکی کا پلہ) بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا وہ وہی ہیں جنھوں نے اپنے کو برباد کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

علامہ ابن حزم نے الملل والنحل میں آیت شریفہ واخشوا یوما لا یجزی والد عن ولدہ ولا مولود عن والدہ شیئا (اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آسکے گا اور نہ بیٹا اپنے والد کے) لکھا ہے کہ :-

فصح ضرورة أنه لا ينتفع أحد بقرابته من رسول الله ولا من نبي من الأنبياء والرسل ولو أن النبي ابنه أو أبوه أو أمه نبيته وقد نص الله في ابن نوح ووالد إبراهيم وعم محمد ما فيه الكفاية وقد نص الله على أن من أنفق من قبل الفتح وقاتل أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا۔ فصح ضرورة أن بلالا وصهيبا والمقداد وعمارا وسالما وسلمان أفضل من العباس وبنيه عبد الله والفضل وقثم ومعبد وعبيد الله

پس ثابت ہو گیا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء و مرسلین کی قرابت کی وجہ سے نفع نہ اٹھا سکے گا اگرچہ اس کا بیٹا یا باپ یا ماں نبی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرزند نوحؑ و والد ابراہیمؑ و عم محمدؐ کے بارے میں جو تصریح کی ہے وہی کافی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے قبل فتح مکہ خرچ کیا، جہاد کیا وہ ان لوگوں سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور جہاد کیا لہٰذا بداہتہً ثابت ہو گیا کہ بلالؓ و صہیبؓ و مقدادؓ و عمارؓ و سالمؓ و سلمانؓ عباسؓ

ومن عقيل بن ابى طالب والحسن والحسين بشهادة الله فان هذا لاشك فيه ولا جزاء الا على عمل ولا ينتفع عند الله بالارحام ولا بالولادات وليست الدنيا دار جزاء فلا فرق بين هاشمى وقرشى وعربى وعجمى وحبشى وابن زنجية والكرم والفوز لمن اتقى الله۔

(ملل والنحل ابن حزم)

و فرزندان عباسؓ عبد اللہؓ و فضلؓ و قثمؓ و معبدؓ و عبید اللہؓ نیز عقیلؓ بن ابی طالب اور حسنؓ و حسینؓ سے اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مطابق افضل ہیں چونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آخرت میں صرف عمل ہی پر جزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں قرابتوں اور پدری و پسری تعلق سے کوئی نفع نہ ہوگا اور دنیا مقامِ جزاء نہیں ہے تو پھر ہاشمی و قرشی و عربی و عجمی و حبشی اور کسی حبشن کے بیٹے میں باہم کوئی فرق نہیں بزرگی اور کامیابی اسی کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ متقی ہے

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً ارشاد فرمایا کہ متقی مسلمان ہی میرے دوست (ولی) ہیں نہ کہ آلِ ابی طالب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

واما الاتقياء من امته فهم اولياؤه كما ثبت فى الصحيح- ان ال ابى فلان يعنى ال ابى طالب- ليسوا لى باولياء وانما ولى الله وصالح المومنين فبيّن اولياءه صالح المومنين وكذلك فى حديث آخر- ان اوليائى المتقون كانوا واين كانوا-

(منهاج السنة)

آپ کی (رسول اللہؐ) کی امت کے متقی ہی آپ کے دوست ہیں جیسا کہ اس حدیث سے جو صحاح میں ہے ثابت ہے [illegible] نے فرمایا آلِ ابی فلاں یعنی آلِ ابی طالب میرے لئے اولیا اور دوست نہیں ہیں بلکہ ولی اللہ اور مومنین صالح بلاشبہ میرے ولی اور دوست ہیں اس حدیث سے واضح ہے کہ آپ کے دوست صالح مومنین ہیں اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ میرے اولیاء تو متقی لوگ ہیں وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں ہوں۔

فصلکم اللہ تعالیٰ اور [illegible] کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں صاف [illegible] [illegible] ہے کہ آخرت کے [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible] کا مرتبہ آئے گا جن کے

اعمال نیک کا پلّہ بھاری ہوگا وہی کامیاب رہیں گے (ھُمُ المفلحُون)۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نسباً آپ سے قریب تر تھے آپ ہی کے ارشاد کے مطابق آپ کے والد کے مثل تھے (صنو آبی) مسند احمد میں ان کے فرزند عبداللہ بن عباسؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب انھوں نے درخواست کی کہ کوئی چیز ایسی بتلا دیں جو آخرت میں نفع بخش ہو آپ نے فرمایا تھا:۔

یا عباس! انت عمی ولا اغنی عنك من اللہ شیئاً ولکن سل ربك العفو والعافیة فی الدنیا والآخرة	اے عباس! چچا تم میرے ہو مگر اللہ کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا لیکن تم التجا کرتے رہو اپنے رب سے دنیا اور آخرت میں بھلائی اور عافیت کی ۔

اپنی پھوپی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بھی جیسا ذکر کرچکا آپ نے یہی فرمایا تھا کہ اللہ تعالٰی کے یہاں میں تم لوگوں کے کچھ کام نہیں آسکتا عمل کرو عمل۔ سورۂ النجم کی آیت مبارکہ کا یہی مضمون ہے فرمایا گیا ہے۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰیo وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰیo ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰیo	کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور یہ کہ آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جو وہ کماتا ہے اور یہ کہ کمائی اس کی جلد ہی اس کو دکھا دی جائے گی پھر اس کو پورا پورا بدلا دے دیا جائیگا۔

نسبی شخصی برتری کی چند وضعی حدیثیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار اسلامی مساوات و اخوت کی نصوص قرآنیہ سے کسی طرح مستثنٰی نہیں اور نہ سزا و جزا سے بالا ہیں لیکن یہ چند وضعی احادیث جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ملاحظہ ہوں مختلف کتب الصواعق المحرقہ، الھیثمی واللآلیٔ المصنوعہ سیوطی و مجمع الزوائد و منبع الفوائد الھیثمی و نور الابصار وغیرہ وغیرہ درج ہیں۔

(۱) حضرت عباسؓ کے بارے میں رسول اللہؐ اے عباس! اللہ تعالٰی تمھیں اور تمہاری

صلی اللہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔	اولاد میں سے کسی کو بھی عذاب نہ دے گا۔
۲۔ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے لئے بھی یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔	اے فاطمہ! تمہیں اور تمہاری اولاد کو اللہ تعالیٰ عذاب سے کوئی نہ دے گا۔
۳۔ حضرت فاطمہؓ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں رسول اللہ سے یہ قول منسوب کیا ہے	اللہ تعالیٰ نے فاطمہ اور اس کی ذریت کو نار دوزخ سے جدا کر رکھا ہے (قطم) اس لئے نام رکھا گیا۔

حضرت علیؓ کے بارے میں یہ حدیث وضع ہوئی جسے ابن حجر الہیتمی نے ان الفاظ میں درج کیا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

۴۔ یا علی! إن الله قد غفر لك ولذريتك ولولدك ولأهلك ولشيعتك ولمحبي شيعتك فأبشر فإنك الأنزع البطين	اے علی! اللہ تعالیٰ نے تمہاری، تمہاری ذریت کی، تمہاری اولاد کی، تمہاری اہل بیوی کی، تمہارے شیعوں کی اور تمہارے شیعوں کی محبت رکھنے والوں سب کی مغفرت کر دی کیونکہ تم عظیم البطن ہو۔

پھر اپنے اہل خاندان کو نارِ دوزخ سے محفوظ رکھنے کے بارے میں یہ قول بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا۔

۵۔ سألت ربي ألا يدخل أحد من أهل بيتي النار فأعطاني ذلك۔	میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی بھی نار دوزخ میں نہ جانے پائے پس اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست میری قبول فرمالی۔

حسنینؓ اور ان کے والدین کے بارے میں مشہور حدیث کسا محض وضعی ہے

اسی طرح حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں بھی وضعی حدیث ہے کہ:۔

۶۔ أنه صلى الله عليه وسلم اشتمل على العباس وبنيه بملاءة ثم قال يا رب هذا عمي وصنو أبي وهؤلاء أهل بيتي	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا۔ اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں۔ میرے باپ کے مثل ہیں اور

فاسترهم من النار كسترى اياهم بملاء تي هذه فامنت اسكفة الباب وحوائط البيت فقال آمين

اہل ہیں ان کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچا جو جیسے میں نے اپنی چادر سے ڈھانپا ہے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

۷۔ عن النبي بحرمت الجنة على من ظلم اهل بيتي وآذاني في عترتي ومن صنع صنيعة الى احد من ولد عبد المطلب ولم يجازه عليها فانا اجازيه عليها غداً اذا لقيني يوم القيامة (کتاب نور الابصار)

نبی صلعم نے فرمایا! حرام ہے جنت اُس شخص پر جس نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا اور میری عترت کو ایذا دی اور جس نے عبدالمطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی سلوک کیا ہو اور اس کا بدلا نہ پایا تو بدلا میں دونگا جب کل قیامت کے دن مجھ سے ملاقی ہوگا۔

روافض ومتصوفہ کے وضعی اقوال کو کذابین نے حدیث کہکر مشہور کیا ہے اس کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

۸۔ عن ابن مسعود حب آل محمد يوماً خير من عبادة سنة (الشرف المؤبد)

ابن مسعود سے یہ حدیث مروی ہے کہ آل محمد سے ایک دن محبت کرنا ایک سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

۹۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

النظر الى علي عبادة

علی پر ایک نظر ڈال لینا عبادت ہے۔

۱۰۔ صواعق المحرقہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ
(جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی سب خلق سے بہتر ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے فرمایا هو انت وشيعتك تاتي انت وشيعتك يوم القيامة راضين مرضيين ويأتي عدوك غضبانا مقمحين (یعنی یہ لوگ جن کا اس آیت میں ذکر ہے) تم اور تمہارے شیعہ ہیں قیامت کے دن تم اور تمہارے

شیعہ راضی خوشی آئیں گے اور تمہارے دشمن رنجیدہ و پژمردہ آئیں گے۔

۱۱۔ اسی الصواعق میں الثعلبی نے سورۃ الاعراف کی اس آیت کی تفسیر میں (وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ) اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو اس کی پیشانی سے) حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے۔

الاعراف موضع عال من الصراط عليه العباس وحمزة وعلي بن ابي طالب وجعفر ذو الجناحين يعرفون محبيهم ببياض الوجوه ومبغضيهم بسواد الوجوه۔

الاعراف پل صراط کا بلند مقام ہے اس پر عباس اور حمزہ و علی بن ابی طالب اور جعفر ذوالجناحین ہوں گے اور اپنے محبت کرنے والوں کو ان کے سفید چہروں سے پہچان لیں گے اور اپنے سے بغض رکھنے والوں کو بھی ان کے سیاہ چہروں سے۔

روایت کے وضع کرنے والے نے نہ معلوم کس وجہ سے حضرت عقیل بن ابی طالب وحضرت ابوسفیان ہاشمی کو جن کے بارے میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ہے کہ سید فتیان اہل الجنۃ ابوسفیان یعنی جوانانِ اہل جنت کے سردار ابوسفیان ہیں نیز دوسرے ہاشمیوں کو شامل نہیں کیا۔

۱۲۔ من كنت مولاه فعلي مولاه (یعنی جس کا مولیٰ میں ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں) یہ قول بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے اور متصوفہ کے حلقوں میں خاص کر مشہور ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں اس کو جھوٹ اور راوی کا من گھڑت بتایا ہے و لکھتے ہیں:۔

ان هذا الحديث من الكذب الموضوع باتفاق اهل المعرفة بالموضوعات۔

یہ حدیث جھوٹی اور موضوع ہے ان سب کے نزدیک جن کو موضوعات (من گھڑت حدیثوں کے) جانچنے پرکھنے کی معرفت حاصل ہے

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی منسوب ہے۔ انا مدينة العلم وعليٌّ بابها یا دوسری روایت میں ہے انا دار الحكمة وعليٌّ بابها یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں یا بروایت دیگر میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث منکر ہے اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں

ترمذی نے منکر و غریب ابن جوزی نے موضوع یحییٰ بن معین نووی و ذہبی و شمس الدین جزری سب ہی نے موضوع بتایا ہے شیعہ و متصوفہ نے اس کو بہت کچھ اچھالا ہے۔ دیلمی نے کتاب فردوس میں اسے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

انا مدینة العلم و ابوبکر اساسها و عمر جدارها و عثمان سقفها و علی بابها۔

میں علم کا شہر ہوں ابوبکر اس کی بنیاد ہیں۔ عمر اس کی دیواریں عثمان اس کی چھت ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

مولف الشرف المؤبد نے حضرت علیؓ کے وسعت علم کے ثبوت میں حضرت ابن عباسؓ کی جو ترجمان القرآن کہلاتے ہیں یہ روایت پیش کی ہے۔

عن ابن عباس قال: قال لی علیؓ: یا ابن عباس اذا صلیت العشاء الآخرة فالحق الی الجبانة قال فصلیت و لحقته و کانت لیلة مقمرة فقال لی ما تفسیر الالف من الحمد قلت لا اعلم فتکلم فیها ساعة تامة ثم قال لی ما تفسیر الحاء من الحمد قلت لا اعلم فتکلم فیها ساعة تامة ثم قال لی ما تفسیر المیم من الحمد قلت لا اعلم فتکلم فی تفسیرها ساعة تامة قال فما تفسیر الدال من الحمد قلت لا ادری فتکلم فیها الی ان برق عمود الفجر

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابن عباسؓ جب تم عشاء کی آخری نماز پڑھ چکو باہر میدان میں پہنچ جانا کہتے ہیں کہ نماز پڑھ کے میں ان کے پاس پہنچ گیا چاندنی رات تھی مجھ سے پوچھنے لگے کہ الحمد میں جو الف ہے اس کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا میں نہیں جانتا اس پر ایک گھنٹہ کامل حرف الف کی تفسیر بیان کی پھر پوچھا الحمد کے لام کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں پھر حرف لام کی ایک گھنٹہ کامل تفسیر بیان کی پھر پوچھا الحمد کے حرف ح کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا میں نہیں جانتا اس پر پورے ایک گھنٹے تک حرف ح کی تفسیر بیان کی پھر سوال کیا کہ الحمد کے میم کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں تو اس پر حرف میم کی ایک گھنٹہ کامل تفسیر کی پھر پوچھا الحمد کے حرف دال کی کیا

تفسیر ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں تو
اس پر حرف دال کی تفسیر اس وقت تک
بیان کرتے رہے کہ فجر کی پو پھٹنے لگی۔

اس کے بعد ابن عباسؓ سے فرمایا کہ نماز فجر کے لیے اُٹھ کھڑے ہو وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ علی نے بیان کیا تھا میں نے حفظ کر لیا۔

ثم تفکرت فاذا علمی بالقرآن فی علم علی کالقرارة فی المتعجر۔

پھر میں نے غور کیا تو سمجھا کہ میرا علم قرآن علیؓ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے ایک تالاب گہرے سمندر کے مقابلے میں ہو۔

راوی نے ترجمان القرآن ہی کے منہ سے ان کے عجز کا اعتراف کرا دیا اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے چچیرے بھائی ہی کو الحمد کے حرفوں کی تفسیر سکھائی اور وہ بھی رات کی تنہائی میں اور میدان صحرائی میں، دن میں اگر مسجد نبوی میں صحابہ کرام و تابعین عظام کے مجمع میں حروف ابجد ہی سے الحمد کے پانچ حروف کی تفسیر پورے پانچ گھنٹے بیان کرتے لوگ حفظ کر لیتے اور آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ جاتے تو عجائب روزگار میں سے ہوتی۔ مگر یہ حروف کی تفسیریں تو اسماعیلیہ ان کے ہم مشرب ابن عربی اور ان اخوان الصوفیہ کی ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت کا ظاہر و باطن ہے اسی طرح حروف کا ولکل حرف حد ولکل حد مطلع (مقدمہ تفسیر ابن عربی) حضرت علیؓ کو جو فضیلت علمیہ حاصل تھی اس میں ایسی مہمل روایتوں سے کیا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح چوتھی صدی ہجری میں خطبے وضع کرکے اور ایک دیوان شعر تصنیف کرکے ان سے منسوب کر دیئے ہیں۔

(۱۴۰) ذرا دیکھئے یہ کیسا غلط قول وضاعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا ہے کہ ہر نبی کی اولاد اللہ تعالیٰ نے اسی کے صلب میں رکھی مگر میری ذریت علی بن ابی طالب کے صلب میں رکھ دی آپ کے صلب مطہر سے تو بروایت اصح آٹھ اولادیں تھیں چار بیٹے اور چار ہی بیٹیاں چاروں صاحبزادوں کو مشیت ایزدی نے بچپن ہی میں اٹھا لیا چنانچہ فرما دیا وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (اور محمدؐ تم میں سے کسی ایک آدمی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں) گویا آپ کی عظیم دعوت کو جس کے بعد کوئی دعوت آنے والی

نہ کبھی نسبی و خاندانی و نسلی امتیازات کی بندشوں سے قطعاً آزاد رکھنا مطلوب تھا اس لئے فرما دیا گیا کہ یہ نبی تو خاتم النبیین ہیں اور آخری نبی کی حیثیت سے تمام امتیوں کے روحانی باپ ہیں اولاد نرینہ سے ان کی نہ کوئی نسل ہو بیت صلبی۔ آپ کی روحانی اولاد البتہ فرزندانِ اسلام ہوں گے اس لئے قربت روحانی وجہ امتیاز قرار دی گئی نہ کہ قرابت لحمی۔ چاروں صاحبزادیاں جوان ہو ہو کر بیاہی گئیں تین کے اپنے شوہروں سے اولادیں بھی ہوئیں۔ سب سے بڑی سیدہ زینب رضؓ زوجہ حضرت ابوالعاصؓ بن الربیع سے ایک فرزند علی بن ابوالعاصؓ اور ایک ہی دختر امامہ بنت ابوالعاصؓ ہوئیں منجھلی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ زوجہ حضرت عثمانؓ سے ایک فرزند عبداللہ بن عثمانؓ تھے۔ سنجھلی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ زوجہ علیؓ بن ابی طالب سے دو صاحبزادے حسن و حسینؓ فرزندانِ علیؓ بن ابی طالب اور دو بی صاحبزادیاں زینب و ام کلثوم تھیں سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بہن سیدہ رقیہ کے انتقال کے بعد اپنے بہنوئی حضرت عثمانؓ کے عقد میں آئیں ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیوں سے آپ کے چار نواسے اور تین نواسیاں ہوئیں۔ ان سات نواسے نواسیوں میں سے تین تو اموی نسب تھے اور چار ہاشمی نسب۔ یعنی علی بن ابوالعاصؓ و عبداللہ بن عثمانؓ و امامہ بنت ابوالعاصؓ یہ تینوں اموی گھرانے کے تھے اور حسن و حسینؓ و زینب و ام کلثوم بنات علیؓ بن ابی طالب ہاشمی خاندان کے تھے۔ یہ سب نواسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبط کہلاتے تھے نہ ابن اور یہی حکم الٰہی ہے۔ فرمایا گیا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (یعنی لوگوں کو ان کے باپوں ہی کی طرف نسبت کرکے پکارو کہ یہی پورا پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں) اور یہی عام دستور اور رواج ہمیشہ سے ہے خصوصاً اہل عرب کے یہاں لفظ ابن کا اطلاق اپنے صلبی بیٹے پر ہی ہوتا ہے نواسہ سبط کہلاتا ہے کیونکہ وہ اپنے صلب سے نہیں دوسرے شخص کے صلب سے ہوتا ہے چنانچہ عرب شاعر کہتا ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا
بنوهن ابناء الرجال الاباعد

ہماری اولاد و ذریت تو ہمارے اپنے ہی بیٹوں کی اولاد ہوتی ہے۔
رہی ہماری بیٹیوں کی اولاد تو وہ غیر لوگوں کی اولاد ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت حسن، حسن بن علی بن ابی طالب کہلاتے تھے اسی طرح اس کے چھوٹے بھائی حسین ابن علی بن ابی طالب ان حضرات نے نہ کبھی اپنے کو حسن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کہا نہ اُن کے پدر بزرگوار نے کبھی ایسا کہا اور نہ کسی اور نے اب ذرا ایک اکذب حدیث مولف الشرف المؤبد سے فضیلت علیؓ کی سنیئے لکھتے ہیں :۔

ان رسول اللہ قال لعلی: والذی نفسی بیدہ لولا ان یقول فیک طوائف من امتی بما قالت النصاریٰ فی عیسیٰ بن مریم لقلت فیک الیوم مقالا لا تمر بملاحٍ من المسلمین الا اخذ من اثر قدمیک یطلب بہ البرکۃ	رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا علی سے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میری امت کے لوگ تمہارے بارے میں وہی کچھ نہ کہنے لگتے جو نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کہتے ہیں تو میں آج تمہارے بارے میں وہ بات بیان کر دیتا کہ پھر کوئی ایک مسلمان بھی حصول برکت کے لئے تمہارے قدموں کے نشان کی خاک حاصل کئے بغیر نہ رہتا۔

شارح نہج البلاغت ابن ابی الحدید نے اس غایت درجہ لغو اور اکذب حدیث کو بھی فضائل علیؓ کے سلسلے میں درج کر ڈالا ہے۔ یہ ہے ایک لغو نمونہ تاریخی شخصیتوں کے ذاتی و نسبی مفروضہ برتری اور تفوق کے اظہار کا۔ اب حصول برکت اور دفع بلیات کی دوسری بات بھی سنیئے۔

غالی طبقے کے کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس لقب المصطفےٰ کے ساتھ حضرت علیؓ کا لقب المرتضیٰ ملا کر اور حسنین کو ان کے "ابناھما" یعنی ان دونوں کے دو بیٹے کہکر گویا ابن حقیقی و ابن مجازی کو ایک ہی ضمیر میں جمع کر کے اور ان کی والدہ معظمہ کا نام آخر میں لا کر یہ شعر کہہ ڈالا۔

لی خمسۃ اطفی بھا حر الوباء الحاطمہ ۔ المصطفےٰ والمرتضیٰ وابناھما والفاطمۃ

ہمارے لئے تو پانچ ہیں (جن کے ناموں کی برکت سے ہی) کہ تو ڑیعنی شدید وباء کی حرارت بجھ جاتی ہے۔ المصطفےٰ والمرتضیٰ اور ان دونوں کے دو بیٹے اور الفاطمہ۔

فاطمہ پر ال داخل کرنا اور حر۔ وبا کی جو ندکر ہیں صفت حاطمہ لانا جو مونث ہے

کہنے والی کی نااہلیت کی دلیل تو ہے ہی مگر اس کی یہ ذہنیت ملاحظہ ہو کہ غیر اللہ کے ناموں کی برکت سے استعانت طلب کرنے پر ناواقفوں کو یوں ابھارتا ہے جو صریحاً شرک ہے لیکن بعض تفضیلیہ وجاہل متصوفہ نے اپنے مریدوں کے دروازوں پر اس شرک کو دفع بلیات کے لئے آویزاں کرا دیا پھر کیا تھا عام مسلمانوں نے بھی تقلید کر ڈالی حالانکہ یہی لوگ پنج وقتہ نمازوں میں کتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ الفاظ کہتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (ہم تیری ہی تو عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے تو مدد مانگتے ہیں) مگر مشرکانہ افعال سے پھر بھی باز نہیں آتے۔

پنج تن پاک

غالیہ یوں تو اپنے ائمہ میں حلول الٰہ کے قائل ہیں لیکن تیسری چوتھی صدی ہجری سے سیاسی پارٹی سے شکست خوردہ غالی عنصر نے "خمسۂ اشخاص" کی اصطلاح گھڑ ڈالی پھر ان پانچ کے پانچ ہی ضد قرار دیئے گئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ غالیوں کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

ومنهم يزعمون ان الله في خمسة اشخاص في النبي وعلي والحسن والحسين وفاطمة ولهم خمسة اضداد: ابوبكر وعمر وعثمان ومعاوية وابن العاص ثم منهم من قال ان هذه الاضداد محمودة لانه لا يعرف فضل الاشخاص الا باضدادها فهي محمودة من هذا الوجه۔ (منهاج السنة ج ۱ ص ۲۳۹)	ان میں وہ بھی ہیں جو اس خیال کے ہیں کہ ان پانچ اشخاص میں اللہ حلول کئے ہے یعنی نبی صلعم اور علی و حسن و حسین اور فاطمہ میں پھر ان پانچ کے پانچ اضداد ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ و عمرو بن العاص ہیں ان لوگوں میں یہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ اضداد لائق توصیف ہیں کیونکہ پانچ اشخاص کی فضیلت ان کے اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہے سو یہ اضداد محمودہ ہیں۔

اضداد خمسہ میں حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے علاوہ حضرت امیر معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ کے نام شامل کرنے سے اس امر کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ سیاسی مقاصد سے یہ اصطلاح گھڑ ڈالی گئی تھی کیونکہ حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا باعث ان ہی دو حضرات کو قرار دیا گیا تھا۔ اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ اشخاص خمسہ کے بجائے پنج تن کی اصطلاح کب اور کہاں اختراع ہوئی، ایران میں یا ہندوستان میں اس کا سراغ باطنیہ

متصوفہ مبلغین کے پروپگنڈے کے سلسلہ میں چلتا ہے جو آٹھویں صدی ہجری سے گجرات وغیرہ کے علاقے میں ہوتا رہا۔

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے ہندوستان میں روافض کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ امیر خسروؒ نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت (۶۹۵-۷۱۰ھ) کے حالات و واقعات کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ مسلمانان ہند من حیث الجماعت سب ہی ایک مسلک و مشرب کے متبع تھے اور مسلک و مشرب اہل سنت والجماعت کا تھا۔ رافضی و معتزلی و خارجی کا اس ملک و دیار میں کوئی وجود نہ تھا۔ یہ چند شعر ان کے سنئے:۔

خوشا ہندوستان و رونق دین — شریعت را کمال عز و تمکین
ز علم با عمل دہلی بخارا — ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
سر ہندو چو فرماں را مطیع است — ز آب تیغ خونش را شفیع است
ز غزنیں تا لب دریا دریں باب — ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
مسلمانان نعمانی روش خاص — ز دل ہر چار آئیں را باخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید — جماعت را و سنت را بجاں صید
نہ زاہل اعتزالی کز فن شوم — ز دیدار خدا گردند محروم
نہ رفضی تا رسد زاں مذہب بد — جفائے بر وفاداران احمد
زہے خاک مسلماں خیز دیں جوئے — کہ ماہی نیز سنی خیزد از جوئے

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے تھوڑی ہی مدت بعد خلجی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور تغلق خاندان کی سلطنت قایم ہوئی جو تقریباً نوّے برس رہی۔ سلطان محمد شاہ تغلق متوفی ۷۵۲ھ ان میں بڑا راسخ العقیدہ اور عالم و فاضل بادشاہ تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد عبد العزیز اردبیلی سے جو اس کے عہد میں دہلی میں تھے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ سیاح عالم ابن بطوطہ اسی بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے تھے انھوں نے اپنے سفر نامے میں روافض کے اس ملک میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ دوران سفر جہاں جہاں روافض کو پایا برابر ان کا ذکر کرتے ہیں سلطان محمد شاہ تغلق کو خلفائے آل عباسؓ سے حد درجہ عقیدت تھی۔ عباسی خلیفہ سے جو اس زمانے میں مصر میں تھے بیعت کئے اور اجازت حکومت

حاصل کئے بغیر اپنے کو جائز حکمراں نہیں سمجھتا تھا۔[1] ایسے بادشاہ کے عہد میں روافض کا یہاں موجود ہونا جو خلفائے ثلاثہ کے علاوہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس سب ہی پر سب و شتم کرتے ہیں کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ محمد شاہ تغلق کے بعد اس کا چچا زاد بھائی فیروز شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا وہ بھی اپنے پیشرو کی طرح متبع شریعت بادشاہ تھا۔ ۷۹۰ھ میں فوت ہوا اس کے عہد حکومت میں اس ملک میں چند روافض علماء موجود پائے گئے اور بزرگان دین کی اساءت ادب کرنے کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے تھے۔ سلطنت تغلقیہ کے خاتمہ کے بعد جنوبی پنجاب اور جنوب مغرب ساحل کے بعض علاقہ جات کاٹھیاواڑ و گجرات وغیرہ میں ایران و یمن سے باطنی و غالی فرقوں کے مبلغین کی آمد شروع ہوئی جو بیشتر توہم پرست ہندوؤں اور جاہل باشندوں میں کام کرتے تھے کہتے ہیں اسی زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے ایک ایرانی باطنی مبلغ جس کا اصل نام سید سعادت بتایا گیا ہے ان اطراف میں وارد ہوا اس نے پھر مصلحتاً نام بالقب نورالدین اختیار کیا اور ہندوؤں کی تالیف قلوب کے

---

[1] ابن بطوطہ نے اس بادشاہ کے بہت سے چشم دید حالات لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ خلفائے آل عباسؓ سے بےحد عقیدت رکھتا تھا ایک معاصر مورخ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں محمد شاہ تغلق کی عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "در خاطر افتاد کہ سلطنت و امارت سلاطین بے امر دادن خلیفہ کہ آل عباس بود درست نیست و ہر بادشاہے کہ بے منشور خلفائے عباسی بادشاہی کردہ است یا بادشاہی کند متغلب بودہ است و متغلب بود" اس زمانے کے سلاطین اور بادشاہ مرکز ملی اور مستقر خلافت سے وابستہ رہنا لازم جانتے تھے شہاب الدین غوری سے لیکر دکن کے سلاطین بہمنیہ تک نے خلیفہ عباسی سے منشور اور خلعت حاصل کئے اور سکوں کے ایک طرف خلیفۂ وقت کا نام و لقب یا مولیٰ امیر المومنین و ناصر المومنین وغیرہ الفاظ نقش کرائے۔ دربار تغلق کے شاعر بدر چاچ کے دیوان میں امام عصر و خلیفہ زماں کی ستائش اور خلعت و منشور کی آمد کی خوشی میں بیسیوں قصیدے موجود ہیں۔ ایک قصیدے کے یہ شعر سنئے جو خلیفہ عباسی سے خلعت کی آمد میں کہا تھا ؎

جبرئیل از طاقِ گردوں البشریٰ والآن رسید | کز خلیفہ سوئے سلطاں خلعتِ فرماں رسید
شاہ را بر کلِّ عالم حکم مطلق داد امام | ایں خبر در ہفت کشور بر ہمہ شاہاں رسید
ملک را بازو قوی شد دین سرفرازی نمود | شرع را حرمت فزوں شد رونقِ ایماں رسید
راست عید مومناں آمد کہ در سالے دو مہ | از امیر المومنین خلعت بسوئے سلطاں رسید

لیے "نوزست ساگر" کہلواتا تھا۔ ہندؤں کے تجارت پیشہ معتقد دو فرقے اس کے معتقد ہوئے کاٹھیاواڑ و گجرات کے ست پنتھی ان ہی میں بتائے جاتے ہیں کہتے ہیں اسی "نوزست ساگر" نے ہندؤں کے پنجتنا (پنج جنا) کے بجائے پنج تن اصطلاح قایم کی یعنی

پنج جنا		پنج تن	
(۱) رام چندر	ہندؤں کی اصطلاح پنجنا	شیعوں کی اصطلاح پنج تن	(۱) جناب رسالت مآب صلعم
(۲) لچھمن			(۲) حضرت علیؓ
(۳) بھرت			(۳) حضرت حسنؓ
(۴) سترگھن			(۴) حضرت حسینؓ
(۵) سیتا			(۵) حضرت فاطمہؓ

کتاب الازہار مولفہ حسن بن نوح بھروچی (نسخہ مخطوطہ) میں اس اصطلاح کو اگرچہ ہندو باطنی میل ملاپ کا نتیجہ ہی بتایا ہے مگر زمانہ کا تعین ایک صدی پہلے کا کیا ہے بہر حال ہندی فارسی الفاظ کی یہ اصطلاح ہندوستان ہی میں اختراع ہوئی تھی بمرور زمانہ تفضیلیہ متصوفہ کے علاوہ اہل سنّت کے بعض علماء نے بھی اپنا لیا۔ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کی مشہور تالیف تحفہ اثنا عشریہ ردّ شیعت میں ہے اس کا اردو ترجمہ جو کراچی کے ایک تاجر کتب نے طبع کرایا ہے اس کے پہلے ہی صفحے پر کسی سبائیت زدہ مولوی کا قطعہ اشعار درج ہے "پنج تن" کی پھر یوں تشریح کی گئی ہے:۔

بنائے پنج اسلام کی پنجتن — حسینؓ و حسنؓ اور علیؓ ولی
چہارم بتول اور پنجم رسول — محمدؐ کہ جن سے ہدایت چلی

باوجود اس اقرار کے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہادیٔ برحق تھے "ان سے ہدایت چلی" دوسرے چار فانی انسانوں کو اسلام کے پانچ اصول کی "بنا" قرار دینا کیا انتہائی لغو بیانی بلکہ صریح کفر نہیں۔ یہ ایک ادنیٰ مثال ہے غلو بغیر حق اور اندھی عقیدت کی جو شیعی پروپگنڈے کی وضعی حدیثوں اور روایتوں کے غیر شعوری اثرات سے پیدا ہو کر غیر طبقاتی ملت میں طبقات قایم کرنے اور سید و شریف باظہار نسب کہلوانے کا موجب ہوئی ہر مسلم و مومن کے ایمان کی "بنا" تو یہ ہے:۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ

مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

اسلام و ایمان کی بنیادیں بتاؤں، ہیں رسول اور نبی کے رشتہ داروں کا کیا واسطہ۔

"پنجتن" تو شیعوں کی خاص اصطلاح ہے۔ شیعہ مؤلف مصباح الظلم فرماتے ہیں۔

"جاننا چاہیئے کہ پنجتن پاک شیعوں کا عقیدۂ خاص ہے اس عقیدے سے اہل سنت حتی
برابر بھی تعلق نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات علمائے اہل سنت۔
"آیت تطہیر کو رسول خدا، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ حسینؓ کے ساتھ کسی طرح
پر مخصوص نہیں جانتے ہیں نہ آیۂ مباہلہ کو علیؓ و فاطمہؓ و حسن و حسینؓ سے
بالتخصیص متعلق سمجھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعض حضرات اہل سنت
جو عقیدۂ پنجتن پاک کے پابند نظر آتے ہیں وہ یقیناً بے قاعدہ اور
بے اصول سنی ہیں جو چیز ان کے مذہب میں نہیں ہے اس کی پابندی
ان کی لاعلمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے ایسے سنیوں کو شیعہ ہو جانے کے
لئے کس نے منع کیا ہے سنی ہو کر شیعہ کا عقیدہ رکھنا چہ معنی دارد (ص۵۶)

نادِ علی "پنج تن" کی اصطلاح کے علاوہ اسی غالی فرقے نے "نادِ علی" کے بھی دو شعر گھڑ کے جاہل تفضیلیہ صوفیوں کے ذریعہ عام مسلمانوں میں پھیلا دیئے[۱] غیر اللہ کو

---

[۱] متاخر متصوفہ میں حیدری و جلالی یہ دو فرقے تھے جو گجرات و پنجاب میں شعبدے دکھاتے جلتی آگ میں کود جاتے بقول مؤلف دبستان مذاہب جلالی شیخین رضی اللہ عنہم کی دشنام دری کا ارتکاب کرتے سانپ کو "ماہی علی" کہتے اور بچھوؤں کو "جھینگۂ علی"۔ "نادِ علی" کا تعویذ بازوؤں پر باندھتے۔ ان کے ایک مقتدی شیخ علی حیدری کو سلطان محمد تغلق شاہ نے قاضی جلال افغانی کے ساتھ بغاوت کی سازش کے جرم میں قتل کرا دیا تھا۔ باطنیہ وغیرہ کے مبلغ اس زمانے سے تقریباً ایک صدی بعد گجرات وکاٹھیاوار کے علاقے میں وقتاً فوقتاً وارد ہوئے۔ سدھپور، احمد آباد، سورت، جام نگر وغیرہ ان کے ہیڈ کوارٹر رہے۔ متعدد توہم پرست ہندو قبیلوں کو اپنی دعوت میں شامل کر لیا تھا مگر بقول اسماعیلی مولف ایک شخص جعفر نامی جو ہندوستان سے یمن جا کر اور ان میں شامل ہو کر ان کے حالات سے کماحقہ واقفیت حاصل کر چکا تھا جب کئی سال بعد لوٹ کر گجرات آیا۔ اس نے "سنی بن کر دعوت کی لوگوں کو سنی بنانے کی کوشش کی اس کے الگ ہو جانے سے دعوت کا بڑا نقصان ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ۵۰ فیصدی اسماعیلیوں نے اہل سنت کا مذہب اختیار کیا اس کا مستقر پاٹن تھا

(بقایا صفحہ ۲۳۷ پر)

مدد اور استعانت کے لئے اس حالت میں پکارنا کہ مرے ہوئے بھی اسے تیرہ سو برس سے زائد مدت گذر چکی ہو شرک اور کفر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ادعونی استجب لکم (پ ۲۴) مجھ ہی کو بلاؤ (پکارو) میں تمہاری التجا قبول کرونگا۔ غالیہ نے عوام کالانعام کو "نادِ علی" کے ذریعہ یہ سبق پڑھایا کہ اپنے مصائب میں علیؓ کو پکارو۔ وہ دو شعر ملاحظہ ہوں :۔

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ — تَجِدْهُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوَائِبِ

علیؓ کو پکارو جو عجائبات ظاہر کیا کرتے تھے — تم اُن کو اپنے مصائب میں مددگار پاؤ گے

کُلُّ هَمٍّ وَّ غَمٍّ سَیَنْجَلِیْ — بِنُبُوَّتِکَ یَا مُحَمَّدُ وَ بِوِلَایَتِکَ یَا عَلِیُّ

کل درد و غم جلدی دور ہو جاویں گے — اے محمدؐ آپ کی نبوت اور اے علیؓ آپ کی ولایت کی بدولت

آخری مصرعہ میں ولایت سے مراد "علیؓ ولی اللہ" سے لی گئی ہے اور تفضیلیہ متصوفہ اپنے سلسلہ کے مرشد اعلیٰ سے لیتے ہیں مگر اس "ولایت" کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی "نبوت" کے مساوی قرار دے کر نادانوں کو فریب دیا ہے اور تفضیلیہ متصوفہ کے توسط سے "نادِ علی" کو ناواقف عقیدتمند سُنیوں کے گلوں میں تعویذ بنوا بنوا کر ڈلوا دیا اور اتنا غلو کیا کہ مرتے وقت تک بھی ساتھ نہ چھوڑا قبروں تک پر کندہ کرا دیا۔ پھر بمرور ایام بعض صوفی مشرب سبائیت زدہ لوگوں نے "نادِ علی" کے الفاظ مظہر العجائب و حلال المشکلات و نوائب کو خطبات جمعہ و عیدین تک میں جن کا ذکر آگے آتا ہے شامل کر لیا۔ "پنج تن" اور "نادِ علی" کے پروپگنڈے ہی کا نتیجہ ہے کہ تفضیلیہ و متصوفہ کے حلقوں میں اٹھتے بیٹھتے

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۳۶ کا) جو احمد آباد کے پاس اب تک موجود ہے" (ص ۲۹۳)

یہ زمانہ لودھی خاندان کی حکومت کا تھا اس سے تقریباً نصف صدی بعد سے جب ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر شاہ طہماسپ بادشاہ ایران سے جو کٹر شیعہ تھا امداد کا طالب ہوا چودہ ہزار کے جرار لشکر سے مدد دی گئی۔ مورخ ونسنٹ اسمتھ کا قول ہے کہ ہمایوں کے شیعہ ہو جانے سے بادشاہ ایران نے فوجی مدد دی تھی لیکن تاریخی حالات اس کے موید نہیں البتہ اس ایرانی فوج کے بہت سے افسر شیعہ تھے اور اسی وقت سے شیعہ علماء و فضلاء بکثرت ہندوستان آئے مناصب و جاگیر سے نوازے گئے مختلف صوبوں میں جاگیریں اور املاک ملیں اس وقت سے "پنج تن" اور سید و شریف کی اصطلاحیں شیعہ جاگیرداروں کے اثر سے عام طور سے رائج ہونے لگیں۔ شیعیت کے علاوہ تفضیلیت نے بھی فروغ پایا جو شیعیت کی غیر تبرائی شاخ ہی سمجھئے۔

"یا علی" کی آوازیں بلند ہوتی ہیں حالانکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے :-

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ (البقرہ)

(اور اے رسول) جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں (تو) اُن سے کہہ دو کہ ہم اُن کے پاس (ہر وقت) موجود ہیں۔ ہم پکارنے والے کی پکار سنتے اور اُسے جواب بھی دیتے ہیں پس ان کو چاہیئے کہ حکم مانیں ہمارا اور یقین لائیں ہم پر تاکہ نیک راہ پر آئیں [1]

"نادعلی" و "نادِ مہدی" دونوں کی پکار میں محض شخصیتوں کا فرق ہے ورنہ ایک میں ذاتی وشخصی درد و غم دُور کرنے کی دُعائی کی جاتی ہے اور دوسری میں دنیا سے ظلم و فساد مٹانے کی۔ سیاح عالم ابن بطوطہ نے عراق کے مقام الحلہ کا یہ چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ وہاں کی ایک مسجد اس وجہ سے مشہد صاحب الزماں کہلاتی ہے کہ روافض کے خیال میں محمد بن حسن العسکری وہیں سے غائب ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ بعد عصر ایک گھوڑے کو آراستہ کرکے اس پر

---

[1] "نادعلی" کے مشرکانہ پروپگنڈے کے اثرات بد سے بچانے کیلئے ایک عالم نے پانچ شعر موزوں کئے ہیں :-

نَادُوا الْعَلِیَّ الْكَبِیْرَ الرَّبَّ خَالِقَكُمْ
اس بزرگ و برتر کو پکارو جو تمہارا خالق ہے
وَلَا تُنَادُوْا عَلِیًّا اِنَّهٗ بَشَرٌ
دیکھو علی کو نہ پکارنا وہ تو ایک بشر ہی تھے تم ہی جیسے

سِوَاهُ لَنْ تَجِدُوْا عَوْنًا بِنَائِبَةٍ
اللہ کے سوا کسی کو بھی تم کبھی مصیبت میں ہرگز مددگار نہ پاسکو گے
وَیَعْجِزُ الْغَیْرُ لَا یُغْرِرْكُمْ اَغْرَرٌ
ہر غیر اللہ مدد سے عاجز ہے اس بارے میں فریب کی باتیں تمہیں دھوکا نہ دینے لگ جائیں

تَوَسَّلُوْا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَالْعَمَلِ
وسیلہ پکڑو تو رسول اللہ کا اور اپنے عمل کا
فَیَنْجَلِیْ كُلُّ هَمٍّ سَاقَهُ الْقَدَرُ
پس ہر درد و غم جو تقدیر سے تم پر آبھی چکا ہو دور ہو جائیگا

لَا تُشْرِكُوْا اَبَدًا مِّنْ قَوْلِ كُلِّ غَوٍ
دیکھو کسی گمراہ غالی کے کہنے سے شرک نہ کرنے لگنا
وَاَخْلِصُوْا دِیْنَكُمْ لِلّٰهِ وَائْتَمِرُوْا
اپنا دین اللہ کی رضا کیلئے خالص رکھو اور تعمیل احکام کرو

اَللّٰهَ فَادْعُوْا وَنَادُوْا وَاعْبُدُوْا
دیکھو بس اللہ ہی کو پکارو اسی کو آواز دو اسی کی عبادت کرو اسی سے مانگو
بِهٖ اسْتَعِیْنُوْا حَنِیْفًا مَا سِوَاهُ ذَرُوْا
اسی سے مدد طلب کرو یکسو ہو کر اور اس کے ہر ماسوا کو نظر انداز کر دو امداد طلب کرتے ہیں۔

زین کس کے ڈھول تاشے بجاتے مسجد کے دروازے تک اس طرح لے جاتے ہیں کہ کچھ لوگ گھوڑے کے آگے چلتے ہیں اور کچھ پیچھے کچھ دائیں کچھ بائیں پھر باب مسجد پر پہنچ کر خروج مہدی کے لئے اس طرح آوازیں بلند کرتے ہیں :-

بسم اللہ یا صاحب الزمان بسم اللہ اخرج قد ظھر الفساد وکثر الظلم وھذا اوان خروجك فیفرق اللہ بك بین الحق والباطل۔

(راحلہ ابن بطوطہ ص۱۳۹)

بسم اللہ کیجئے اے صاحب الزماں بسم اللہ تشریف لے آیئے کیونکہ دنیا میں اب فساد پھیل گیا اور کثرت ظلم کی ہوگئی اب یہ وقت آپ کے خروج کا ہے تاکہ اللہ آپ کے ذریعہ حق و باطل میں امتیاز کرا دے۔

ابن بطوطہ نے یہ واقعہ چھ سو برس پہلے کا بیان کیا ہے ان چھ صدیوں کے دوران مسلمانان عالم پر مصائب و آلام کے کیسے کیسے پہاڑ ٹوٹے، دشمنان اسلام نے مسلمانوں کے نظام مرکزیت یعنی خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہی اسی خاندان کے ایک شخص شریف حسین کی غداری سے کرا دیا جس میں سے مہدی کے خروج کا انتظار صدیوں سے کیا جا رہا ہے مگر خروج اب تک بھی نہ ہوا۔ خروج مہدی و نادعلی وغیرہ اصطلاحیں نسبی برتری ہی کے مسئلہ کی ہیں۔

سادات اھل الجنّۃ

جنّتیوں کے سردار

پچھلے اوراق میں بنی ہاشم میں سے بعض افراد کے سادات اھل الجنّۃ (جنتیوں کے سردار) ہونے کے بارے میں چند وضعی حدیثیں نقل ہوئی ہیں ان کے علاوہ ایک اور ہاشمی کے جوانان جنت کے سردار ہونے کی حدیث الاستیعاب اور دیگر کتب میں پائی جاتی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان بن الحارث من شباب اھل الجنۃ او فتیان اھل الجنۃ۔

ہشام بن عروہ اپنے والد کی روایت سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو سفیان بن الحارث (بن عبدالمطلب) جوانان جنت کے سرداروں یا بہادران بہشتی میں سے ہے۔

یہ ابوسفیانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند بھی تھے نیز آپ کے دودھ شریک بھائی اور ہم شبیہ بھی تھے[1]۔ نام مغیرہ اور کنیت ابوسفیان تھی۔ ابوطالب کے داماد تھے یعنی حضرت علیؓ کی سگی بہن جمانہ کے شوہر تھے۔ باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدا سے سخت مخالف رہے ہجویہ اشعار کہا کرتے تھے فتح مکہ کے زمانے میں اسلام لائے اور غزوہ حنین میں ثابت قدم رہ کر داد شجاعت دی۔ مرتے دم تک اپنی اس حرکت پر سخت ندامت ظاہر رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا میں مخالفت کی تھی بعد میں بہت سے نعتیہ اشعار کہے اور آپ کی وفات پر پُر درد مرثیے بھی لکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں "خیر اھلی" کے الفاظ بھی فرمائے تھے یعنی میرے گھرانے والوں میں اچھا۔ بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے قریشی گھرانوں میں سے دو حضرات یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے سن رسیدہ جنتیوں کے سردار ہونے کے بارے میں حدیثیں ہیں ان میں سے حسب ذیل حدیث ملاحظہ ہو:۔

عن جابر و عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذان سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین یعنی ابوبکر و عمر۔ (الصواعق المحرقۃ و دیگر کتب)	جابر و ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ جنت میں سن رسیدہ لوگوں کے سردار ہوں گے چاہے پہلے کی امتوں میں کے وہ ہوں یا بعد کی امتوں کے مگر نبیوں اور رسولوں کے سوا۔

مندرجہ بالا حدیثوں اور ان حدیثوں کی رو سے جو پہلے نقل کی گئیں جنتیوں کے سرداروں کی حسب ذیل فہرست مرتب ہوتی ہے:۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پانچ حضرات ہم شبیہ بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) جعفر بن ابی طالب (۲) ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب (۳) قثم بن العباس بن عبدالمطلب (۴) حسن بن علی بن ابی طالب (۵) السائب بن عبید بن یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف (الاستیعاب)

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی
۳۔ ابوسفیان بن الحارث ہاشمی
۴۔ جعفر بن ابی طالب "
۵۔ علی بن ابی طالب "
۶۔ حسن بن علی بن ابی طالب "
۷۔ حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمی
۸۔ مہدی آخر الزمان "
۹۔ ابوبکر بن ابو قحافہ تیمی
۱۰۔ عمر بن الخطاب عدوی
۱۱۔ فاطمہؓ خاتونان جنت کی سردار بنت رسول اللہ صلعم۔

سرداران جنت کی مندرجہ بالا فہرست میں بجز گیارہ اشخاص کے نو تو ایک ہی گھرانے بنی ہاشم کے ہیں شاید بعد میں بقول ابن ابی الحدید شیعوں کی دیکھا دیکھی طرفداران شیخین میں سے کسی نے ان دو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے اسماء ایک حدیث کے ذریعہ اضافہ کردئے ہوں ورنہ سادات اہل جنت کا منصب بنی ہاشم ہی کے لئے وضاعین نے مخصوص کیا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث کے ان الفاظ سے واضح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے گئے ہیں کہ نحن بنو عبدالمطلب سادات اهل الجنة (ہم اولاد عبدالمطلب (بن ہاشم) اہل جنت کے سردار ہیں) بعض جگہ تو صرف اسی قدر الفاظ ہیں مگر دیلمی وغیرہ نے ان الفاظ کے بعد ناموں کی صراحت میں یہ الفاظ اور بھی آپ سے منسوب کئے ہیں گویا آپ نے فرمایا کہ سادات اہل جنت "میں اور حمزہ و علی و جعفر و حسن و حسین اور مہدی ہیں (انا و حمزة و علی و جعفر والحسن والحسین والمهدی) حدیث وضع کرنے والے کی ذہنیت کا اندازہ اسی ایک بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ اہل جنت کی فہرست سرداری میں اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا اسم گرامی بھی لکھ دیا ہے اور آپ کے ہم نسب و مساوی آپ کے چند نسبی رشتہ دار امتیوں کو بھی سردار جنت قرار دے ڈالا ہے اور آپ کے دوسرے ایسے رشتہ داروں یعنی حضرت عباس بن عبدالمطلب عم النبی اور حضرت عقیلؓ برادر علیؓ کو جنہوں نے صفین میں اپنے بھائی کے خلاف حضرت امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا تھا شامل نہیں کیا۔ اسی طرح آپ کے دوہرے داماد حضرت عثمان ذی النورین کا نام بھی شامل نہیں کیا شاید اس لئے نسباً اموی تھے۔ آپ کے منجھلے اور چھوٹے نواسوں حسنؓ و حسینؓ کو تو جوانان جنت کا سردار بنا دیا ہے مگر آپ کے سب سے بڑے نواسے یعنی آپ کی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب کے فرزند علی بن ابوالعاص بن الربیعؓ کو شامل نہیں کیا جنہوں نے اس زمانے سے جب حسنؓ و حسینؓ کی ولادت بھی نہیں تھی آپ کے آغوش محبت میں اور آپ ہی کے گھر

بیت اقدس میں پرورش پائی تھی۔ آپ کے وقت رحلت سن بلوغ کو پہنچ گئے تھے کیا اس وجہ سے کہ آپ کے یہ بڑے نواسے بھی ناپاک بنی امیہ کے گھرانے سے تھے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد تو وضاعین کا حضرت علیؓ اور ان کے ان دو صاحبزادوں کی سرداری کے اظہار سے تھا حمزہؓ و جعفرؓ کے نام برائے بیت سمجھئے بہرحال وضعی احادیث کی رو سے اہل جنت کی سرداری کے حسب ذیل چار اقسام قرار دی گئی ہیں :-

(۱) کل اہل جنت کے سردار

(۱) رسول اللہ صلعم (۲) حمزہؓ (۳) جعفرؓ
(۴) علیؓ (۵) حسنؓ (۶) حسینؓ (۷) مہدی

(۲) سن رسیدہ جنتیوں کے سردار

(۱) ابو بکرؓ (۲) عمرؓ

(۳) جوانان جنت کے سردار

(۱) حسنؓ (۲) حسینؓ
(۳) ابو سفیانؓ ہاشمی

(۴) خاتونان جنت کی سردار

(۱) حضرت فاطمہؓ والدہ معظمہ حسنین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بلاشبہ سیدِ اولاد آدم ہیں اور سب ہی جنتیوں کے سردار مگر آپ کو ان سات نسبی رشتہ داروں کو جن میں سے ایک کا تو وجود ہی عنقا ہے یعنی المہدی کا اہل جنت کی سرداری کے منصب میں سوائے حضرت فاطمہؓ کے ایک دوسرے کا شریک بتایا ہے یعنی ایک قسم میں سات شریک ہیں۔ تیسری میں تین پھر غضب یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کا اسم گرامی چند امتیوں کی سرداری کے ساتھ مشترک رکھا ہے وضاعین نے کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں کی کہ یہ سب بیک وقت سردار ہوں گے یا یکے بعد دیگرے ہوں گے لیکن جنت میں کسی زمانے اور مدت کا تعین تو ممکن ہی نہیں وہاں کا قیام تو لامحدود لامتناہی ہے خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا اہی تو جنتیوں کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بار بار فرمایا ہے وضاعین نے ناموں کا اندراج کرتے وقت اس قباحت کا لحاظ نہ کیا اور نہ یہ سوچا کہ جنت میں جب کوئی پیر نا تواں کمر خمیدہ یا اندھا، لنگڑا، لولا، اپاہج وغیرہ تو ہوگا ہی نہیں سب ہی جنتی صحیح الاعضاء اور جوان ہوں گے تو پھر کہول اہل الجنۃ یا شباب اہل الجنۃ کی یہ تقسیم کیسی اور اگر کہا جائے جیسا لوگ تاویل کرتے ہیں کہ مراد اُن لوگوں سے ہے جو بڑھاپے یا جوانی میں مرے ہوں تو وضاعین نے ان بے شمار معصوم بچوں کی سرداری کے بارے میں صراحت نہیں کی جو بچپن میں مر گئے تھے اور لا محالہ معصوم ہونے کے یقیناً جنتی تھے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیمؓ کے بارے

ہر حال جن کی ولادت سے آنحضورؐ کو بڑی خوشی اور ان کی موت سے اس درجہ رنج تھا کہ جان کنی کی حالت دیکھ کر آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا تھا زبانِ مبارک سے فرماتے جاتے تھے :۔

تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی الرب وانا یا ابراہیم علیک لمحزونون ۔	چشم اشکبار ہے اور قلب مبتلائے غم مگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں گے جس سے پروردگار ناخوش ہو مگر اے ابراہیم تیری موت سے ہم بہت مغموم ہیں۔

تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پیارے فرزند ابراہیم بھی جنت میں بچے ہی رہیں گے جوان نہ ہوں گے کیا اپنے ان ہی دونوں بھانجوں حسنؓ و حسینؓ کی مشترکہ سرداری میں رہیں گے یا اگر بڑے یا چھوٹے بھانجے کی سرداری میں ہوں گے تو مدت سرداری کا تعین کیسے ہوگا جبکہ ہر جنتی کا جنت میں رہنا ہمیشہ ہمیشہ ابدالاباد تک ہوگا اور کیا اس دنیا کی طرح جنت میں بھی سرداری و سروری اور ماتحتی و بندگی جاری رہے گی جنتیوں کو تو اللہ نے یہ بشارت دی ہے کہ وہاں ہر شخص اپنی مرضی کا مالک ہوگا کسی کا ماتحت و متبع نہ ہوگا۔ جو خواہش ہوگی بلا کسی کی سفارش اور اجازت کے از خود پوری ہوگی نہ کوئی جنتی دوسرے جنتی کا دستِ نگر ہوگا نہ محکوم۔ سب خود مختار ہوں گے اور نہ کسی کے درپئے آزار ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ۔۔۔ کسے را با کسے کارے نباشد

جوانانِ جنّت اور خاتونانِ جنّت کی سرداری

چند وضعی حدیثیں

آیئے اب ذرا ان حدیثوں کا بھی جائزہ لیجئے جن میں حضرات حسنینؓ کو سید الشباب اھل الجنۃ (جوانانِ جنت کے دونوں سردار) اور ان کی والدہ معظمہ حضرت فاطمہؓ کو سیدۃ النساء اھل الجنۃ (جنتی عورتوں کی سردار) قرار دیئے جانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا ہے۔

احادیث کی سب سے پہلی کتاب الموطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ میں نہ مناقب کی حدیثیں ہیں اور نہ جنت کی سرداری کی۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے صحیحین میں جوانانِ جنت کی سرداری کی کوئی حدیث نہیں ...

آئمہ حدیث نے تقریباً نو لاکھ حدیثوں کے انبار میں سے جو ان حضرات نے جمع کیا تھا صرف چھ ہزار سات سو اکسٹھ حدیثیں اپنے اصول پر منتخب کیں باقی آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دو سو انتیس وضعی و جعلی اور مہمل قرار دے کر رد کر دیں۔ سیّد اشباب اھل الجنۃ کی حدیثیں بھی امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے یقیناً زمرہ موضوعات میں قرار دے کر صحیحین میں درج نہیں کیں اور نہ بعد میں کسی وراق کو اندراج کا موقع ملا۔ امام بخاریؒ کی وفات سے تقریباً ۲۴ برس بعد محدث ابو عیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں البتہ درج کر دیں۔ لیکن ان کے راویوں میں ضعیف و منکر الحدیث و لا یحتج بہ (یعنی وہ جنکی مروی حدیث لائق حجت و سند نہیں) کے علاوہ کٹر و بدگو شیعہ بھی موجود ہیں بلکہ یہ سب ان ہی شیعہ راویوں کی من گھڑت ہیں جیسا کہ سلسلہ رواۃ پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہو گا۔

پہلی حدیث۔ محدث ترمذی کہتے ہیں کہ :۔

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو داؤد الحضرمی عن سفیان عن یزید بن ابی زیاد عن ابی نعم عن ابو سعید (الخدری) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ۔	ہم سے بیان کیا محمود بن غیلان اور ابو داؤد الحضرمی نے ان سے سفیان نے ان سے یزید بن ابی زیاد نے ان سے ابی نعم نے ان سے ابو سعید الخدری نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی وسلم نے کہ حسن اور حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

جامع ترمذی مجتبائی طبع کانپور)

دوسری حدیث:۔ باعتبار مضمون پہلی ہی حدیث جیسی ہے سلسلہ رواۃ میں قدرے فرق ہے یعنی حدثنا جریر و ابن فضیل عن یزید بن ابی زیاد" گویا اصل راوی وہی یزید ابن ابی زیاد ہے جو پہلی حدیث کا ہے۔

تیسری حدیث۔ اس میں جوانانِ جنت کے ان دو سرداروں (حسن و حسینؓ) کے علاوہ ان کی والدہ معظمہ حضرت فاطمہؓ کے خاتونانِ جنت کے سردار ہونے کا بھی بیان

---

[1] امام بخاریؒ کی اصل احادیث کی تعداد ۲۷۶۱ ہے اور مکررات کے اعتبار سے ۷۲۷۵ ہے ہم نے شمار اصل احادیث کا کیا ہے۔

سے یہ حدیث حضرت حذیفہ بن الیمانؓ متوفی ۳۶ھ سے اس قصہ کے ساتھ منسوب کی گئی ہے کہ اپنی ماں سے جو انصاریہ تھیں بات چیت کے بعد یہ کہکر کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب جاکر پڑھوں اور درخواست کروں کہ میرے اور تمہارے واسطے مغفرت کی دعا فرمائیں حذیفہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے کہتے ہیں کہ مغرب کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی پھر نفل پڑھے اس کے بعد نماز عشا پڑھی نماز سے فارغ ہوکر جب رسول اللہ مسجد سے چلے میں بھی پیچھے پیچھے چلا میرے قدموں کی آہٹ پاکر پوچھا کون! کیا حذیفہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا کیوں کیا کام ہے خدا تجھکو اور تیری ماں کو بخشے پھر فرمایا :-

هٰذا ملك لم ينزل الارض قبل هٰذه الليلة استاءذن ربه ان يسلم علي ويبشرني بان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة وان الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة۔

(ترمذی ایضاً)

دیکھ یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتے نے اپنے پروردگار سے میرے پاس حاضر ہونے اور سلام کرنے کی اجازت چاہی تھی چنانچہ اجازت مل گئی اس فرشتے نے مجھے بشارت دی ہے کہ فاطمہؓ جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؓ و حسینؓ جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔

اس حدیث کے پہلے تین راویوں کا سلسلہ ترمذی میں یوں ہے عن المنهال بن عمرو عن زر بن حبيش عن حذيفه۔

اب دیکھئے ترمذی کی پہلی اور دوسری حدیثوں کے سلسلہ رواۃ میں ایک بڑے بھاری بھرکم شیعہ یزید بن ابی زیاد الکوفی تشریف فرما ہیں یہ بنی ہاشم کے غلام تھے کنیت ابو عبد اللہ تھی ۱۳۶ھ میں یعنی عباسی خلافت قایم ہونے کے چار سال بعد فوت ہوئے تھے۔ امام ذہبی نے یہ کہکر کہ حافظہ ان کا خراب تھا لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا ہے ليس بالقوی ضعیف ان کی مروی حدیثیں بے حقیقت ہیں جن کی مثالیں بھی دی ہیں پھر لکھا ہے " كان يزيد بن ابی زياد من ائمة الشيعة الكبار (میزان الاعتدال ج ص ۳) یعنی یزید بن ابی زیاد شیعوں کے بلند پایہ آئمہ حدیث میں سے تھے تہذیب التہذیب وغیرہ میں اس شیعہ راوی کے اور بھی نقائص بیان کئے گئے ہیں۔

ابوزرعہ نے کہا لا یحتج بہ کہا ہے امام احمد و ابو حاتم و جوزجانی وغیرہ نے ان کو ضعیف و ناقابلِ اعتماد راوی کہا ہے۔ اب ذرا ان حدیثوں کے دو نمونے بھی ملاحظہ ہوں جو ذہبی نے ان کی مرویات سے میزان الاعتدال میں نقل کی ہیں جن سے اس شیعہ راوی کی کذب بیانی کا اندازہ ہو سکے گا چنانچہ ایک جگہ حضرت ابو برزہ صحابیؓ سے اور دوسری جگہ حضرت ابی بردہؓ صحابی سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ہم نے گانے بجانے کی آوازیں سنیں اٹھکر دیکھا تو معاویہ اور عمرو بن العاص تھے جو مصروف غنا تھے اس کے بعد یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا ہے کہ آپ نے یہ حال سنکر ان دونوں صحابیوں کو جن میں سے ایک کاتب وحی بھی تھے نار دوزخ میں جلنے کی بددعا دی! معاذ اللہ!!

اللّٰھمّ ارکسھما فی الفتنۃ رکسا ودعّھما الی النار دعاء (میزان الاعتدال ج۳ ص۳۱۱)	یا اللہ ان دونوں کو فتنہ کے اندر دھکیل دیجیو (کہ چھٹکارہ نہ ہو) پھر ان دونوں کے جہنمی ہونے کی بددعا دی۔

ذرا خیال تو فرمائیے کس قماش کا شیعہ راوی ہے حضرت علیؓ کے سیاسی حریفوں کی جو جلیل القدر صحابی ہیں ایک طرف تو یہ درگت بنا رہا ہے اور دوسری جانب حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادوں اور ان کی والدہ ماجدہ کے مناقب میں جنتیوں کی سرداری کی حدیثیں وضع کر رہا ہے۔

اب اسی بدگو شیعہ راوی کی من گھڑت حدیث الرایات سنئے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ سے منسوب کیا ہے ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ اور ابن الہیثمی وغیرہ نے بھی اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے۔ ذہبی نے البتہ ائمہ حدیث کا یہ قول نقل کرتے ہوئے کہ حدیث الرایات محض بے اصل اور وضعی ہے اسے بطور نمونہ ان الفاظ میں درج کیا ہے:۔

"عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم لوگ رسول صلعم کے حضور میں حاضر تھے کہ اسی درمیان بنی ہاشم کے کچھ نوجوان آگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان ہاشمی نوجوانوں کو دیکھا تو آپ کا رنگ متغیر ہو گیا ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کے چہرے میں ہم ایسی بات دیکھتے ہیں جسے ہم پسند نہیں کرتے آنحضرت نے فرمایا کہ ہم لوگ ایسے گھرانے والے ہیں کہ اللہ

نے ہم لوگوں کے لئے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو پسند کیا ہے اور میرے
اہل بیت میرے بعد جلد ہی بلائیں جھیلیں گے اور دربدر مارے پھریں گے
اور ہر جگہ سے دُر دُر یا جانا ان کی قسمت میں ہوگا۔ یہاں تک ایک قوم
مشرق کی طرف سے آئے گی جن کے پاس سیاہ جھنڈے ہوں گے (گویا
عباسی خلافت کے داعیوں کے کالے جھنڈے م) تو وہ بھلائی کا سوال
لوگوں سے کریں گے دو تین مرتبہ سوال کرنے پر لوگ ان کا سوال پورا
کریں گے پھر وہ لوگوں سے جنگ کریں گے تو جو وہ مانگ رہے تھے
لوگ ان کو دیں گے مگر وہ نہیں قبول کریں گے اس کو یہاں تک کہ لوگ
اس کو دے جائیں گے۔ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے پاس تو
بھر دیں گے اس کو (شاید دنیا کو) انصاف سے جس طرح کہ بھر دیا
گیا تھا اس کو ظلم اور جور سے پس تم میں سے جو شخص پائے اس زمانے
کو تو چاہیئے کہ ان کے پاس آئے اگرچہ وہ چل پڑیں برف پر"

اس طویل وضعی حدیث کا ترجمہ یہاں اس غرض سے نقل ہوا کہ اس وضاع راوی کی ذہنیت کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ عباسی خلافت کے قایم ہونے کے سلسلے میں جو اس کے مرنے سے صرف چار سال پہلے قائم ہوئی تھی ایک صحابی کا نام لیکر یہ کیسے کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر رہا ہے۔ صرف ان ہی دو وضعی حدیثوں کے مضمون سے اس بخاری بھر کم شیعہ راوی کی ذہنیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر اسی یزید بن ابی زیاد الکوفی مولیٰ بنی ہاشم کی بیان کردہ ان دو حدیثوں کے بارے میں جو جوانانِ جنت کی سرداری کی ترمذی سے اوپر نقل ہوئیں کیا شبہ باقی رہ سکتا ہے کہ وہ اسی کی وضع کردہ ہیں ان حدیثوں کو شیعہ راوی یزید بن ابی زیاد کے علاوہ بھی ترمذی کے ان دونوں سلسلۂ اسناد میں اور بھی شیعہ راوی موجود ہیں یعنی پہلے سلسلے میں ابوداؤد الحضرمی کا نام ہے یہ حضرت کوفی بھی تھے اور شیعہ بھی۔ ابونعیم فضل بن دکین الکوفی الشیعی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ذہبی اور ابونعیم کے بارے میں کہتے ہیں انہ یتشیع من غیر غلو ولا سب (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۹) یعنی ابونعیم فضل بن دکین میں تشیع تو تھا مگر غلو نہ تھا۔ گالیاں نہیں دیتے تھے گویا تقیہ کرتے تھے۔

برملا برا نہیں کہتے تھے یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ ابو نعیم اگر کسی کی تعریف و توصیف کریں تو سمجھ لو وہ شخص شیعہ ہے۔ کان ابو نعیم اذا انسانا فقال ھو جید واثنی علیہ فھو شیعی۔ یہاں تو تعریف ہی نہیں ابو داؤد کا تو وہ بہت احترام کرتے تھے ظاہر ہے بوجہ ان کے شیعہ ہونے ہی کے کرتے تھے۔

دوسرے سلسلہ اسناد میں ابن فضیل کٹر شیعہ موجود ہیں نام و نسب ان کا محمد بن فضیل بن غزوان تھا۔ یہ بھی کوفی تھے اور قبیلہ ضبہ کے موالی میں سے تھے ۱۹۵ھ میں فوت ہوئے ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کان شیعاً محترقاً (ج ۳ ص ۱۲۲) یعنی یہ ابن فضیل کٹر شیعہ تھے بعض نے ان کو ثقہ و صدوق لکھا ہے مگر ایک شیعہ ہزار ثقہ و صدوق ہو حضرت علی و حسنینؓ وغیرہم ائمہ شیعہ کے مناقب کے بارے میں اس کا قول لائق وثوق نہیں ہو سکتا۔ الحاصل ترمذی کی حدیثیں "سید اشباب اھل الجنۃ الحسن والحسینؓ" اسی شیعہ راوی کی ساختہ اور من گھڑت ہیں۔

اب لیجئے تیسری حدیث اس کا طرز بیان ہی صاف بتا رہا ہے کہ کوفی وضاعین کی من گھڑت ہے اس کے ذمہ دار المنہال بن عمرو الکوفی الشیعی ہیں۔ جوزجانی نے انھیں ضعفاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے یہ شخص بد مذہب تھا۔ یہی قول ابن حزم کا بھی ہے شعبہ نے تو ان سے روایت کرنا ہی اس وجہ سے ترک کر دیا تھا کہ ان کے گھر گانا بجانا ہوتا تھا (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۲) اور ترمذی نے خود ہی اس حدیث کو غریب بتایا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے ایسی حدیثوں کے بارے میں صاف کہا ہے کہ فی اسانیدہ کلہا ضعف (البدایہ ج ۶ ص ۲)

صحیح بخاری (ج ۱ مطبوعہ اصح المطابع دہلی) میں مناقب فاطمہؓ کے عنوان سے دو حدیثیں ہیں پہلی میں ارشاد ہے کہ فاطمہ میرا پارہ گوشت ہے جس نے اسے رنجیدہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ کیا اور دوسری میں جو عروہ بن الزبیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو اپنے اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی بلوایا اور کوئی بات ان سے آہستہ سے کہی تو وہ رونے لگیں پھر کوئی بات فرمائی تو ہنسنے لگیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ کہ فاطمہؓ سے میں نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تھا کہ اس مرض میں وہ وفات پا جائیں گے تو میں رونے لگی پھر آپ نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ ان کے اہل بیت میں سب سے پہلے میں ہی ان سے ملوں گی تو میں ہنسنے لگی" اس باب میں تو

صرف یہی دو حدیثیں ہیں خاتونانِ جنت کی سرداری کی کوئی حدیث اس عنوان کے تحت اسناد کے ساتھ درج نہیں ہے۔ ابواب کی فہرست میں بھی صرف یہ الفاظ ہیں "باب مناقب فاطمة" مگر مطبوعہ نسخے میں اس عنوان کے ساتھ "وقال النبی صلعم فاطمة سیدة نساء اهل الجنة" بغیر اسناد کے لکھ دیا ہے حالانکہ امام بخاریؒ ہر حدیث کے اسناد درج کرتے ہیں شاید اس نسخے کے کاتب کا یہ اضافہ ہو۔ البتہ صحیح بخاری کی اسی جلد میں علامات النبوة فی الاسلام (اسلام میں نبوت کی علامتوں) کا جو باب ہے (صـ۱۲۱) اس میں ایک حدیث تو وہی پہلی حدیث درج ہے جو سطور بالا میں عروہ بن الزبیرؓ کی روایت سے بیان ہوئی اس میں خاتونان جنت کی سرداری کا مطلق ذکر نہیں لیکن یہاں ایک اور حدیث جس کے سب راوی کوفی ہی کوفی ہیں حضرت عائشہؓ سے منسوب ہے حالانکہ پہلی حدیث میں تو حضرت عائشہؓ نے صراحتاً فرمایا ہے کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی اور فاطمہؓ آپ کی وفات کی خبر آپ سے ہی سنکر رونے لگی تھیں پھر جب آپ نے فرمایا کہ وہی سب سے پہلے عالم آخرت میں آپ سے ملیں گی تو ہنسنے لگیں اب اس دوسری حدیث میں آپ کے مرض کا تو کچھ ذکر نہیں گویا علالت سے پہلے کا یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ جبریل نے اپنے سالانہ معمول کے خلاف اس سال دو مرتبہ قرآن کا دَور کرایا اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کا مطلب یہ سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب آگئی ہے اور تم (یعنی فاطمہؓ) میرے گھر والوں میں سب سے پہلے مجھ سے ملو گی پھر حدیث بیان کرنے والے نے حضرت فاطمہؓ کے مُنہ سے کہلوایا ہے "میں روئی تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم تمام جنت والی عورتوں کی یا یہ فرمایا کہ تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہوگی پس اس وجہ سے میں ہنسی" پہلی میں ہنسنے کا سبب یہ بتایا ہے کہ آپ کے قرابتداروں میں سے پہلے وہی عالم ارواح میں آپ سے ملیں گی اور دوسری میں سبب ہنسنے کا خاتونانِ جنت کی سرداری کی بشارت بتایا گیا ہے۔ راوی نے کسی حدیث میں یہ نہیں بتایا کہ حضرت فاطمہؓ کی جو تین سگی بہنیں ان سے پہلے عالم ارواح میں پہنچ چکی تھیں وہ ان سے پہلے اپنے والد ماجد سے کیوں نہ ملیں گی!

اس حدیث کو ابونعیم فضل بن دکین الکوفی الشیعی متوفی ۲۱۹ھ زکریا بن ابی زائدہ خالد ابن میمون بن فیروز الکوفی متوفی ۱۴۹ھ سے جو ہمدانیوں کے آزاد کردہ غلام تھے وہ

فراس بن یحییٰ الہمدانی الکوفی سے وہ عامر شعبی الکوفی سے وہ مسروق الہمدانی الکوفی سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں یعنی یہ روایت سلسلہ وار کوفیوں ہی سے ہے اور ان میں بھی غالب اکثریت ہمدانیوں کی ہے جو بیشتر کھلے ہوئے یا چھپے ہوئے شیعہ تھے کیونکہ کوفے میں ہمدانیوں کا محلہ شیعوں کا گڑھ تھا۔ پھر اس حدیث کے ذمہ دار ابو نعیم الکوفی ہیں جن کے متعلق امام ذہبی تشیع کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایک شیعہ کیسا ہی ثقہ ہو مگر حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کے فضائل ومناقب کی روایت میں وہ کبھی ثقہ وقابل اعتماد نہیں ہو سکتا۔

۱۔ صحیح البخاری کے بعض شارحین کو بھی یہ بات کھٹکی تھی کہ جنت کی عورتوں میں جب امہات المومنین اور خود حضرت فاطمہ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ بھی ہوں گی تو کیا ایک بیٹی اپنی حقیقی والدہ کی اور سوتیلی ماؤں کی بھی سردار ہوں گی مگر امہات المومنین کا مرتبہ سب ہی عورتوں سے بلند ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ **یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ** (اے نبی کی بیویو! تم تمام عورتوں کی مثل نہیں ہو یعنی بوجہ مسلمانوں کی مائیں ہونیکے تمہارا درجہ اور رتبہ سب عورتوں سے بلند ہے) اسی آیت سے ازواج مطہرات کی فضیلت دختران نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہے اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد بھی ہے جو ان ہی ازواج نبی کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے:۔

وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِہَآ اَجْرَہَا مَرَّتَیْنِ (الاحزاب)	اور تم میں سے جو بیوی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور نیکی کے کام کریں گی ان کو ہم دوہرا اجر دیں گے۔

یہ ارشاد قطعی اور حتمی ثبوت ہے اس امر کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی بیٹیوں اور تمام صحابہ وصحابیات سے افضل ہیں۔ علامہ ابن حزم نے اسی بحث پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"یہ فضیلت ظاہر اور بیان روشن ہے کہ ازواج مطہراتؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اس آیت سے (جو سطور بالا میں نقل ہوئی) یقینی ثبوت ہے جس میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ وفاطمہؓ اور تمام صحابہ میں سے جب کوئی ایک عمل کرے تو وہ اس پر ایک خاص مقدار اجر کا مستحق ہوگا اور رسول صلی اللہ علیہ

وسلّم کی ازواج میں سے کوئی بیوی اگر بعینہ ویسا ہی عمل کریں تو ان کے لئے اِس مقدار اجر سے دو چند اجر ہوگا جب صحابہ اور فاطمہؓ کا نصف حصّان کے بعد والے سے کوہ احد کے برابر سونے سے زیادہ پورا کرلیگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک زوجہ کے لئے کوہ احد جیسے دو پہاڑ بھر سے زیادہ ان کے نصف حصّے میں ہوگا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد بجز ازواج نبیؐ کے اور کسی کے لئے نہیں۔ (الملل والنحل ابن حزم ۱)

آنحضور کی یہ سب ازواج مطہرات یعنی حضرت فاطمہؓ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ سب ہی جنت میں موجود ہوں گی نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جن کے متعلق آپؐ کا یہ ارشاد بسند صحیح منقول ہے کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر وہ بھی جنّت میں ہوں گی تو جب حضرت فاطمہؓ کی یہ سگی اور سوتیلی مائیں جو سب امتیوں کی بھی مائیں ہیں خاتونانِ جنّت میں بدرجہ اولیٰ شامل ہوں گی تو فردوس بریں کے اندر پھر کیا صورت حال پیش آئے گی۔ آیا ایک صاحبزادی اپنی سگی تیلی سب ماؤں کی سردار رہوں گی اور مائیں بھی وہ خصوصاً حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ جنکی کیسی کیسی قیمتی خدمات اللہ کے رسول کی اور اللہ کے دین کی ہیں حضرت عائشہؓ سے دو ہزار دو سو دس حدیثوں کی روایت ہے اور حضرت عائشہؓ کے فتاوے کی تعداد ہر صحابی کے فتوؤں سے خواہ حضرت عمرؓ ہوں یا حضرت علیؓ یا اور کوئی جلیل القدر صحابی سب سے زیادہ ہے حضرت فاطمہؓ کا تو اس میں کوئی حصّہ ہی نہیں تو کیا یہ مائیں بیٹی کی سرداری میں ہوں گی ؟ حضرت علیؓ اور ان کے متعلقین کو یوں فضیلت دینا تو شیعہ مسلک ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت قرآنی یعنی آپ کی ازواج مطہرات ہوں یا اہل بیت حدیثی یعنی آپ کے چچا حمزہؓ و عباسؓ ہوں یا آپ کے ایک داماد علیؓ اور ان کے یہ دو صاحبزادے حسنؓ و حسینؓ ہوں یا آپ کی بنات طاہرات فاطمہؓ و زینبؓ و رقیہؓ و ام کلثومؓ ہوں ہمیں سب سے محبّت ہے اور سب ہی کا احترام کرتے ہیں لیکن ترجیح بلا مرجح تو شیعہ تصوّر ہے اور ان ہی کی یہ من گھڑت حدیثیں ہیں جو امہات المؤمنین اور جملہ صحابہ و صحابیات پر حضرت فاطمہؓ اور اپنے ائمہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے وضع کی گئیں۔ بیٹی کو ماں پر ترجیح دینے کے لئے ایک شیعہ نے دگرا اور جگر کا

یہ شاعرانہ نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں :-

دے بہ من گفت کسے کہ عائشہ زہرا — فضل بر بنت سید البشر است

در جوابش بگفتم ایں مصرعہ — رشتہ دیگر رگِ جگر دگر است

گویا تعلق نسبی و قرابتِ لحمی کو قربتِ روحانی و فضائل ذاتی و کسبی پر ترجیح ہے ان کے نزدیک یہی سیادت نسبی ہے۔ یعنی جنت کے سید (سردار) سے تعلق نسبی کی بنا پر اپنے کو سید قرار دیتے ہیں چنانچہ مؤلف مصباح الظلم فرماتے ہیں۔

"واضح ہو کہ خلعت سیادت دربار خداوندی سے پنجتن پاک کو مرحمت ہوا ہے حضرت سیدہ سید زادی ہونے کے سبب سے ہی سیدہ نہیں ہیں بلکہ اپنے حق کی رو سے بھی سیدہ ہیں اسی طرح حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام اپنے اپنے حق کی رو سے سید ہیں"

وہ حق بھی اہلِ جنت کی سرداری کا ہے۔

حضرت علی کی سیادت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

"آپ اپنے حق کی رو سے ویسے ہی سید ہیں جیسے جناب پیغمبر خدا سید ہیں اس لئے آپ کی اولاد جو بطن حضرت سیدہ علیہا السلام سے نہیں ہے وہ بھی سید کہلاتی ہے وہ سادات جو غیر بنی فاطمہ ہیں انھیں سادات علوی کہتے ہیں"

ہمیں یہاں اس بات سے تو کوئی بحث نہیں کہ ایک امتی کو سرداری میں نبی اکرم کے مساوی بنایا ہے کہنا یہ ہے کہ مصباح الظلم کے مؤلف نواب امداد امام صاحب نے سیدا شباب اہل الجنۃ اور سیدۃ النساء اہل الجنۃ کی وضعی حدیثوں ہی کی بنا پر "خلعت سیادت" کا دربار خداوندی سے مرحمت ہونا بیان کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ :-

"جاننا چاہیئے کہ سیادت بڑی نعمت ہے اس سے بڑھ کر دینی نعمت دوسری نہیں ہے۔ حضرات سادات جو اس زمانہ میں موجود ہیں ان پر فرض ہے کہ اس نعمت کی قدر کریں اور اپنے آبائی طریقہ کے پابند رہیں اپنے اجداد کرام یعنی ائمہ معصومین علیہم السلام کے

پورے پیرو رہیں اپنے نسب ناموں کو ضائع ہونے سے بچائیں
طمع دنیاوی میں مبتلا ہوکر اپنی نسل پاک کو خراب نہ کر ڈالیں (ص۵۵)

مگر سادات اھل الجنۃ کی حدیثوں میں تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب و حضرت ابوسفیان ہاشمیؓ و حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی شامل ہیں اس لئے یہ خلعت سیادت (سرداری) نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن ان سب ہی سرداران اہل جنت کی اولاد کو مؤلف مذکور ہی کی دلیل کی رو سے وراثۃً پہنچ گیا علوی و فاطمی کی پھر کیا تخصیص رہی ہر صدیقی اور فاروقی و جالندھری و جعفری اس دینی نعمت" سے متمتع ہونے کا حق رکھتا ہے خصوصاً صدیقی و فاروقی کیونکہ ان کے جد اعلیٰ دنیا میں بھی سردار (سید) تھے اور آخرت میں بھی سادات اھل الجنۃ ہیں دوسروں کو دنیا میں سرداری کا دیسا اعزاز نہ ملا۔ خیال تو فرمائیے وضاعین کی ان من گھڑت حدیثوں نے تفاخر بالآباء کے اس جذبے کو ابھارنے میں جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے مٹا ڈالا تھا اور دنیائے انسانیت پر احسان عظیم کیا تھا کیا کیا گل کھلائے میں شیعوں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں "پنجتن پاک" ان کا عقیدہ خاص ہے مگر اکثر غیر شیعہ خطیب و پیش نماز جمعہ و عیدین کے خطبات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ایسے قرابتداروں کے نام مبالغہ آمیز توصیفی الفاظ والقاب کے ساتھ لیتے ہیں جن کو شیعہ بھی مانتے ہیں اور ان کی مدح و توصیف میں تو تقریباً وہ ہی الفاظ دوہراتے ہیں جو شیعہ کہتے ہیں مگر آپ کے دوسرے ایسے ہی قرابتداروں اور آپ کی تین صاحبزادیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے شاید خطبے تصنیف کرنے والوں کے نزدیک "خلعت سیادت" دربار خداوندی سے "پنج تن" پاک کے ان ہی چار اشخاص کو عطا ہوا ہوا تھا جو شیعوں کے مقدس اشخاص ہیں مگر مقصد اور غرض و غایت خطبہ کی محض وعظ و تذکیر ہے ان محترم اشخاص کا ذکر ان میں کب سے اور کیوں شروع ہوا اس پر گفتگو آگے آرہی ہے۔ موضوع کتاب سے یہ بحث جیسا آپ کو انشاء اللہ واضح ہوگا غیر متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ قرابت رسول کے شرف و نسلی امتیاز و سیادت کا چرچا علی الاعلان ہوتا ہے۔

خطبات جمعہ و عیدین

ایسے نصف صدی پیشتر یعنی ۱۹۱۳ء میں راقم الحروف نے ایک کتابچہ اس بحث

پر شائع کیا تھا کہ خطبات جمعہ و عیدین اسی زبان میں ہونا لازم ہیں جسے سننے والے سمجھ سکیں۔ کیونکہ اصل غرض ان خطبات کی وعظ و تذکیر ہے اور یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی جب تک وعظ سننے والے واعظ و خطیب کی بات اچھی طرح ذہن نشین نہ کر سکیں۔ قدامت پرستوں کی جانب سے تردیدیں شائع ہوئیں مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے اپنے ہفت روزہ "الہلال" میں راقم الحروف کی تائید میں مضمون لکھا تھا اس کے چند فقرات جو پچاس برس گذر جانے کے بعد آج بھی لائق توجہ ہیں ذیل میں درج کرتا ہوں[1]۔ مولانا آزاد مرحوم نے لکھا تھا۔

"جمعہ کا اجتماع اور حکم خطبہ مسلمانوں کے لئے فلاح دارین کا وسیلہ عظمیٰ تھا اس سے مقصود یہ تھا کہ ہفتہ میں ایک بار لوگوں کو ان کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہدایات و ارشادات کی دعوت دی جائے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک دائمی ذریعہ ہو۔"

خطبہ دراصل ایک وعظ تھا جیسا کہ وعظ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کا بھی یہی حال رہا اور تمام عربی حکومتیں جو اس کے بعد قائم ہوئیں ان میں بھی خلفاء و سلاطین کو مساجد کے منبروں پر وعظ کرتے ہوئے تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے .... لیکن ہماری اصلی مصیبت ہمارے حالات میں نہیں ہے کہ وہ نتائج ہیں اس کا اصلی منبع ہمارے اعمال کی تحریف و نسخ میں ہے کہ وہی علل و اسباب ہیں .... جہل و غفلت کے استیلاء نے ہر اسلامی عمل کو ایک لباس ظاہر دیکر اس کی روح حقیقت سلب کر لی ہے خطبہ جمعہ و عیدین کا بھی یہی حال ہے۔

اب خطبہ کے معنی یہ رہ گئے ہیں کہ عربی زبان میں ایک چھپی ہوئی کتاب جو بازار سے

---

[1] اپنے دوسرے رسالے "ذکر الاریب فی ہدایت الخطیب" مطبوعہ ۱۹۱۴ء سے جس میں مولانا آزاد مرحوم کے مضمون کے فقرات درج تھے نقل کر رہا ہوں حسن اتفاق سے رسالہ کا ایک نسخہ باوجود انقلاب زمانہ و انخلاء وطن اب تک محفوظ رہا مولانا مرحوم سے پہلی ملاقات مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور مسلم لیگ کے جلسوں کے موقع پر دسمبر ۱۹۱۲ء میں ڈھاکہ میں ہوئی تھی اور ایک دلچسپ واقعہ کی بنا پر پہلی ہی ملاقات میں خاصی بے تکلفی بھی ہو گئی تھی پھر خط و کتابت کا سلسلہ کچھ عرصہ تک رہا "الہلال" میں مضمون بھی لکھے اس مسئلہ پر جب بحث چھڑی مولانا مرحوم نے یہ تائیدی مضمون لکھا جس کے فقرات - سالہ مذکورہ بالا میں درج کئے تھے۔

خرید لی جائے اور الف لیلہ کی طرح اس میں سے ایک خطبہ غلط سلط پڑھ کر سنا دیا جائے آواز بشدت کریہہ ہو اور لب و لہجہ میں عربیت پیدا کرنے کے لئے ہر جگہ تجھم و ثقالت سے کام لیا جائے۔ بعض لوگ قرآن شریف کی حاصل کردہ قرأت کو اس میں بھی صرف کرتے ہیں اور پھر جو شخص ہر لفظ کے آخری حرف کو پوری سانس میں کھینچکر پڑھ دے وہ سب سے بڑا قاری و خطیب ہے!!

بسا اوقات غریب پڑھنے والا بھی نہیں جانتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں ؟ الف لیلہ کی ایک رات کا افسانہ ہے قیلوبی کی کوئی حکایت ہے یا ارشاد و ہدایت اُمت کا وہ عظیم و جلیل عمل اقدس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہو کر مجھکو انجام دینا ہے! پھر سننے والوں کی مصیبت کا کیا پوچھنا! کوئی اونگتا ہے کوئی اپنے ساتھیوں سے صبح کے بازار کا بھاؤ پوچھتا ہے۔

یہ تمسخر انگیز تذلیل و تحقیر ہے اس مذہب عظیم کے اعمال دینیہ کی جس کے داعی اوّل نے اپنے خطبات و مواعظ سے ایک بادیہ نشیں قوم کو روم و ایران کے تمدن کا مالک بنا دیا تھا! فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ !!

یقین کرو کہ جب حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کی ذلت و ہلاکت پر ماتم کیا تو شریعت موسوی کے احکام و اعمال کا بعینہٖ یہی حال تھا جو آج تم نے خدا کی شریعت کا بنا رکھا ہے مسیحؑ اگر ان فروسیوں اور صدقیوں پر روتا تھا جو گو بڑی بڑی آستینوں کے جبّے پہنتے، ہر وقت دعائیں مانگتے اور بڑی بڑی جیب تسبیحیں اپنے ہاتھوں میں رکھتے تھے پھر شریعت کے حکموں کو انھوں نے مسخ اور اعمال صالحہ کو بے اثر کر دیا تھا تو ہمیں بھی اپنے مولویوں اور صوفیوں پر ماتم کرنا چاہیے جو ان کی طرح یہ سب کچھ کرتے ہیں پھر ان ہی کی طرح حقیقت سے بھی خالی ہیں!!

میں سرے سے اس امر کا اشد عدو و دشمن ہوں کہ خطبے لکھے ہوئے پڑھے جائیں۔ یہ ایک بدعت ہے جس کا نہ تو قرون مشہود بہا بالخیر میں ثبوت ملتا ہے اور نہ علت حکم اس کا موید۔ خطبہ ایک وعظ ہے پس مسجدوں میں ایسے خطیب ہونا چاہئیں جن کو یہ قابلیت حاصل ہو کہ جمعہ کے خطبہ کے لئے تیار ہو کر آئیں اور زبانی مثل عام مواعظ کے وعظ کہیں۔ ضرور ہے کہ قوم کی موجودہ حالت ان کے پیش نظر ہو جو بیماریاں آج ہمیں لاحق ہیں ان ہی کا علاج بتلائیں نہ کہ ان کا جواب سے پانچسو برس پہلے تھیں!!

جو خطبات عربیہ آج کل رائج ہیں میں نے سب کو پڑھا ہے وہ تو اس وقت کیلئے بھی موزوں نہ تھے جس وقت کے لئے لکھے گئے تھے پھر آج کی حالت کا کیا ذکر!

خطبہ کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہے کہ صرف جمعہ وعیدین کے چند مسائل بیان کر دیئے جائیں اور کہدیا جائے کہ ایک دن مرنا ہے بس ڈرو اور موت کو یاد کرو بیشک موت کو یاد کرنے سے بڑھکر انسان کے لئے دنیا میں کوئی نصیحت نہیں ہوسکتی کفا بالموت واعظاً یا عمر! لیکن یہ کہدینا لوگوں کو ڈرانے کے لئے کافی نہیں ہے موت کی یاد کے ساتھ ان کو اس زندگی کا طریقہ بھی بتلانا چاہیئے جو تذکرہ آخرت کے ساتھ مل کر انسانوں کو دونوں جہانوں میں نجات دلاسکتی ہے۔

بڑا مسئلہ زبان کا ہے اور ضرور ہے کہ ایک مختصر سے خطبہ ماثورہ عربیہ کے بعد وعظ اسی زبان میں ہو جو سامعین کی زبان ہے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے حاصل کیا! شریعت نے کیسی عمدہ مصلحت اس میں رکھی ہے کہ جمعہ کے خطبہ کو نماز فرض کا قائم مقام قرار دیا اور اس کی سماعت کو فرض بتلایا اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ عمل عبادت کی طرح نصائح وہدایت کو بھی سنیں پھر ان نصائح کو ایسا اہم ہونا چاہیئے کہ مصروفیت نماز سے بھی اقدم وانفع ہوں۔ کیا یہ خطبات جو آج کل دیکھتے ہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھے جاتے ہیں اور لوگ بیٹھے ہوئے اونگھتے ہیں یہی مواعظ ہیں جن کی سماعت فرض اور ان کی موجودگی میں نماز تک ممنوع ہے! فاین تذھبون؟

عقل اور شریعت کے لئے ماتم ہے کہ موجودہ علماء خود اس طریق کے عامل اور اس پر پوری طرح قانع ہیں۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا!

بڑی مصیبت یہ ہے کہ مسجد کی امامت عموماً جہلا کے ہاتھوں میں ہے اور یہ کام ایک ذریعہ معاش بن گیا ہے وہ بیچارے کہاں سے ایسی قابلیت لائیں کہ برجستہ خطبہ دیں اور اس کے تمام شرائط پورا کریں۔

خطبہ کے معنی تو یہ ہیں کہ نہ صرف عام حالت کی اس میں رعایت کی جائے بلکہ گذشتہ جمعہ کے بعد جو نئے حالات وحوادث دنیا میں گزر رہے ہیں اور ان کی بنا پر مسلمانوں کو جو کچھ تعلیم کرنا ضروری ہے اس کی بھی رعایت اس میں ملحوظ رہے ۔ ۔ ۔ مسلمانوں کی تعلیم، ان کی سیاسی حالت، ان کے اخلاق واعمال ان کی ضروریات حالیہ اگر مساجد کی تعلیم سے درست نہ ہوگی

تو کیا وائی۔ایم۔سی کے پریچنگ والوں (عیسائی انجمنوں کے مواعظ کے کمروں) میں ان کو ڈھونڈھنا چاہیئے۔

خطبہ کی عبارت و تقریر نہایت موثر ہونی چاہیئے تاکہ سننے والوں کے دلوں کو کھینچ لے اور سامع کو اس کا ذوق دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے"

امام ابن قیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:۔

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فی کل وقت بما یقتضیہ حاجۃ المخاطبین ومصلحتھم۔	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جب خطبہ دیتے تو مخاطبین کی ضرورت اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے دیا کرتے تھے۔

نیز فرماتے ہیں کہ دوران خطبہ اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو آپ غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے بارہا ایسا ہوا ہے کہ اثنائے خطبہ میں کوئی آیا ہے تو آؤ بیٹھو اور سنو اور اس طرح کے مختصر جملے کہہ دیئے ہیں۔ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے ایک شخص نے دین کے بارے میں پوچھا آپ نے پہلے اس کے سوال کا جواب دیا اور اسے بتایا دین کیا ہے اس کے بعد خطبہ دینا پھر شروع کیا

آپ کے خلفاء کا بھی اسی پر عمل رہا۔ازالۃ الخلفاء میں محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے حضرت عمرؓ نے خطبہ روک کر ان سے کہا یہ کیا وقت ہے آنے کا؟ عرض کیا بازار سے پلٹ کر آیا اذان کی آواز سنی وضو کرکے حاضر ہوا ہوں امیر المومنین نے فرمایا الوضوء ایضاً وقد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بالغسل (ج ۲ ص ۶) تم نے وضو ہی پر کفایت کی جانتے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو (یوم جمعہ کو) غسل کا حکم فرمایا ہے۔اس گفتگو کے بعد خطبہ پھر دینے لگے۔خطبہ چونکہ عبادت نہیں اس میں غیر متعلق گفتگو بھی حسب ضرورت ہو سکتی ہے مقصد وعظ و تذکیر ہے خواہ بیٹھ کر خطبہ دیا جائے یا بے وضو دیا جائے جائز ہے۔

اگر نشستہ خطبہ خواند یا بے وضو خواند روا است از جہت حصول مقصود کہ آن وعظ و تذکیر است (شرح وقایہ)	اگر بیٹھ کر خطبہ دے یا بے وضو خطبہ دے جائز ہے بغرض حصول مقصود کہ وہ وعظ و نصیحت ہے۔

صدر اول میں سوائے مسجد نبوی کے منبر نہ تھے حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے

وہاں مسجد تعمیر کرائی منبر بھی بنوایا حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی انھیں تنبیہ کی اور کہا :-

اما بعد ۔ فقد بلغنی انک اتخذت منبرا ترقی بہ علی رقاب المسلمین او ما یکفیک ان تکون قائما والمسلمون تحت عقبک فعزمت علیک الا ما کسرتہ

(مقدمہ ابن خلدون)

اما بعد ۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے (مسجد میں) منبر بنوایا ہے جس سے تم مسلمانوں کی گردنوں پر سوار ہو جاتے ہو ۔ کیا تمھارے لئے یہ کافی نہ تھا کہ خطبہ دیتے وقت تم کھڑے رہتے اور مسلمان تمہارے قدموں میں بیٹھے (سنتے) رہتے ہیں تم کو قسم دلاتا ہوں (کہ توڑ ڈالو) شاید نہ توڑو گے ۔

اس واقعہ سے جہاں یہ سبق ملتا ہے کہ صحبت یافتگان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی مساوات پر کس شدت سے عمل پیرا تھے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منبر پر سے خطبہ دینا لازمی نہیں جس طرح چاہے حاضرین سے خطاب کرے اور جس زبان میں چاہے وعظ و نصیحت کرے بشرطیکہ سننے والے سمجھ سکیں اور وعظ و پند سے فائدہ حاصل کر سکیں ایسی زبان میں وعظ و نصیحت کرنا جسے سامعین نہ سمجھیں مقصد خطبہ کا فوت کر دیتا ہے ۔

خطبہ جمعہ اور مدح اشخاص

جمعہ کے خطبوں کے آخری حصے میں جو خطبہ ثانیہ کہلاتا ہے خلفائے اربعہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور خاص طور سے ہاشمی خاندان کے اشخاص خمسہ "پنج تن" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مومن چچا حمزہؓ عباسؓ آپ کی صرف ایک صاحبزادی فاطمہؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؓ و حسینؓ کا ذکر جن الفاظ میں اور جس لہجے سے کیا جاتا ہے وہ کس زمانے میں اور کن حالات میں شروع ہوا اس کا تاریخی جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفائے کرام کے خطبات کی مثالیں بھی پیش نظر رہیں ۔

اللہ جل شانہ نے سورۂ بقرہ، سورۂ نساء اور سورۂ جمعہ میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کئے جانے کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ سورۂ جمعہ کی دوسری آیت کے الفاظ میں یوں ہے :-

بعث فی الامیین رسولا | (اللہ) وہ ہے جس نے (عرب کے)

مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○	اَن پڑھ (اور اُجڈ) لوگوں میں (ان کی ہدایت کے لیے) اُن ہی میں کا (ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے ناآشنا) رسول بھیجا جو اُس کی آیتیں (خدا کے عالم آرا احکام) اُن کو پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو سلوا رتا ہے عصیاں اور رجوع دے ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے) اور ان کو کتاب (یعنی احکام قرآن اور خدائے حکیم کی) حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

ان نصوص قرآنیہ سے ہی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو کس کس طرح تعلیم دیتے، موعظت و تذکیر کرتے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ نماز جمعہ و عیدین اور پنجوقتہ نمازوں کی بنفسِ نفیس امامت کرتے، خطبے ارشاد فرماتے۔ متعدد کتب میں آپ کے بعض خطبے نقل ہیں خطبہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کرتے اور و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ کہکر ختم فرماتے۔ اسی اسوۂ حسنہ نبوی کے اتباع میں خلفائے کرام بھی اپنے خطبوں میں بیشتر وعظ و تذکیر کرتے۔

در عصر اوّل موعظت و تذکیر ضمیمہ خلافت بود۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳)	اوّل زمانہ (اسلام) میں وعظ و تذکیر خلافت ہی کا ایک ضمیمہ تھا۔

چنانچہ خلیفہ وقت اپنے مرکز اور مستقر خلافت میں نمازوں کی بذاتِ خود امامت کرتے اور فی البدیہہ خطبے دیتے، اسی طرح صوبوں میں ان کے نائب اور گورنر یہ فرائض انجام دیتے۔ حمد باریتعالیٰ کے بعد نعتیہ کلمات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اقامت دین کے اس عظیم کارنامے کو بیان کرتے کہ جان بلب انسانیت کو آپ نے کس طرح حیات نو بخشی اور گم کردہ راہ انسان کو جادہ حق سے کس طرح روشناس کرایا، پھر مضمون خطبہ ادا کرتے محسنِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیف دل سے درود کے الفاظ میں تحسین و آفرین کے ساتھ دعائے تضعیف ثواب و رحمت کرتے جنھوں نے ۲۳ سال عہد رسالت میں طرح طرح کی مخالفتوں اور دشمنیوں پر غالب آکر نوع انسانی کو توحید خالص، وحدت انسانیت اور روحانیات و اخلاقیات کے درس لو دیئے تھے اور چھوٹے خداؤں کے اور قوم و ملک، قبیلہ و خاندان اور رنگ و نسل کے خود ساختہ

بت ایک کر کے پاش پاش کر دئے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صلِّ علی النّبیِّ اکرم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمائی کے بعد صحابہ میں بزرگ ترین ہستی علم و عمل اور عظیم دینی و ملی خدمات کے اعتبار سے حضرت ابوبکر الصدیقؓ ہی کی تھی وہ ہی آپ کے خلیفہ بلا فصل ہوئے مختلف کتب تاریخ و تذکرہ میں ان کے بعض خطبات اور خطبوں کے فقرات نقل ہیں۔

مبداء فیاض سے حضرت موصوف کو خطابت کا ملکہ خدا داد عطا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فقرے بے تکلف و سادہ الفاظ جملے بیشتر قرآنی الفاظ و آیات سے آراستہ و پند و موعظت سے مملو، انداز کلام حکیمانہ و فصیح، اسلوب بیان ایسا موثر اور دلنشین کہ سامعین کے دلوں میں گھر کرتا چلا جائے۔ بقول کسے ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ان کے خطبوں میں حمد الٰہی و نعتِ رسول کے سوائے نہ کسی دوسرے شخص کا خواہ ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی کوئی ذکر ہوتا تھا نہ مدح اور نہ خطبوں کی غرض و غایت کے اعتبار سے ہو سکتا تھا۔ اب ان کے ایک خطبے کے فقرات سنئے۔

خطبہ صدیق اکبرؓ | خطبہ حمد باریتعالےٰ سے شروع کرتے ہیں اور اس حمد الٰہی کے کلمات کو آیات قرآنی کے الفاظ سے یوں آراستہ کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ وَاَسْتَغْفِرُہٗ وَاٰمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَاَسْتَھْدِیَ اللّٰہُ بِالْھُدٰی وَاَعُوْذُ بِہٖ مِنَ الضَّلَالَۃِ وَالرَّدٰی وَمِنَ الشَّکِ وَالْعَمٰی مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ یُعِزُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیُذِلُّ مَنْ یَّشَآءُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

نعت و ثنا رسول اکرمؐ | ثنائے رسول کو بھی دیکھئے آیات قرآنی سے کس خوبی سے آراستہ کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝	اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں جنھیں اسی (خدا) نے (عظیم الشان) ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا

اِلی الناس کافۃ رحمۃ لھم وحجۃ
علیھم والناس حینئذٍ علیٰ شر
حال فی ظلمات الجاھلیۃ دینھم
بدعۃ ودعوتھم فریۃ فاعز
اللہ الدین بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم
وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوبِکُمْ اَیُّھَا المومنون!
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا وَ
کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ
فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ
اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ
فَاَطِیعوا اللہ وَرَسُولہ فانہ
قَالَ عزوجل۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ
فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ
اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ○

تاکہ اس کے زور اثر سے یہ دین سب
دینوں پر غالب آجائے اگرچہ مشرکوں کو برا ہی
لگے۔ انھیں تمام انسانوں کے لئے رحمت
اور ان پر حجت بنا کر اس زمانے میں بھیجا
جب انسان بدترین حال میں مبتلائے جاہلیت
کی تاریکیوں میں پڑے تھے دین ان کے
بدعت اور دعوت ان کی جھوٹی پر فریب
تھی پس اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
سے دین (اسلام) کو سربلند کیا اور اے
مومنو! تمھارے دلوں میں الفت و محبت
رکھدی کہ اس کے فضل سے تم بھائی بھائی
ہوگئے اور دیکھو) تم (فتنہ وفساد کی)
آگ کے گہرے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے)
تھے تو اس میں (گرنے) سے تم کو بچا لیا اسی
طرح واضح کرتا ہے اللہ تم پر اپنی نشانیاں
تاکہ تم راہ ہدایت پاؤ۔ پس اے لوگو! اطاعت
کرو اللہ اور اس کے رسول کی کیونکہ اللہ
عزوجل فرماتا ہے "اور جس نے حکم مانا
رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا
پھرا تو ہم نے تجھ کو (اے رسول) ان پر
نہیں بھیجا نگہبان"

نعت رسول میں آیات قرآنی سے اجتماع وائتلاف امت کی نعمت کو بیان کرنے اور اس کے رسول کے احکامات کے اتباع پر حاضرین کو متوجہ کرنے کے بعد خطبہ کا مضمون یوں ادا کیا:-

مضمون خطبہ: اِنی اوصیکم

میں وصیت کرتا ہوں تمھیں اس بات کی

بتقوی اللہ العظیم فی کل حال و لزوم الحق
فیما احببتم و کرھتم فانہ لیس
دون الصدق من الحدیث خیر من
یکذب یفجر و من یفجر یھلک و ایاکم
والفخر من خلق من تراب و الی التراب
یعود ھو الیوم حی و غدا میت فاعملوا
وعدوا انفسکم فی الموتی وما
اشکل علیکم فردوا علمہ الی اللہ
وقدموا لانفسکم خیرا تجدوہ
محضرا فانہ قال عز وجل ۔ یوم
تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا
وما عملت من سوء تود لو ان بینھا
وبینہ امدا بعیدا ویحذرکم اللہ
نفسہ ط واللہ رءوف بالعباد ○
فاتقوا اللہ عباد اللہ وراقبوا واعتبروا
بمن مضی قبلکم واعلموا انہ
لابد من لقاء ربکم والجزاء
باعمالکم صغیرھا وکبیرھا
الا ما غفر اللہ انہ غفور رحیم
فانفسکم انفسکم والمستعان
اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔

کہ ہر کام اور ہر حال میں اللہ بزرگ و برتر کا
خوف تمہارے پیش نظر رہے اور اپنی پسند اور
ناپسندیدگی کے بارے میں حق کا التزام رہے
سچی بات کے سوائے اور بات میں اچھائی نہیں
جو دروغ گوئی کرتا ہے وہ حق سے منحرف ہو جاتا
ہے اور جو حق سے منحرف ہو جاتا ہے وہ (آخر الامر)
ہلاک ہو جاتا ہے۔ دیکھو خبردار اپنی (یا اپنے
آباء کی) بڑائی اور فخر مت کرنا۔ جو خاک (خمیر)
سے پیدا ہوا اور پھر خاک ہی میں مل جائے گا
اور جو آج زندہ ہے اور کل مر جائیگا (اُسے
فخر اور بڑائی کب زیب دیتی ہے) پس عمل
(خیر) کئے جاؤ اور اپنا شمار مرنے والوں میں
کرتے رہو جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اُسے
اللہ کے حوالے کردو۔ اپنی ذات کے لئے اچھے
اعمال پہلے سے کر رکھو۔ یہی ذخیرہ تو کل تمہارے
پاس ہوگا۔ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے۔
"جس دن موجود پائیگا اپنے سامنے ہر شخص جو
کچھ نیکی اس نے کی ہے اور جو کچھ برائی اس نے
کی ہے تو آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس
(برائی) میں دُور کا فرق پڑ جائے اور اللہ
خبردار کرتا ہے تم کو اپنے (مکافات) سے اور
اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر" پس اے
اللہ کے بندو! ڈرو اللہ سے اور عبرت پکڑو
اس سے جو پہلے تم سے گذر چکا ہے اور عمل
(نیک) کرو پھر تم کو لازما اپنے رب کے حضور

جاناہے اور اپنے چھوٹے بڑے سب اعمال کا بدلہ پاتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ مغفرت کرنے وہ بڑا مغفرت کرنے والا رحیم ہے پس اپنی اپنی جانوں کی خیر مناؤ اور اللہ ہی سے مدد چاہو اللہ کے سوا کسی میں کوئی قدرت و طاقت نہیں۔

دیگر پند و نصائح کے علاوہ سامعین کی نفسیات کے اعتبار سے ذاتی و نسبی فخر سے بچنے کے لئے جس میں اہل عرب سب سے زیادہ مبتلا تھے کس مؤثر پیرایہ میں نصیحت کی ہے کہ جس کا خمیر خاک سے ہے اور خاک میں ہی جا ملے گا۔ آج زندہ ہے کل مر جائیگا اس کو فخر و بڑائی کب زیبا ہے۔

صلوٰت وسلام مضمون خطبہ ختم کرنے کے بعد سورۃ الاحزاب کے ساتویں رکوع کی تیسری آیت تلاوت کی اور ان الفاظ میں نبی کریم پر صلوٰۃ وسلام بھیجا[1]:-

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اَفْضَلَ مَا صَلَّيْتَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ۔	یا اللہ اپنے بندے اور اپنے رسول محمد پر (ان کے بے مثال کارنامۂ تبلیغ و رسالت کے لئے) ایسا بیش بہا تحفہ اجر و ثواب و رحمت عطا کیجیو جو اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی نہ عطا کیا ہو۔

پھر یہ دعا مانگ کر خطبہ ختم کیا "یا اللہ ان ہی کے گروہ میں ہمارا حشر کیجیو۔ ان سے ملائیو۔ ان کے حوض پر پہنچائیو۔ اپنی اطاعت پر ہماری دستگیری کیجیو اور دشمنوں پر ہماری مدد فرمائیو:-

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں لم یامر اللہ بالصلاۃ علی معین غیر النبی (یعنی نبی صلعم کے سوائے معین طور سے اور کسی پر صلوٰت بھیجنے کا اللہ نے حکم نہیں دیا) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لا تنبغی الصلاۃ الا علی النبی ولکن یدعی للمسلمین والمسلمات بالاستغفار (لوائح الانوار البہیۃ) سوائے نبی صلعم کے اور کسی پر صلوٰۃ نہیں بھیجنی چاہیے البتہ مسلمان مرد و عورت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں اللّٰھم صل علی محمد معناہ عظمہ فی الدنیا باعلاء ذکرہ واظہار دعوتہ وابقاء شریعتہ وفی الآخرۃ بتضعیف اجرہ ومثوبتہ (النہایۃ

(بقیہ صفحہ ۲۶۴ پر)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس خطبے میں یا دوسرے خطبات میں جو مختلف کتب میں نقل ہیں اللہ اور اس کے رسول کی حمد و نعت کے سوائے کسی دوسرے شخص کا خواہ آپ کے چچا ہوں یا داماد و بیٹی اور نواسے اشارتاً بھی کوئی ذکر ہے۔ اسی طرح دوسرے خلفائے راشدین حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے خطبوں میں جمعہ و عیدین کے ہوں یا دیگر مواقع کے اللہ و رسول کے سوائے مضمون خطبہ میں نہ کسی اور کا ذکر ہوتا تھا اور نہ صلوٰۃ و سلام میں کسی کا نام لیا جاتا تھا اور نہ اللہ جل شانہ کے حکم صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا کے فرمان کی تعمیل میں سوائے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی دوسرے کا نام اس میں شامل کیا جاتا تھا۔

خطبہ میں دعائے خیر کی ابتدا

مورخ ابن خلدون کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خلیفہ وقت حضرت علیؓ کے لئے برسر منبر دعائے خیر کی تھی اس کے بعد سے یہ رواج چل پڑا کہ خطبوں میں خلیفۂ وقت کے لئے دعا کی جاتی تھی۔ ابن خلدون کی عبارت یہ ہے کہ :-

وَاَوَّلُ مَنْ دَعَا لِلْخَلِيْفَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ	اور پہلے شخص خلیفہ کے لئے برسر منبر دعا کرنیوالے

نوٹ بقایا صفحہ ۲۶۳ کا) فی غریب الحدیث والاثر) یعنی نبی صلعم پر صلوٰت بھیجنے سے مراد ہے کہ اس دنیا میں ان کے ذکر کی برتری ان کی دعوت کے اظہار اور بقائے شریعت کے ہونے سے ان کی عظمت اور آخرت میں ان کے اجر و ثواب کی تضعیف۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں سرخسی نے المبسوط میں ابن نجیم نے البحر الرائق میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا تکرار کا مقتضی نہیں۔ دوسرے علمائے حق کا قول ہے کہ اظہار تشہادتین کی طرح ایک مرتبہ بھی صلوٰت بھیجی جائے کافی ہے اور موجب ثواب ہے۔ والآية تدل على ان الصلاة واجبة عليه فى العمر مرة فان مطلق الامر لا يقتضى التكرار (المبسوط سرخسی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیف دل سے درود بھیجنے سے مراد آپ کے انقلاب انگیز کارناموں اور آپ کی تعلیمات کی عظمت کا اس طرح دل پر چھا جانا کہ آپ کی پیروی اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی امنگ و آرزو پیدا ہو۔ نبی پر مومنوں کی صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لائے ہوئے قانون کو تسلیم کرکے اس پر عمل پیرا ہوں کیف دل سے صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی تعمیل کریں۔ تسلیما سے مراد ہے نبی کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات کو عملاً تسلیم کرنا۔

إِبْنُ عَبَّاسٍ دَعَا لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي خُطْبَتِهِ وَهُوَ بِالْبَصْرَةِ عَامِلٌ لَهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَلِيًّا عَلَى الْحَقِّ وَاتَّصَلَ الْعَمَلُ عَلَى ذٰلِكَ فِيْمَا بَعْدُ۔

(مقدمہ ابن خلدون)

ابن عباسؓ ہیں جنھوں نے علیؓ کے لئے اس زمانے میں جب وہ ان کی جانب سے بصرے کے عامل تھے اپنے خطبہ میں دعا کی تھی اور کہا تھا یا اللہ علی کی امر حق پر مدد کیجیو اس کے بعد سے یہ رواج چل پڑا (کہ خلیفہ وقت کے لئے خطبوں میں دعا کی جاتی تھی)

حضرت ابن عباسؓ علوی پارٹی کے ممتاز رکن بھی تھے اور حضرت علیؓ کے قریبی عزیز بھی ان کا اس زمانے میں جب علوی پارٹی اندوھناک خانہ جنگیوں میں مبتلا تھی اپنے قائد اور چچیرے بھائی کے لئے دعائے خیر کرنا قدرتی بات تھی کوئی امر شرعی نہ تھا کیونکہ اس وقت کے سب جھگڑے سیاسی اقتدار کے سلسلے کے تھے بقول محدث دہلوی "مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام (ازالۃ الخفاء صـ ۲۰۲) یعنی حضرت علیؓ کے یہ سارے جدال و قتال طلب خلافت کے لئے تھے نہ برائے اسلام چنانچہ ان کے زمانہ تک بھی جمعہ کے خطبوں میں حمد و نعت و ثنائے رسول اکرم کے سوائے کسی دوسرے کا ذکر یا مدح و ثنا نہ ہوتی تھی حضرت ابن عباسؓ نے بھی امر حق پر مدد کی دعا مانگی تھی مدح و ثنا نہیں کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابوموسیٰ الاشعری نے کہ بصرے کے عامل تھے خلیفہ وقت کے لئے دعائے خیر اور ثنا کی تھی ضبہ بن محصن العنزی تابعی نے فوراً ٹوک دیا تھا[1]

[1] ان تابعی کا احتجاج یہ تھا کہ حضرت عمرؓ ہی کے ساتھی کا جو ان سے افضل تھے کیوں ذکر نہیں کیا جب کئی مرتبہ احتجاج ہوا حضرت ابوموسیٰؓ نے امیرالمومنین کو ان کی شکایت لکھ بھیجی وہاں سے طلبی ہوئی ضبہ بن محصن عنزی نے اصل واقعہ بیان کرتے ہوئے جب حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا نام سنتے ہی حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی (فاندفع عمرؓ باکیا) ضبہ سے فرمانے لگے مجھے معاف کر دو اللہ تمہاری مغفرت کرے۔ واللہ للیلۃ من ابی بکر و یوم خیر من عمر و آل عمر (قسم بخدا ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن عمر اور اس کے سارے کنبے کی زندگی سے بڑھ کر تھا) پھر بیان کیا کہ رات تو وہ تھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین قریش سے بچ کر تشریف لے جا رہے تھے ابوبکرؓ ساتھ تھے کبھی آپ کے آگے چلتے تھے کبھی پیچھے کبھی دائیں کبھی بائیں آپ نے پوچھا ما ھذا یا ابابکر ما اعرف ھذا من فعلک (اے ابوبکر یہ کیا! میں تمہارے اس

(بقایا نوٹ ۲ صفحہ)

غرضیکہ خلفائے اربعہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے زمانہ تک حمد و نعت کے سوا خطبوں میں نہ کسی کا نام لیا جاتا تھا اور نہ مدح و ثنا کی جاتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے بر سر منبر حضرت علیؓ کی مشکلات کے دور ہونے کی جو دعا کی تھی اس کا حال آپ سن چکے۔

ذکر و ثنائے خلفائے اربعہ کی ابتداء

علوی خلافت کے زمانے میں جو افسوسناک مناقشات باہمی ہوئے ان کے نتیجے میں روافض اور خوارج دو سیاسی پارٹیاں بن گئی تھیں جنھیں بعد میں مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ روافض حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ تینوں بزرگوں کی بدگوئی کرتے تھے اور خوارج حضرت عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ کی۔ ان جلیل القدر صحابہ کی بدگوئی کرنا جنھوں نے

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۶۵ کا) فعل کا مقصد نہیں سمجھا) عرض کیا کہ آگے اس غرض سے چلتا ہوں کہ کوئی گھات میں ہو تو پہلے میں ہی اس سے نمٹ لوں اور پیچھے اس لئے کہ تعاقب کرنے والے کے مقابل آؤں اور اسی غرض سے دائیں بائیں چلتا ہوں کہ ان اطراف سے حملہ ہو تو میں ہی سامنا کروں یہ سنکر آپ پنجوں کے بل چلنے لگے کہ نشان قدم کی شناخت نہ ہو سکے اس سے قدم مبارک کی انگلیاں چھل گئیں (حتی حفیت) یہ حال دیکھکر ابوبکرؓ نے اپنے کندھوں پر آپ کو سوار کیا اور غار کے منہ تک لے گئے (حملہ علی عاتقہ اتی بہ فم الغار) وہاں پہنچکر اتارا پہلے خود داخل ہوئے اور جگہ صاف کی اپنا لباس پھاڑ کر سانپوں کے بل اور سوراخ بند کئے ایک باقی رہ گیا تھا اس میں اپنی ایڑی لگا دی آنحضورؐ نے ان کے زانو پر سر مبارک رکھکر استراحت فرمائی۔ سانپ نے ابوبکرؓ کی ایڑی ڈس لی اذیت سے آنسو رخسار پر بہنے لگے۔ آپ بیدار ہوئے اپنے فدائی ساتھی کو اس حال میں دیکھکر رب العالمین سے التجا کی کہ ابوبکرؓ کو جنت میں میرے ہی ساتھ رکھیو وحی آئی آیت نازل ہوئی اور اللہ نے ابوبکرؓ پر طمانیت و سکینہ نازل فرمایا (فانزل اللہ سکینۃ و طمانیۃ علی ابی بکر) یہ ماجرا تو رات کا تھا اور دن وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب میں ارتداد شروع ہوا کچھ لوگ کہتے تھے نماز پڑھ لیں گے زکوٰۃ نہیں دیں گے ابوبکرؓ نے تادیبی کارروائی کا عزم کر لیا ہم لوگ نرمی کے برتاؤ کا مشورہ دیتے تھے فرمایا وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا واللہ اگر اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی بھی نہ دیں گے تو جہاد کروں گا اور ان کی استقامت نے سب حالات درست کر دیئے یہ تھا ان کا ایک دن

اقامت دین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مخلصانہ و سرفروشانہ خدمات جلیلہ انجام دیں اور احکام و شرائع کا معتد بہ حصّہ ان ہی کے ذریعہ امّت کو پہنچا دیں و تشریعت میں موجب فساد کا تھا اس لئے جمعہ کے خطبوں میں ان کا نام بنام ذکر اور ان کے لئے رضائے الٰہی کی دعا کرنا سب و شتم کے سدّ باب کی غرض سے ہی اختیار کیا گیا ورنہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اہل سنّت کے نزدیک خطبوں میں ان بزرگوں کا ذکر فرض نہیں ہے ان اھل السنة لایقولون ان ذکر الخلفاء فی الخطبة فرض (منہاج السنة ج ۴ ص ۱۴۰) بلکہ اسی مصلحت دینی و ملّی کے اعتبار سے مستحب قرار دیا گیا جس کا اظہار شیخ الاسلام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

ان الذین اختاروا ذکر الخلفاء الراشدین علی المنبر یوم الجمعة انما فعلوه تعویضاً عن سب من یسبهم ویقدح فیهم وکان ذلک من الفساد فی الاسلام ما یخفی فاعلنوا بذکرهم والثناء علیهم والدعاء لهم لیکون ذلک حفظاً للاسلام باظهار موالاتهم والثناء علیهم ومنعهم ممن یرید عوراتهم وطعن علیهم وقد صح عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه قال علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة۔ (ایضاً ص ۱۴۰)

جمعہ کے روز جن لوگوں نے خلفائے راشدین کا ذکر بر سر منبر کرنا اختیار کیا تھا انھوں نے ان اشخاص کی بدگوئی کے بدلہ اور توڑ کے لئے یقیناً اختیار کیا تھا جو ان بزرگوں پر سب و شتم اور ان کی قدح کرتے اور یہ فعل ان کا ظاہر ہے کہ اسلام میں موجب فساد کا تھا اس لئے بالاعلان ان بزرگوں کا ذکر کیا گیا ان کی مدح و ثنا اور ان پر دعائے رحمت کی گئی ان سے اظہار محبت ان کی تعریف و توصیف اور ان کے طعن و منقصت کے درپے ہونے والوں کا روکنا اور باز رکھنا یہ سب تحفظ اسلام کی خاطر کیا گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (اے لوگو) اپنے اوپر میری سنّت اور میرے بعد ان خلفاء کی سنت کی پابندی لازم سمجھو جو راشد (ہدایت یافتہ) اور مہدی (ہدایت بخش) ہوں گے تم اسی سے وابستہ رہنا اور اسے خوب مضبوطی سے (اپنے دانتوں سے) پکڑے

	رہنا۔ خبردار (دین میں) نئی باتیں نہ پیدا کرنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

کہا گیا ہے کہ خطبوں میں نام لینے کی ابتدا اموی خلافت کے زمانے سے اس طرح ہوئی کہ تینوں صحابی خلفا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ چوتھے صحابی خلیفہ حضرت معاویہؓ کا ذکر خطبوں میں ہوتا تھا مگر حضرت علیؓ کا نام شامل نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک حضرت موصوف کی خلافت نہ مکمل ہوئی تھی اور نہ مقصد ہی اس کا حاصل ہوا تھا (لم تتم ولم یحصل مقصودھا) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان لوگوں کی دلیل و حجت کو ایک رافضی مصنف کا جواب دیتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

وھذا حجۃ من کان یربع بذکر معاویۃ رضی اللہ عنہ کما کان یفعل ذلک من کان یفعلہ بالاندلس وغیرھا وقالوا: ان معاویۃ رضی اللہ عنہ اتفق المسلمون علیہ بخلاف علی رضی اللہ عنہ۔ (ایضاً ص۱۴۹)	ان لوگوں کی حجت جو حضرت معاویہؓ کا ذکر چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے کرتے تھے حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کرتے تھے اور اسی طرح اندلس وغیرہ میں لوگ ایسا ہی کرتے تھے یہ تھی اور وہ یہ کہتے تھے کہ حضرت معاویہؓ (کی خلافت) پر مسلمان متفق و متحد رہے تھے بخلاف حضرت علیؓ کے کہ ان پر مسلمان متفق نہ ہوئے تھے)۔

یہی صورت حال بلاشبہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی خلافتوں کی بھی تھی کہ مسلمان سب متفق تھے بخلاف حضرت علیؓ کے زمانے کے کتاب منہاج الکرمۃ فی معرفۃ الامامہ کے رافضی مولف کے جواب میں شیخ الاسلام موصوف نے لکھا ہے کہ:۔

ومن المعلوم ان الخلفاء الثلاثۃ اتفق علیھم المسلمون وکان السیف فی زمانھم مسلولا علی الکفار مکفوفاً عن اھل الاسلام واما علی فلم یتفق المسلمون علی مبایعتہ بل وقعت الفتنۃ تلک المدۃ وکان السیف فی تلک المدۃ مکفوفا عن الکفار	سب کو معلوم ہے کہ تینوں خلفا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی خلافتوں پر مسلمان متفق و متحد تھے اور ان کے زمانوں میں تلوار کفار کے مقابلے میں کھنچی ہوئی اور مسلمانوں کے خلاف نیام میں رہی بخلاف علیؓ کے کہ مسلمان ان کی بیعت پر متفق نہ ہوئے بلکہ ان کی کل مدت میں فتنہ برپا رہا اور تلوار اس مدت میں کفار کے مقابلے میں

مسلولاً علی اھل الاسلام۔ (ایضاً ص۱۳۰)	تو نیام میں رہی اور مسلمانوں کے خلاف کھنچی رہی۔

چنانچہ اسی بنا پر کہ حضرت علیؓ کی بیعت تام نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے زمانے میں فتنہ وفساد برابر قایم رہا جس سے مقصد خلافت حاصل نہ ہوا۔ اموی عہد میں ان کا نام خطبوں میں نہیں لیا جاتا تھا۔ ممالک اسلامیہ کے تمام صوبجات حتیٰ کہ اموی خلافت کے خاتمہ کے بعد بھی اندلس اور ملک مغرب میں بھی عرصہ تک یہی دستور رہا۔

کثیر من خطباء السنۃ بالمغرب وغیرھا یذکرون ابابکر و عمر وعثمان ویربعون بذکر معاویۃ ولا یذکرون علیاً قالوا ھؤلاء اتفق المسلمون علیٰ امامتھم دون علیؓ	مغربی ممالک وغیرہ میں اہل سنت کے بہت سے خطیب (خطبات جمعہ میں) حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کا ذکر کرتے اور حضرت معاویہؓ کا ذکر چوتھے خلیفہ کے طور سے کرتے حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کرتے تھے ان لوگوں کا (خطبا اہل سنت کا) قول تھا کہ سوائے حضرت علیؓ کے اور سب خلفاء کی امامت (خلافت) پر مسلمان متفق تھے۔

حضرت علیؓ کا نام خطبوں میں شامل نہ کرنے کے علاوہ ان کی بدگوئی بھی کی جانے لگی تھی اور اکثر بنی امیہ حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں انھیں متہم بھی کرتے تھے۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ابتدائی زمانہ کا جب وہ مدینہ میں تحصیل علم کرتے تھے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جناب عبداللہ بن عتبہؓ کو جو فقہائے مدینہ میں سے تھے اور عمر بن عبدالعزیز ان سے استفادہ کرتے تھے یہ معلوم ہوا کہ ان کے یہ شاگرد بھی حضرت علیؓ کی تنقیص کرتے ہیں انھوں نے اس سے ترش روئی سے پوچھا تمھیں کب سے یہ پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ بدری صحابہ سے ناراض ہے حالانکہ اپنے کلام میں ان سے اپنی رضا اور خوشنودی کا اظہار فرما چکا ہے عمر بن عبدالعزیز فوراً بات کی تہہ کو پہنچ گئے اور تائب ہوئے[1] چنانچہ اس کے بعد سے حضرت علیؓ کا ذکر ہمیشہ اچھائی سے کرتے فما سمع بعد ذلک یذکر علیا الا بخیر (البدایہ ج۹ ص۱۹۳)

---

[1] اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کسی صحابی کی تنقیص برداشت نہ کرتے تھے ایک شخص کو جس نے حضرت معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی کوڑے لگوانے کی سزا دی تھی۔

ان کے زمانے تک بنی امیہ کے بعض اشخاص حضرت علیؓ کی بدگوئی یہ کہکر کیا کرتے تھے کہ وہ تو خلفائے راشدین میں سے تھے ہی نہیں۔

بنی امیہ میں ایسے لوگ تھے جو علی رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ تو خلفائے راشدین میں سے تھے ہی نہیں۔	کان فی بنی امیۃ من یسب علیا رضی اللہ عنہ ویقول لیس ھو من الخلفاء الراشدین۔ (ایضاً ص۱۴۵)

ان ہی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز اموی نبیرہ حضرت مروانؓ نے اس رسم بد کا اپنے زمانہ خلافت میں خاتمہ کر دیا تھا مگر ان کا زمانہ خلافت ہی بہت مختصر رہا صرف دو برس پانچ جینے اور چار دن یعنی صفر ۹۹ھ سے رجب ۱۰۱ھ تک کہتے ہیں کہ انھوں نے دیگر خلفائے راشدین کے ساتھ حضرت علیؓ کا بر سر منبر ذکر کیا اور ان کی ثناء وصفت کی بایں ہمہ اموی عہد میں حضرت معاویہؓ کا ذکر خطبوں سے ترک نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے تیس اکتیس برس بعد ہی اموی خلافت کا خاتمہ ہو کر جب عباسی خلافت قائم ہوئی حضرت علیؓ کا ذکر خلفائے راشدین کے زمرے میں ہونے لگا کیونکہ اپنے ذاتی اوصاف کے اعتبار سے وہ یقیناً خلیفہ راشد ہی تھے اور خلفائے عباسی کے گھرانے بنو عبد المطلب کے ممتاز فرد بھی تھے حضرت معاویہؓ کا نام خطبوں میں جو اموی عہد سے کیا جاتا تھا وہ ترک کر کے حضرت علیؓ کا نام شامل کیا گیا۔

خطبہ عباسیہ منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامہ کے رافضی مولف[۱] نے خطبوں میں خلفاء کے ذکر کو بدعت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ دوسرے

---

[۱] یہ کتاب جس کے مندرجات کے مسکت جوابات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں دیئے ہیں، ساتویں صدی ہجری کے اواخر کی تالیف ہے۔ ہلاکو خاں تاتاری کی اولاد میں، بیدو خاں نے رافضی فقیہ جمال الدین مطہر کی صحبت میں اسلام قبول کیا اور رافضی مسلک کا پیرو ہو گیا۔ اس کی سرپرستی میں نہ صرف یہ کتاب تالیف ہوئی بلکہ اس وقت جب ایران و عراق پر وہ حکمراں تھا اپنی مسلمان رعایا کو بھی رافضی مسلک کا متبع کرنا چاہا اور خطبوں میں سے صحابہ و خلفائے ثلثہ کے اسماء خارج کر کے حضرت علی اور ان کے مخلصین عمار بن یاسر اور ائمہ شیعہ کے نام شامل کرنے کا حکم دیا جمہور مسلمین نے مخالفت کی خطیبوں نے تعمیل حکم سے گریز کیا ابن بطوطہ نے شیراز کے قاضی مجد الدین کا جن سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی یہ واقعہ تفصیلاً بیان کیا ہے کہ بیدو خان نے جس کا اسلامی نام سلطان محمد خدابندہ تھا۔ جب ان کو طلب کیا ان کی ملاقات اور کرامت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ مذہب رفض ترک کر کے مذہب حقہ اختیار کر لیا اور خطبوں میں صحابہ وخلفائے راشدین کے نام بدستور دیئے جاتے رہے۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصورؒ نے اپنی سیاسی مصلحت سے خلفاء کا ذکر خطبوں میں شروع کیا تھا۔ ورنہ ان سے پہلے کسی زمانے میں ان کا ذکر نہیں ہوتا تھا وہ فرماتے ہیں :۔

ذکر الخلفاء فی خطبھم مع انہ بالاجماع لم یکن فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا فی زمن احد من الصحابۃ والتابعین ولا فی زمن بنی امیہ ولا صدر دولۃ العباسیین بل شئ احدثہ المنصور لما وقع بینہ وبین العلویین خلاف فقال واللہ لارغمن انفی وانوفھم وارفع علیھم بنی تیم وعدی و ذکر الصحابۃ فی خطبتہ واستمرت ھذہ البدعۃ الی ھذا الزمان۔

سب ہی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خطبوں میں خلفا کا ذکر نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں کیا گیا نہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی کے زمانے میں اور نہ بنی امیہ اور بنی عباس کی خلافت کے شروع میں بلکہ یہ نئی بات تو (خلیفہ ابو جعفر) المنصور نے اس وقت پیدا کی جب ان کے اور علویوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا تو انھوں نے کہا کہ واللہ میں اپنی اور ان کی (علویوں کی) ناک خاک آلود کردونگا اور بنی تیم (یعنی ابو بکرؓ) اور بنی عدی (یعنی عمرؓ) کو ان پر فوقیت دوں گا چنانچہ اپنے خطبہ میں انھوں نے صحابہ کا ذکر شروع کیا اس وقت سے یہ بدعت اب تک جاری ہے۔

مولف مذکور کے اس غلط قول کی تردید تو اسی بات سے ہو جاتی ہے کہ اپنی اور علویوں کی ناک خاک آلود کرنے کے بجائے امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ نے علویوں کے جد امجد حضرت علیؓ کا نہ صرف ذکر ہی خلفائے راشدین کے زمرے میں کیا بلکہ فضائل بھی ان کے بیان کئے جیسا انھوں نے محمد الارقط بن عبداللہ الحسنی کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔

وابتلی ابوک بالقتال والحرب وکانت بنو امیۃ تلعنہ الکفر فی الصلوۃ المکتوبۃ فاحتججنا لہ وذکرنا ھم فضلہ

اور تمہارے جد (علیؓ) تو لڑائیوں اور جنگوں میں مبتلا ہوئے اور بنو امیہ ان پر نمازوں میں اسی طرح لعنت کرتے تھے جیسے کافروں پر کرتے ہیں پھر ہم نے ہی ان کے فضائل ان پر بیان کئے اور دلائل پیش کئے۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ کا ذکر بھی جن کی بدگوئی خارجی کرتے تھے خلفائے راشدین کے

زمرے میں حضرت علیؓ و شیخین السیدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ قائم رکھکر خلفائے اربعہ کی اسی عہد سے وہ تخصیص و تعیین کی گئی جو آج تک برقرار ہے اور ان ہی عباسی خلیفہ کے عہد سے ہاشمی خاندان کے دو مومن بزرگوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمین مکرمین حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا ذکر بھی خطبہ میں خلفاء اربعہ کے ذکر کے ساتھ شروع ہوا۔ سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ نے ایک موقع پر لکھا تھا :-

''پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں اور خلفائے راشدین کے وقت میں کسی کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا مگر جو محاربات کہ صحابہ میں واقع ہوئے تھے اور ان کے سبب سے باہمی نزاع قایم ہوگئی تھی اور خلفائے راشدین کی نسبت سب و شتم کا رواج ہو چلا تھا اس کے مٹانے کو خطبہ میں خلفائے راشدین اور عمین مکرمین (حمزہؓ و عباسؓ) کے نام لئے جانے کا رواج ہوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ سب کے سب واجب التعظیم و قابل ادب ہیں'' (تہذیب الاخلاق)

حضرت حمزہؓ و حضرت عباسؓ پر تو سب و شتم کا رواج کبھی نہیں ہوا تھا جس کے مٹانے کو بقول سرسیدؒ خلفائے راشدین کے ساتھ ان کا ذکر بھی خطبوں میں کیا جانا ضروری ہوتا بلکہ عباسی خلفاء کے مورث اعلیٰ ہونے کی وجہ سے ان کا اور ان کے مجاہد اور ردفض بھائی حضرت حمزہؓ کا ذکر خطبوں میں شامل کیا گیا۔ عباسی داعیوں نے حصول خلافت کے لئے حضرت عباسؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنہا وارث خلافت کا قرار دے کر ہی تو پروپیگنڈا کیا تھا خلیفہ ابوجعفر المنصورؒ ہی نے محمد الارقط الحسنی کے جواب میں لکھا تھا۔

ولقد علمت انه لم يبق احد من بني عبد المطلب بعد النبي صلى الله عليه وسلم غيره فكان وارثه من عمومته ثم طلب هذا الامر غير واحد من بني هاشم فلم ينله الا ولده

اور یہ تم جانتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے (حضرت عباسؓ کے سوا باقی نہیں رہا تھا بس ان کے چچوں میں سے وہ ہی آپ کے وارث ہوئے اگرچہ بنی ہاشم میں سے اوروں نے اس امر (خلافت) کا دعویٰ کیا مگر ان (عباس) کی اولاد کے سوائے یہ خلافت کسی کو بھی نہ ملی۔

؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث اور ترکے کے شرعی وارث تین تھے۔

(۱) ازواج مطہرات (۲) بیٹی اور (۳) چچا۔ ظاہر ہے کہ وراثت صرف اموال متروکہ سے متعلق تھی، خلافت یعنی اسلامی سیاسی نظام کی سربراہی و سیادت سے اس وراثت کا کوئی تعلق نہ تھا اور نہ اصولاً ہو سکتا تھا خلافت و امامت و قیادت امور مسلمین تو کسی فرد و خاندان کی موروثی جاگیر نہ تھی مگر پروپیگنڈا یہی کیا گیا کہ تین ورثا میں دو بوجہ خواتین ہونے کے مستحق خلافت نہیں اس لئے تیسرے یعنی حضرت عباسؓ تنہا وارث خلافت کے ہوئے اور ان کے بعد ان کی اولاد[۱] بعض مورخ بیان کرتے ہیں کہ پہلے عباسی خلیفہ نے بیعت خلافت

---

[۱] خلفائے عباسیہ کے خلاف اولاد حسینؓ کے منجملہ ۲۷ خروجوں اور بغاوتوں کے جو مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں چوتھی صدی ہجری کے وسط تک ہوتی رہیں امیر المومنین جعفر المتوکل علی اللہ کے عہد تک ان میں سے ۲۴ بغاوتیں ہو چکی تھیں ان حضرات کا دعویٰ استحقاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی اولاد ہونے ہی کا تھا۔ مروان بن ابی الجنوب بن السمط شاعر نے اپنے ایک قصیدے میں ان ہی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:-

مُلکُ الخلیفۃ جعفرٍ	للدین والدنیا سلامہ
خلیفہ جعفر کی حکومت و خلافت	دین اور دنیا کی سلامتی کے لئے ہے
لکم تراث محمدٍ	وبعدلکم تنفی الظلامہ
تمہارے ہی لئے محمد صلعم کی میراث ہے	اور تمہارے انصاف سے ظلم معدوم ہے
یرجو التراث بنو البنا	ت وما لھم فیھا قلامہ
بیٹی کی اولاد بھی میراث کی تمنا رکھتی ہے	مگر اس میں ان کو تو ذرہ بھر بھی حصہ نہیں
فالصھر لیس بوارث	والبنت لا ترث الامامہ
داماد تو شرعی وارث نہیں ہوتا	اور بیٹی ورثہ میں امامت (خلافت) نہیں پاتی
ما للذین تنحلوا	میراثکم الا الندامہ
جو لوگ تمہاری میراث کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں	ان کو سوائے ندامت اور کچھ ملنے سے رہا

دوسری جانب طرفداران بنی فاطمہ نے جو حدیثیں وضع کیں ان میں ایک حدیث میں یہ الفاظ آنحضرت صلعم سے منسوب کرکے ہم اولاد عبد المطلب جنت کے سردار ہیں پھر جو فہرست اولاد عبد المطلب کے سرداران جنت کی بیان کرائی ہے اس میں حضرت عقیل برادر علیؓ کا نام شاید اس لئے شامل نہیں کہ صفین میں وہ اپنے بھائی کے خلاف حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت عباسؓ کا نام شامل نہ ہونے کے بارے میں سرسیدؒ نے یہ ریمارک دیا ہے "اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباسؓ کا نام اولاد عبد المطلب سے چھوڑ دیا تاکہ بنی عباس کے دعوے خلافت کو تقویت نہ پہنچے حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ اور طرفداران بنی عباس دونوں اکثر شیعہ تھے مگر جو جس کا طرفدار تھا اس کے مفید کام کرتا تھا" تہذیب الاخلاق

جو نے ہی جو خطبہ کوفہ کے منبر سے دیا تھا بھران کے چچا داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے تقریر کی تھی جس میں آیت تطہیر و آیت مودۃ فی القربیٰ و دیگر اصطلاحات آل محمد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے خلافت پر اپنا حق و استحقاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث قرار دیا تھا اور یہاں تک کہا تھا اعلموا ان ھذا الامر فینا لیس بخارج عنا حتیٰ نسلمہ الیٰ عیسیٰ بن مریم (البدایۃ ج ۱۰ ص۴۲) یعنی سامعین سے کہا تھا کہ تم لوگ یہ بات جان رکھو کہ امر (خلافت) ہم ہی میں ہے ہم سے باہر کسی میں نہیں یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم کو اسے ہم سپرد کریں بالفاظ دیگر مسلمانوں کے سیاسی نظام کی سیادت و سربراہی کا حق تاقیام قیامت آل عباس ہی کا تھا گویا دنیا کا کوئی مسلمان خواہ کیسا ہی عالی دماغ، بیدار مغز، مدبر مؤرع اور متقی ہوتا اس کا حق نہ رکھتا تھا۔ اہل کوفہ کے ساتھ سلوک نیک کی ضمانت دیتے ہوئے اللہ و رسول کے ساتھ حضرت عباسؓ کا نام لیکر کہا تھا فلکم علینا ذمۃ اللہ ذمۃ رسولہ و ذمۃ العباس۔ غرضیکہ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وارث خلافت قرار دے کر یہ موروثی خلافت جب قایم کی گئی۔ سیاسی حالات مقتضی اس کے ہوئے کہ ان کا اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حمزہؓ کا ذکر خطبات جمعہ میں خلفائے اربعہ کے ذکر کے ساتھ کیا جائے اس وجہ سے نہیں کہ ان بزرگوں پر سب وشتم جیسا سرسید احمد خانؒ نے غلطی سے لکھدیا ہے مٹانے کے لئے کیونکہ نہ روافض و خوارج نے کبھی عمین مکرمین کی بدگوئی کی تھی اور نہ نواصب وغیرہ نے بلکہ بزرگان خاندان ہونے کی بنا پر ان کا ذکر اور دعائے مغفرت خطبات میں کی جانے لگی۔ حضرت حمزہؓ کو رسول اللہؐ نے خیر الشہداء اور سید الشہداء فرمایا تھا اسد اللہ و اسد رسولہ کہلائے خطبات میں ان ہی القاب سے ان کا نام لیا جاتا تھا اور آج تک بھی لیا جاتا ہے مگر ان سے کوئی نسل نہیں چلی شاید یہی سبب ہو کہ خاص ان کے مناقب کی وضعی حدیثیں اور روایتیں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت عباسؓ کے مناقب میں البتہ متعدد روایتیں اور حدیثیں وضع ہوئیں وہ رسول اللہ صلعم کے چچوں میں تنہا چچا تھے جو آپکے وقت وفات موجود تھے۔ اور تیس برس بعد تک زندہ رہے ان کی زوجہ سیدہ ام الفضلؓ دوسری خاتون تھیں جو ام المومنین خدیجہؓ کے بعد اسلام لائیں حضرت عباسؓ نے اپنے اسلام لانے کا اظہار اگرچہ بہت دیر میں کیا مگر شروع ہی سے آنحضرت کے ہمدرد رہے۔ آپ کو بھی اپنے چچا کی خیر خواہی اور ہمدردی کا ایسا یقین تھا کہ مدینہ سے انشی

اشخاص نے جب مکہ آکر عقبہ مقام پر رات کے وقت آپ سے بیعت کی اور مدینہ کو ہجرت کی دعوت دی تھی اس موقع پر آپ اپنے ان ہی چچا کو ساتھ لے گئے تھے اور انھوں نے ہی اہل مدینہ سے پختہ عہد و فاداری کا لیا تھا ابن سعد نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

لیس معہ من الناس غیرہ وکان یثق بہ فی امرہ کلہ (طبقات ابن سعد)	آنحضرتؐ کے ساتھ (خاندان کے) لوگوں میں اُن کے (حضرت عباس کے) سوائے اور کوئی نہ تھا اور آنحضرت صلعم تمام امور میں ان پر بھروسہ رکھتے تھے۔

چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

ایّدت تلک اللیلۃ بعمی العباس وکان یاخذ القوم ویعطیھم۔	میں نے اس رات (عقبہ ثانیہ) میں اپنے چچا عباسؓ سے قوت حاصل کی وہی ان لوگوں سے معاہدہ کرتے اور معاہدہ دیتے۔

اہل یثرب جب بلند آواز سے گفتگو کرنے لگے حضرت عباسؓ ان کو یہ کہکر متنبہ کیا تھا۔ فان علیکم المشرکین عینا کیونکہ تم لوگوں پر مشرکین کے جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ ایک مشرک کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتے واقعات کی مجبوری سے اظہار اسلام کا دیر میں کیا۔

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکرم العباس بعد اسلامہ و یعظمہ ویجلہ ویقول ھذا عمی وضوابی۔ (الاستعاب)	آنحضرت صلعم حضرت عباسؓ کا اکرام کرتے اور ان کے اسلام لانے کے بعد ان کی تعظیم و توقیر کرتے اور فرماتے یہ میرے چچا ہیں اور میرے والد کی مثل ہیں۔

صحابہ کرام بھی نبی صلعم کی پیروی میں حضرت عباسؓ کی تعظیم و تکریم کرتے اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے ان کی رائے پر عمل کرتے۔

وکانت الصحابۃ تکرمہ وتعظمہ وتقدمہ وتشاورہ و تاخذ برأیہ (تہذیب الاسماء ۶)	صحابہؓ ان کی (حضرت عباس کی) تکریم تعظیم کرتے اور سب امور میں ان کو مقدم رکھتے ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے۔

خود حضرت عمرؓ نے اس وقت کہ نماز استسقاء میں حضرت عباسؓ کے توسل سے دعا مانگی تھی لوگوں سے کہا تھا۔

ایھا الناس! ان رسول صلی اللہ صلی علیہ وسلم کان یری العباس مایری الولد لوالدہ یعظمہ یفخمہ ویبر قسمہ فاقتدوا ایھا الناس الرسول اللہ فی عمہ العباس (کنز العمال)	اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کو اپنے والد کی جگہ جانتے تھے اور اسی طرح ان کی تعظیم اور تکریم کرتے تھے ان کی قسموں کو پورا کرتے تھے لوگو! پیروی کرو رسول اللہ کی ان کے چچا عباسؓ کی تعظیم و تکریم میں۔

طرفداران بنی عباس نے حضرت عباسؓ کے بارے میں مندرجہ بالا صحیح حالات و واقعات کے علاوہ بعض مبالغہ آمیز وضعی روایتیں اور حدیثیں گھڑ ڈالیں مثلاً ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب رسول اللہ سے شکایت کی کہ قریش آپس میں بات چیت کرتے ہیں تو خوشی خوشی کرتے ہیں جب ہم سے ملاقات ہوتی ہے تو کبیدگی سے ملتے ہیں روایت میں کہا گیا ہے کہ یہ سنکر آنحضرت کو غصہ آیا۔

فغضب رسول اللہ حتی احمر وجھہ ثم قال والذی نفسی بیدہ لایدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم اللہ ورسولہ ثم قال یاایھا الناس من اذی عمی فقد اذانی فانما عم الرجل صنو ابیہ۔ (نسائی نور الابصار ص۱۰۲)	پس رسول اللہؐ کو ایسا جلال آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے نہ داخل ہوگا ایمان کسی کے دل میں یہاں تک کہ بواسطہ خدا و رسول خدا تم سے محبت نہ رکھے فرمایا اے لوگو! جس شخص نے میرے چچا کو تکلیف دی تو اس نے مجھے تکلیف دی کیونکہ ہر آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔

کسی نبی و رسول کے رشتہ دار سے محبت کرنے نہ کرنے کا ایمان و ایقان سے کیا واسطہ!

ترمذی و صواعق المحرقہ و دیگر کتب میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ یکشنبہ کے دن صبح کے وقت اپنی اولاد کو میرے پاس

لاناتاکہ میں تمھارے لیئے دعاء کردوں جوتم کو اور تمہاری اولاد کو نفع دے پھر اس دن صبح کے وقت ہم سب پہنچے رسول اللہ نے ہم کو اپنی چادر اڑھائی اور پھر یہ دعار مانگی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَ وَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَّا تُغَادِرُ ذَنْباً اَللّٰھُمَّ احْفِظْ فِی وَلَدِہٖ ۔	اے اللہ عباس کی مغفرت کر اور ان کی اولاد کی ایسی مغفرت کر کہ ظاہر و باطن کے گناہ صاف ہو جائیں اور کوئی گناہ بخشش سے نہ چھوٹے اے اللہ عباس کو ان کی اولاد میں قائم رکھ۔

بعض روایتوں میں یہ جملہ بھی ہے کہ واجعل الخلافۃ فیھم (اور خلافت بھی ان میں ہو)

مندرجہ بالا دعائے مغفرت کا آخری جملہ حذف کر کے خطبہ عباسیہ میں یہ دعا پڑھی جاتی تھی اور اسی کے ساتھ خلیفہ وقت کے لیئے جس کے ہاتھ میں بقول ابن خلدون اللہ تعالیٰ نے مصالح عامہ کا اختیار دیدیا تھا دعائے خیر کی جاتی تھی کیونکہ بوقت نماز قبولیت دعا کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ خطبہ عباسیہ جس میں خلفائے راشدین اور عمین مکرمین کا ذکر ہوتا اور ان ہی کے لیئے رضائے الٰہی کی دعار کی جاتی تھی تقریباً سوا پانسو برس خلافتِ بغداد کے عہد میں اور تین سو برس عباسی خلفائے مصر کی مذہبی پیشوایت کے زمانے میں گویا سوا آٹھ سو برس تک تمام عالمِ اسلام میں پڑھا جاتا تھا۔ آخری خلیفہ عباسی (مصر) المتوکل علی اللہ سوئم نے ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء میں سلطان سلیم خان اول کو جس نے شام و مصر پر قبضہ کر لیا تھا تمام حقوق و امتیازات خلافت سپرد کر دیئے اس کے بعد بھی مختلف اسلامی ممالک میں خطبہ عباسیہ ہی کا رواج برقرار رہا بقول ابن خلدون اس کو خطبہ عباسیہ اس لئے کہتے تھے کَانَ الدُّعَاءُ عَلَی الْاِجْمَالِ اِنَّمَا یَتَنَاوَلُ الْعَبَّاسِیَّ تَقْلِیْداً فِی ذٰلِکَ لِمَا سَلَفَ مِنَ الْاَمْرِ وَلَا یَحْفِلُوْنَ بِمَا وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنْ تَعْیِیْنِہٖ وَالتَّصْرِیْحِ بِاِسْمِہٖ (مقدمہ ابن خلدون) یعنی کیونکہ دعار سابق میں بالاجمال خلفائے عباسی ہی کے حق میں کی جاتی تھی اور بلا تخصیص و تعین نام خطبوں میں انھیں کی خیر طلبی کی جاتی تھی اور یہ سب سلف کی تقلید میں ہوتا تھا۔ خلفائے اربعہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور حمزہؓ و عباسؓ ان چھ اصحاب کے سوائے نہ کسی اور کا ذکر کیا جاتا تھا اور نہ نام لیا جاتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلافت کو جب ضعف لاحق ہوا عبیدیوں کے ارمنی قائد جوہر نے مصر کے عباسی عامل کو شکست دیکر اپنا تسلط کر لیا اور خطبہ عباسیہ کے بجائے عبیدیوں کا خطبہ رائج کیا قطع خطبة بنی العباس وذکر فی خطبته الائمة الاثنی عشر (البدایة ج ۱۱ ص ۲۷۱) سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانہ سے پھر خطبہ عباسیہ مصر میں رائج ہوا۔ شیعہ امرا الامراء بنی بویہ نے اپنے دست میں کچھ شیعہ خطیب بغداد میں مقرر کئے تھے جو خطبوں میں صرف حضرت علیؓ اور ائمہ شیعہ ہی کا ذکر کرتے اس سے پیشتر ایسا کہیں نہیں ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے رافضی مولف کے جواب میں ایک موقع پر لکھا تھا۔

الاقتصار علی علی وحدہ او ذکر الاثنی عشر ھو بدعة المنکرة التی لم یفعلھا احد لا من الصحابة ولا من التابعین ولا من بنی امیة ولا من بنی العباس۔ (منہاج السنة ج ۲ ص ۱۴۸)	تنہا حضرت علیؓ اور دوازدہ کے ذکر پر (خطبوں میں) اقتصار کرنا تو مکروہ بدعت ہے جس کا ارتکاب کسی نے بھی نہیں کیا نہ صحابہ میں سے کسی نے نہ تابعین و بنی امیہ و بنی عباس میں سے کسی نے۔

بغداد میں تو اس بدعت کا جلد ہی خاتمہ ہو گیا۔ امیر المومنین القادر باللہؒ نے جو بڑے عالم اور دیندار خلیفہ تھے علماء و فضلاء و قضاۃ کا اجتماع کیا فضائل شیخین بیان کئے اہل بدعت سے توبہ کرائی شیعہ خطیبوں کو برطرف کر کے سنی خطیب مقرر کئے۔

وعزل خطباء الشیعة وولی خطباء السنة (البدایة ج ۱۲ ص ۲۶)	شیعہ خطیبوں کو معزول کر دیا اور سنی خطیبوں کا تقرر کیا۔

معزالدولہ و عضدالدولہ شیعی امیر الامراء نے فروغ شیعیت کے جو کام اپنے زمانہ اقتدار میں کئے تھے ان کا ذکر پچھلے اوراق میں آ چکا ہے۔ مصباح الظلم کے مولف نے معزالدولہ کو غلط فہمی سے یا تقیہ کی بنا پر عباسی خلیفہ قرار دیکر لکھا ہے کہ ماتم حسین و عید غدیر کی ابتدا اسی نے کرائی تھی اور یہ کہ:۔

مساجد بغداد کے دروں پر معاویہ و غاصب فدک و مانع دفن امام حسنؑ اور خارج کنندہ ابوذر کے ناموں سے سب

ولعن لکھدے رات کو کسی شخص نے ایسے لکھے ہوئے کو مٹا
دیا خلیفہ وقت معزوالدولہ (؟) نے چاہا کہ پھر ان کلمات کو
لکھوادیں مگر وزیر خلیفہ نے صلاح نہ دی (ص ۳۰۲)

لیکن معزوالدولہ تو کسی عباسی کا لقب نہ تھا۔ یہ لقب تو خود عباسی خلیفہ نے احمد بن بویہ کو امیرالامرا مقرر کرتے وقت عطا کیا تھا۔ مولف مذکور نے مزید لکھا ہے کہ :۔

اپنے عہد میں بڑے تزک اور تجمل کے ساتھ معزو باللہ
عباسی (؟) نے خطیب کو حکم دیا کہ خطبوں میں درود حضرت
محمدؐ و علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ اور اس کے آبا پر پڑھیں (ایضاً)

معزباللہ بھی کسی عباسی خلیفہ کا لقب نہ تھا المعتزباللہ عباسیؒ البتہ خلیفہ تھے مگر ان کا زمانہ معز الدولہ کے زمانہ امیرالامرائی سے تقریباً ایک صدی پہلے کا تھا خلیفہ المعتضد باللہ کا عہد بھی ۔۔ الدولہ کے وقت سے کوئی ستّر برس قبل کا تھا انھوں نے اکابرین بنی امیہ پر سب ولعن ۔۔۔ ت جاری کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر قاضی یوسف بن یعقوب کے منع کرنے اور سمجھانے سے ترک کر دیا تھا مورخ طبری نے اس فرمان کی پوری نقل درج کی ہے اس میں دو جگہ اس بات کا اظہار ہے کہ ہم ہی تو وارث رسول اللہ صلعم کے ہیں نحن ورثۃ رسول اللہ والقائمون بدین اللہ نیز لکھا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر جس نے امیرالمومنین اور ان کے اسلاف کو جو

"ائمۃ الراشدین المھتدین ورثۃ خاتم النبیین و
سیّد المرسلین والقائمین بالدین والمقوّمین و
لعبادہ المومنین والمستحفظین ودائع الحکومۃ
مواریث النبوۃ، المستخلفین فی الامۃ"

ہیں فائز المرام کیا حضرت حسینؓ کو جن کی اولاد کے لوگ اس زمانہ میں مسلسل خروج اور بغاوتیں ان کے خلاف کر رہے تھے خطبات کے درود میں کیوں شامل کیا جاتا۔ آل محمدؐ کے الفاظ تو اسی عباسی عہد سے درود میں شامل ہوئے تھے اولاد آل محمدؐ میں بلا استثنا سب ہی بنی ہاشم داخل ہیں۔ سرسید احمد خاںؒ جو نسباً بنی فاطمہ تھے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :۔

جیسا کہ بنی فاطمہ خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے بنی عباس بھی کچھ کم خواستگار خلافت کے نہ تھے کیونکہ وہ بھی ہاشمی تھے اور تمام بنی ہاشم اپنے تئیں آل محمدؐ یعنی آنحضرت صلعم کا کنبہ سمجھتے تھے.....

ابومسلم (عباسیوں کے ایجنٹ) نے "نقیب آل محمدؐ" اپنا لقب اختیار کیا کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے (تہذیب الاخلاق)

عربی زبان کا لفظ آل۔ اہل و عیال وکنبہ و رفقا نیز متبعین اور پیرووں سب ہی معنی میں مستعمل ہے۔ کسی شخص کے خاندانی اور خانگی امور کی جہاں بات ہو آل سے مراد اہل و عیال و کنبہ سے ہوگی اور جہاں دین و مذہب کی گفتگو ہو متبع اور پیرو مراد ہوں گے۔ آل ابراہیم و آل عمران کی تفسیر میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے وضاحت سے بتایا ہے کہ مراد ان کے متبعین اور پیرؤوں سے ہے جیسے آل محمد سے مراد پیروانِ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے (جامع البیان والدر المنثور فی تفسیر بالماثور نیز تیسیر الوصول ابن الدبیع) مگر حصول اقتدار کے لئے ہاشمیوں کی ان دونوں شاخوں یعنی بنی عباس اور بنی فاطمہ کے طرفداروں نے اپنے اپنے فریق کی قرابت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار میں آل محمدؐ ہی کی اصطلاح استعمال کی تھی بنی عباس کے یہ سب ایجنٹ جن کی تعداد سترّ بیان کی گئی ہے نقیب آل محمدؐ ہی کہلاتے تھے اس لئے عباسی خلافت قایم ہونے کے بعد ہی سے درود خطبات میں آل محمدؐ کا شمول کیا گیا۔ مسلم شریف کی شرح میں النووی نے جو خود شافعی عالم تھے بدری صحابہ حضرت ابومسعود انصاریؓ کی یہ حدیث درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا تھا کہ صلوٰۃ آپ پر ہم کیسے کہیں آپ نے فرمایا کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ۔ اس میں آل محمدؐ کا شمول نہیں تھا چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک درود بس اسی قدر ہے اور آل محمدؐ کا اس میں شمول کوئی چیز نہیں لیس بشئ اور ظاہر ہے کہ فرمان الٰہی صَلُّوا علیہ وسلِّموا کے اعتبار سے ہی سلامٌ علیہ پر صلوٰۃ والسلام کہتے وقت اور کسی کا نام کیوں لیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کا یہی معمول رہا۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے خطبے کے الفاظ صلوٰۃ والسلام میں جو دوسری جگہ درج ہیں آل محمدؐ کا ذکر نہیں اور نہ تشہد (التحیات) کے درود میں صحابہ کرام آل محمدؐ کو شامل کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ

کا تشہد درج ہے جسے امام ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا اور عام طور سے مروّج ہے الموطا امام مالکؒ میں حضرت عمرؓ ابن عمرؓ و ام المومنین عائشہؓ کے تشہد ہیں امام شافعیؒ کی کتاب الام میں حضرت ابن عباسؓ کا نیز کتب حدیث میں دیگر صحابہ ابو ہریرہؓ و ابو موسیٰؓ و ابن زبیرؓ وغیرہم کے تشہد ہیں ابتدائی الفاظ میں قدرے فرق ہے ورنہ سب عبارت یکساں ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ تشہد پڑھتے تھے۔

اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ۞ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۞

حضرت ابن عباسؓ تو اہل البیت و آل محمدی کے ایک ممتاز فرد تھے مگر تشہد کے درود میں آل محمد کو انھوں نے شامل نہیں کیا۔ زمخشری نے الکشاف میں نیز ابن الحدید شارح نہج البلاغہ نے ابراہیم النخعی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام تشہد کے درود میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ہی پڑھنے پر اکتفا کرتے تھے تشہد پڑھنے کے بعد چاہتے تو کوئی دعا پڑھ لیتے مروجہ درود کا جس میں آل محمد کا شمول ہے اس وقت رواج نہ تھا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری باب تشہد فی الآخرہ (صفحہ ۲۵۳ مطبوعہ مطبع انصاری) میں ابن حجر نے سلام علی النبی کی روایتیں درج کرنے کے بعد باسناد صحیحہ یہ روایت درج کی ہے کہ۔

اِنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا مَاتَ قَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حیات تھے صحابہ (التحیات پڑھتے وقت) السلام علیک ایھا النبی (اے نبی آپ پر سلام ہو) کہتے تھے جب آپ کی وفات ہوگئی تو کہتے تھے السلام علی النبی (نبی پر سلام ہو)

---

[1] سب جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس دن وفات ہوئی آپ ہی کے رفیق غار و جاں نثار حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور جو علم و فضل میں سب ہی صحابہ سے بلند و برتر تھے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ جملے آپ کی وفات کے بارے میں کہے تھے:-

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۲ پر دیکھیے)

غرضیکہ درود میں خواہ تشہد کا ہو یا عام درود آل محمدؐ کا شمول عہد صحابہ میں ثابت نہیں مزید تفصیل کتاب "اہل بیت و آل محمدؐ" میں ملاحظہ ہو۔ یہاں تو بیان اس بات کا مقصود ہے کہ خطبۂ عباسیہ میں آل محمدؐ کے شمول سے یہ درود پڑھا جاتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۸۱ کا) "جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا وہ سن لے کہ بے شبہ محمد (صلعم) کی موت واقع ہو گئی مگر ہاں جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے تو بیشک اللہ زندہ ہے اور اس کے لئے موت نہیں"

یہ کہکر قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کیں ہے۔ (۱) اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (اے محمدؐ تم کو بھی موت آنی ہے اور بیشک وہ بھی مرنے والے ہیں (۲) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (الیٰ آخرہ) یعنی اور محمدؐ نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے بھی اور رسول گذر چکے ہیں پس اگر ان کی موت آجائے یا وہ قتل کر دئے جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بل پیچھے لوٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا۔" غرضیکہ صحابہ جو آپ کی وفات کے بعد التحیات پڑھتے وقت اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِیِّ کہتے تھے اور شرک کے ادنیٰ ادنیٰ شائبہ سے بھی اپنے کو بچاتے انھوں نے اپنے کانوں سے خود آپ ہی کا یہ ارشاد سنا تھا جو امام بخاری نے درج کیا ہے آپ نے فرمایا۔

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم فانما انا عبدٌ فقولوا عبد اللہ ورسولہٗ	مجھے اس طرح نہ بڑھانا چڑھانا جس طرح عیسیٰ بن مریم کو عیسائیوں نے بڑھایا چڑھایا ہے میں تو صرف ایک بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کتاب الوسیلہ میں لکھا ہے کہ ایک بدو نے جب نبی صلعم سے کہا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ (جو اللہ چاہے اور تم چاہو) آپ نے یہ سنکر فرمایا اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ بَلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ (کیا تو مجھے اللہ کا برابری بناتا ہے بلکہ یہ کہہ جو تنہا خدا چاہے) یا اللہ کے ساتھ یا محمدؐ کہنا اور طغروں میں لکھنا کھلا ہوا شرک ہے اور شرک وہ گناہ ہے جو کبھی معاف نہ ہو گا اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ (خدا نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

عَلٰی نَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ پھراُن کے ساتھ اصحاب ملا کر آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ پڑھا جانے لگا اور خطیب خطبہ ختم کرنے سے پہلے خلیفہ وقت کے لئے دعائے خیر کرتے مدح وثنا کے الفاظ کہتے غرضیکہ خطبہ عباسیہ میں چاروں خلفائے راشدین ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ دونوں عمین مکرمین حمزہؓ وعباسؓ کا ذکر ہوتا اور حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی دعائے مغفرت کی جاتی صلوٰۃ علی النبی میں آل محمدؐ واصحاب محمدؐ کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں ہوتا تھا نہ حسینؓ کا نہ ان کی والدہ ماجدہ کا۔

تصانیف خطبات ابتدائی دو ڈھائی صدیوں تک عالم اسلامی میں لکھے ہوئے خطبے پڑھنے کا رواج نہیں ہوا تھا بنی اُمیہ کی خلافت میں اور بنی عباس کے ابتدائی دور حکمرانی میں خلیفہ وقت نماز میں خود امامت کرتے برجستہ خطبہ دیتے۔ صاحب العقد الفرید نے خلفائے عباسی[1] کے متعدد خطبات جمعہ درج کئے ہیں بعد میں خلافت کی

---

[1] صاحب العقد الفرید نے امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ کے ایک خطبہ جمعہ کے بارے میں جو مکہ معظمہ میں دیا تھا یہ واقعہ لکھا ہے کہ حمد وثنا کے بعد خطبہ شروع کرتے ہی جب یہ الفاظ بھی کہے ایُّھَا النَّاس! اتقوا اللّٰہ (اے لوگو! خدا سے ڈرو) سامعین میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اُذکرک من ذکرتنا بہ یا امیر المومنین! (اے امیر المومنین! میں بھی تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں) خلیفہ ابو جعفر المنصور نے فرمایا۔

سمعا سمعا لمن فھم عن اللّٰہ وذکر بہ	بہت اچھا ہم سنتے ہیں اس کی بات جو اللہ کی
واعوذ باللّٰہ ان اذکر بہ وانسا ہ	بات سمجھے اور یاد دلائے میں پناہ مانگتا ہوں
فتاخذنی العزۃ بالاثم لقد ضللت	اس سے کہ دوسروں کو اللہ کی یاد دلاؤں اور
اذاً وما انا من المھتدین۔	خود بھول جاؤں جو مجھے گناہ پر گھمنڈ لاحق ہو تو گمراہ ہو گیا اور راہ راست سے بھٹک گیا۔

یہ کہکر اس شخص سے مخاطب ہوئے اور پوچھا تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو جب وہ کچھ نہ کہہ سکا تو فرمایا شاید اس بات سے مقصد تمہارا یہ تھا کہ دنیا میں چرچا ہو کہ فلاں شخص کھڑا ہوا اور ٹوکا اور سزا ملی مگر سزا تو اس بات سے بیچ ہے لے لوگو تمہیں اس کی بہن سے (غالباً نصیحت) سے ڈراتا ہوں۔ موعظت ہم پر نازل ہوتی ہم سے جاری ہوتی ہے اس گفتگو کے بعد مضمون خطبہ پھر شروع کیا۔ یہ واقعہ خطبہ جمعہ کا اور دوسری صدی ہجری کے شروع کا تھا اور ایسے خلیفہ کا تھا جن کا مرتبہ بقول ابن خلدون علم میں اور فضیلت میں اپنے زمانے میں سب سے بلند تھا انھوں نے خطبہ روک کر سائل کو جواب دیا پھر خطبہ دیا۔

ہیں بعد میں خلافت کی جانب سے اس منصب پر مستند اور فصیح البیان عالم ہر ہر مقام پر مقرر کئے جاتے تھے جن کو یہ قدرت اور قابلیت حاصل ہوتی کہ فی البدیہہ اور برجستہ خطبہ دے سکیں رفتہ رفتہ لوگ خطبہ کا مضمون تصنیف کرنے لگے قدیم ترین شخص جن کا ذکر خطبات کے مصنف کی حیثیت سے ملتا ہے ابن نباتہ تھے یعنی خطیب ابی یحییٰ عبدالرحیم بن محمد بن اسمٰعیل بن نباتہ القرشی الاموی الفارقی متوفی ۳۷۴ھ[1] نسباً بنی امیہ سے تھے اور علاقہ حلب کے مقام میا فارقین کے باشندے ہونے کی وجہ سے الفارقی کہلاتے تھے۔ ابتدائی زمانے میں قیام بغداد میں رہا۔ بڑے ادیب تھے فصحاء البلغاء میں ان کا شمار ہے۔ مشہور شیعہ برادران شریف الرضی و شریف المرتضیٰ دونوں اپنے ابتدائے عمر میں ان کے شاگرد تھے۔ آخر میں اپنے وطن میں قیام رہا جہاں بنو حمدان کی حکومت تھی جو بقول علامہ ابن کثیر رافضی تھے وکان هولاء الملوك (بنو حمدان) رفضة (البدایہ ج) ان میں سیف الدولہ بن حمدان بیدا بغز دریا دل حکمران تھا۔ ابن نباتہ اس کے متوسلین میں شامل ہوئے سیف الدولہ کو عیسائی طاقتوں سے برسر پیکار ہونا پڑتا تھا۔ خطیب مذکور نے بہت سے خطبے تحریص و ترغیب جہاد کے لئے تصنیف کئے جو ان کے مجموعہ خطب کا معتد بہ حصہ ہے۔ اس کے علاوہ دوازدہ ماہی خطبے جمعہ بھی تصنیف کئے اور ادبی قابلیت کے جوہر دکھائے سامعین کو مخاطب کرنے لئے مَعَاشِرَ الحَاضِرِين (اے جماعت حاضرین) وغیرہ الفاظ درج کئے ہیں خطبہ ثانیہ میں حضرات حسنینؓ اور ان کی والدہ معظمہ کے ذکر میں جس کی ابتدا انھوں نے کی تھی باوجود شیعہ ماحول کے صرف ان الفاظ پر اکتفا کیا ہے :-

اَلسَّيِّدَينِ اَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ وَاَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ وَعَلٰى اُمِّهِمَا فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ

خطبہ عباسیہ میں حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی مغفرت کی جو دعا پڑھی جاتی تھی وہ حذف کر کے عمین مکرمین کے ذکر میں یہ الفاظ درج کئے جو شاید انہی کے خطبہ سے متاخرین نے بھی اخذ کر لئے۔

---

[1] ابن نباتہ کے خطبات کی چھٹی صدی ہجری میں متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں ان کے مجموعہ خطب کا ایک پرانا نسخہ محبی علامہ عبدالعزیز میمن (کراچی) کے ذاتی و نادر کتب خانہ میں موجود ہے جسے دیکھنے کا راقم الحروف کو علامہ موصوف کی مہربانی سے موقع ملا تھا۔

عَمَّيْهِ الْمُعَظَّمِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَالنَّاسِ الْمُطَهَّرِيْنَ مِنَ الدَّنَسِ وَالْاَرْجَاسِ اَبِیْ عُمَارَۃَ الْحَمْزَۃِ وَاَبِی الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ

خلافت عباسیہ کے دم توڑنے کے زمانہ ہی سے ابن نباتہ کے مصنفہ خطبات ملک شام کے علاوہ حجاز میں بھی مروج ہوئے حجاز میں حسنی شرفا کے مکی حکومت تھی۔ ابن بطوطہ نے سفر مکہ کے حالات کے ضمن میں نماز جمعہ کی کیفیت بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ خطیب سیاہ عمامہ اور سیاہ لباس زیب تن کئے اس طرح آتے کہ دو موذن اُن کے ساتھ ہوتے سیاہ جھنڈے لئے ہر دو بابِ کھڑے رہتے خطبے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھتے جس میں ال محمد کا شمول ہوتا پھر چاروں خلفا کے اور جملہ صحابہ کے اور رسول اللہ صلعم کے دونوں چچا کے دونوں نواسے اور ایک صاحبزادی فاطمہ اور ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ کے نام لیتے اور رضائے الٰہی کی دعا کرتے ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ مبالغہ آمیز مدح سرائی کا تصور بھی اس زمانے کے لوگوں کو نہ تھا۔

ہندوستان میں بھی اسی کی تقلید کی گئی۔ لکھنؤ (فرنگی محل) کے مولانا عبدالحی کے مجموعہ خطب میں تو ایسے خطبے بھی شامل ہیں جن میں واقعہ کربلا ہی کا مجملاً بیان ہے کربلا نام کو شیعی لٹریچر کے انداز پر "کرب و بلا" لکھکر شیعہ ذاکر کی طرح گویا فرما رہا ہے کہ جو روئے یا رولائے یا رونے کی صورت بنائے تو ثواب عظمیٰ پائے چنانچہ لکھا ہے۔ فَمَنْ ذَکَرَ هٰذِهٖ الْمُصِیْبَةَ الْعُظْمٰی وَاسْتَرْجَعَ فَازَا بِالْمَرْتَبَةِ الْعُظْمٰی وَعُدَّ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔

مولانا موصوف کے علاوہ اور بہت سے علماء نے خطبے تصنیف کئے جن کے خطبہ ثانیہ میں مناقب کی بیشتر وضعی حدیثوں کے الفاظ بالعموم بیان ہوئے ہیں چنانچہ متاخرین میں مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کے دو آزدہ ماہی خطبوں میں حضرات حسنینؓ اور ان کی والدہ ماجدہ کی سرداری اہل الجنہ کی حدیثیں اور حضرت عباسؓ اور اُن کی اولاد کی دعائے مغفرت ترمذی کے حوالے سے نقل کردی گئی ہیں۔ اشخاص بنی ہاشم کے ذکر مدح میں شاید سب سے معتدل یہی خطبات ہیں یہ توقع تو نہیں ہوسکتی تھی کہ مناقب کی حدیثوں پر ردو انتقادی نظر ڈال سکیں گے بنی ہاشم کی خاندانی تقدیس و نسبی برتری و سیادت کی روایتیں اور حدیثیں جن سے غیر طبقاتی ملت میں طبقے قایم ہوئے ہاشمیوں کے سیاسی اقتدار شیعت کے فروغ اور تفضیلیت کے بعض ہاشمی افراد کی حد درجہ غلو کے ساتھ مدح سرائی کرنے سے اور بھی

نئے القاب وضع ہوتے رہے مثلاً تفضیلیہ کے یہاں ان کے اماميين همامیین کے لئے یہ دس بارہ لقب رکیک قافیہ بندی سے خطبے میں پڑھے جاتے ہیں " الکرمیین السعیدین الشہیدین القمرین المنیرین النیّرین الزاہرین الطیبین الطاہرین" یہ دونوں حضرات عہد رسالت میں سن شعور کو بھی نہیں پہنچے تھے چہ جائیکہ دین و ملت کی کوئی خدمت کر سکتے خطبے میں ان مبالغہ آمیز الفاظ سے ان کا ذکر ہونا اور آپ بڑے نواسے حضرت علی بن ابوالعاصؓ کا ذکر نہ ہونا جو عہد رسالت میں سن بلوغ کو پہنچ گئے تھے اور رومی کافروں کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے تھے کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ حسنینؓ کا ذکر اور ان کی مدح سرائی ہاشمیت و مفروضہ سیادت نسبی کی بنا پر ہے اور حضرت علی بن ابوالعاصؓ کا ذکر ترک ہونا کیا اس وجہ سے ہے کہ وہ بنی امیہ کے خاندانی فرد تھے۔ علاوہ بریں ہاشمی بزرگوں میں سے حضرت جعفر طیارؓ حضرت عقیلؓ و حضرت ابوسفیان ہاشمی وغیرہ قرابتداران رسول خدا کے خاص کر حضرت جعفر طیارؓ کے نام نامی خطبے میں نہ لینے سے جو اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ پر اس اعتبار سے فوقیت رکھتے تھے کہ عہد رسالت میں عرب سے باہر ملک حبش میں دین کی تبلیغ بھی کی تھی صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کی مدح وثنا کی ابتدا خطبات جمعہ میں کسی اصول کے تحت نہیں کی گئی نہ خاندانی اعتبار سے سب کے نام لئے گئے اور نہ شاندار خدمات کے لحاظ سے غالباً سیاسی مقاصد پیش نظر رہے کیونکہ سیاسی اقتدار کے حصول میں عباسی اور علوی ہی پیش پیش رہے تھے۔ بہرکیف یہ گفتگو خاندانی اور نسلی امتیاز کے سلسلے میں آگئی ورنہ احترام تو سب ہی حضرات کا ملحوظ خاطر ہے اور حضرت عباسؓ کا خون پاک تو خود میرے رگ و پے میں دوڑ رہا ہے صرف حق بیانی کے تقاضے سے ان حقائق تاریخی کا بیان اس سلسلے میں ناگزیر ہوا۔

السید والشریف کا تفصیلی جائزہ تو لیا جا چکا اب بالفاظ مختصر "آل محمدؐ" کی تاویلات کا جائزہ لینا بھی ضرور ہے کہ نسلی امتیاز اور سیاسی مقاصد کے حصول کی غرض سے قرابتداران رسول خدا کے معنی میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

علامہ المشرقی محمد عنایت اللہ خاںؒ نے اپنی مشہور تالیف "تذکرہ" میں ایک موقع پر استعجاباً لکھا ہے:۔

التحیات اور درود

" التحیات کے بعد اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ

کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خداؐ اپنے
عین حیات امامت کے وقت خود نہ پڑھے ہوں گے نہ معلوم یہ درود
شریف کب سے پڑھے جانے شروع ہوئے کس کے حکم سے ہوئے
اور خود رسول خداؐ ان کی جگہ کیا پڑھا کرتے تھے (صفحہ ۲۶۷)

علامہ علیہ الرحمۃ کتب احادیث الموطا و بخاری و مسلم ہی میں ابواب التشہد مطالعہ کر لیتے سوال کا جواب بآسانی مل جاتا۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں اور کتاب الاستیذان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی چار حدیثیں ہیں۔ تشہدات (التحیات) کی درج کی ہیں جن میں بتایا ہے کہ نبی صلعم کے ساتھ نماز میں پہلے ہم یہ الفاظ (التحیات کی جگہ) پڑھا کرتے تھے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهٖ ۔ سلام اللہ پر ہوں اللہ کے بندوں سے پہلے اور سلام ہو جبرائیل پر سلام ہو میکائیل
اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَائِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ ۔ پر اور سلام ہوں فلاں اور فلاں پر۔

(صحیح بخاری)

پھر فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی صلعم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ تو خود سلام ہے یعنی سلام اس کا نام ہے اس پر سلام کہنے کے کوئی معنی نہیں لہذا اب سے تم لوگ نماز میں پڑھا کرو:۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

یہ وہ التحیات (تشہد) جو رسول خدا نے صحابہ کو بعد میں سکھلائی تھی اور صحابہ جو نمازوں میں پڑھتے تھے اسی قدر تھی اس میں مروجہ درود شامل نہ تھا حضرت ابن مسعودؓ نیز فرماتے ہیں کہ التحیات کے بعد جس کو جو دعا پسند ہوتی تھی پڑھ لیتا تھا۔ ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ فَيَدْعُوْا (صحیح البخاری) مثلاً رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وغیرہ۔

تقریباً بارہ اکابر صحابہ کے تشہدات (التحیات) مختلف کتب حدیث میں نقل ہیں جدا گانہ

کے ابتدائی الفاظ میں خفیف سا فرق ہے باقی عبارت یکساں ہے۔ ابن مسعودؓ کی مندرجہ بالا التحیات کو امام ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا حنفیوں میں اسی کا رواج ہے امام مالکؒ نے حضرت عمرؓ کے تشہد کو اور امام شافعیؒ نے ابن عباسؓ کے تشہد کو جو پہلے نقل ہو چکا اختیار کیا حضرت عمرؓ پہلا جملہ التحیات میں یوں پڑھتے تھے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ (الموطا) السرخسی نے "الناميات الزاكيات المباركات" الفاظ بھی لکھے ہیں باقی سب عبارت ابن مسعودؓ کی عبارت کی طرح پڑھتے تھے۔ اسی طرح دیگر صحابہ ابو ہریرہؓ ابو موسیٰ الاشعریؓ ابن زبیرؓ نیز ام المومنین عائشہؓ کے تشہدات بھی کتب احادیث میں درج ہیں مروجہ درود ان میں سے کسی میں شامل نہیں کیونکہ اصلی درود تو خود التحیات ہی کی عبارت میں شامل ہے زمخشری نے الکشاف میں اور شمس الدین السرخی نے المبسوط میں امام ابو حنیفہؒ کے دادا استاد ابراہیم النخعیؒ متوفی ۹۵ھ کا جو بیک واسطہ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے یہ قول نقل کیا ہے۔

كانوا يكتفون عن ذالك یعنی الصحابۃ — بالتشهد وهو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ	تشہد (التحیات) پڑھنے میں صحابہ اسی صلوٰۃ والسلام (درود) پر اکتفا کرتے تھے یعنی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

التحیات کا یہ درود صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی صحیح صحیح تعمیل ہے صحابہ آپ کی حیات میں یہی پڑھتے تھے جب آپ کی وفات ہوگئی ضمیر خطاب ترک کرکے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ پڑھنے لگے۔ سرخسی کہتے ہیں کہ تشہد کے پہلے یا بعد میں کچھ اضافہ کرنا مکروہ ہے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ آنحضرتؐ قعدہ اولیٰ میں اس سرعت سے اٹھ جاتے تھے گویا سنگریزوں پر چل رہے ہوں (کانه علی الرضف) سرخسی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تشہد میں کچھ بڑھایا نہ جاتا تھا انه كان لا يزيد على التشهد (المبسوط)

شرح مسلم میں ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث میں جو پہلے درج ہو چکی ہے آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ کہو اس میں اٰلِ مُحَمَّدٍ کا اضافہ ہے اور راوی اس حدیث کا ابو عبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی

بن خطاف ہے اس کی دوسری حدیث الہیثمی کے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں بھی ہے۔ ابو حاتم نے اس راوی کو کذاب کہا ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں احادیثہ کلہا موضوعۃ (میزان الاعتدال ج صـ) دیگر ائمہ نے بھی اس کی کذب بیانی کا اظہار کیا ہے زمانہ بھی اس کا عباسی خلافت کا ابتدائی عہد تھا۔

ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیہقی کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے جو بنی الحارث کے مجہول الاسم راوی سے منسوب ہے کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ درود میں وَعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ پڑھا کرو لکھا ہے نبی صلعم کے سلام وصلات میں غیر نبی کو شریک کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آیت صلوٰۃ وسلام میں صاف وصریح حکم جب یہ ہے کہ صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام وصلوٰۃ کہو یہ تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ حکم خدا کے خلاف آپ نے اپنی اُمت کو اس کا مکلف کیا ہو کہ ذاتِ اقدس پر صلاۃ وسلام کہنے میں آپ کے قرابتداروں آل وازواج وعترت وذریت کو بھی شامل کریں۔ آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ من صلی صلاۃ لم یصل علیّ فیہا وعلیٰ اھل بیتی لم تقبل منہ (نماز پڑھنے میں جس نے میرے اور میرے اہل بیت پر درود نہ کہا نماز اس کی قبول نہ ہوگی) اس کا راوی جابر بن یزید بن الحارث الجعفی الکوفی ہے ذہبی نے میزان الاعتدال (ج صـ) میں بتایا ہے کہ وہ علمائے شیعہ میں سے تھا ابن حبان کہتے ہیں سبائی تھا زائدہ نے اسے رافضی اور صحابہ کا بدگو بتایا ہے دیگر ائمہ حدیث نے بھی دروغ گو لکھا ہے۔

آلِ محمدؐ آلِ محمدؐ سے مراد جیسا پہلے ضمناً ذکر ہوا اہل وعیال اور کنبہ والوں سے بھی ہے اور متبعین وپیروؤں سے بھی جہاں خاندانی امور مثلاً تقسیم ترکہ یا حرمت زکاۃ وصدقہ وغیرہ کی بات ہو اہل وعیال اور کنبے والے مراد ہوں گے یعنی آل عباس وآل علی وآل جعفر وآل عقیل اور جب دین ومذہب وشریعت کا مسئلہ ہو متبعین وپیرو اور امت کے لوگ مراد ہوں گے رسول خدا کی مشہور حدیث ہے۔

من سلک علیٰ طریقی فھو آلی (جس نے میرے طریقے کی پیروی کی وہ میری آل ہے) نیز

ان آل کل مسلمین التابعین لہ (ص) الیٰ یوم القیامۃ (المجموع شرح المہذب)	نبی کریم کے کل مسلمان متبعین یوم قیامت تک آپ کی آل ہیں۔

آل النبی من جھۃ الدین کل مومن تقی کذا اجاب رسول اللہ حین سئل عن الآل (کلیات ابی البقا)	دینی حیثیت سے کل متقی مسلمان آل نبی ہیں جیسا رسول اللہ نے فرمایا تھا جب آل کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تھا۔

آیہ کریمہ اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَاب میں آلِ فرعون سے اس کے پیرو اور متبعین ہی مراد ہیں۔ سورۂ الحجر کی آیت میں آل لوطؑ سے مراد پیروان لوطؑ سے ہے اسی طرح قرآن شریف کی دوسری متعدد آیتوں میں آل سے متبعین و پیرو اور اُمت کے لوگ مراد ہیں۔

بنی عباس و بنی فاطمہ کے طرفداروں یعنی نقیب آل محمد نے سیاسی اقتدار کے حصول کی خاطر ملک در ملک جو پروپگنڈا کیا تھا آل محمد سے مراد قرابتداران رسول خدا سے لی تھی۔ جمہور علماء و ائمہ کے خلاف امام شافعیؒ[1] نے اور ان کے اتباع میں امام فخر الدین[2] رازی نے آل محمد سے مراد قرابتداران رسول سے لی چنانچہ مفاتیح الرازی

---

[1] امام شافعیؒ نسباً ہاشمی تو نہ تھے آنحضرت صلعم کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کے بھائی المطلب بن عبد مناف کی نسل سے تھے المطلب نے اپنے یتیم بھتیجے اور آنحضرتؐ صلعم کے دادا عبد المطلب کی پرورش کی تھی۔ اپنے مرحوم بھائی کے نام پر المطلب نے اپنے ایک بیٹے کا نام ہاشم رکھا تھا ان ہاشم بن المطلب کی زوجہ آنحضرتؐ کے دادا عبد المطلب کی سوتیلی بہن الشفا بنت ہاشم بن عبد مناف تھیں جن کے بطن سے عبد یزید بیٹا ہوا پھر اس عبد یزید کی بیوی عبد المطلب کے ایک بھتیجے الارقم بن نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کی دختر تھی جس کا نام بھی الشفا تھا اس سے عبد یزید کا ایک بیٹا السائب تھا جو اسیران بدر میں سے تھا ابن السائب کے فرزند شافع کے پروتے ہونے کی بنا پر وہ شافعی کہلائے یعنی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع مذکور۔ عباسی خلافت قایم ہونے کے اٹھارہ برس بعد ۱۵۰ھ میں بزمانہ خلافت امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں بہ زمانہ خلیفہ مامون الرشید انتقال ہوا۔ عصبیت خاندانی کا مادہ طبیعت میں تھا۔ رحمہ اللہ۔

[2] امام فخر الدین رازی عجمی نژاد شہر رے کے باشندے ہونے کی وجہ سے رازی کہلائے ولادت ۵۴۳ھ میں ہوئی ان کا زمانہ امام شافعیؒ سے تین سو برس بعد کا ہے ساتویں صدی کے ممتاز مصنفین میں سے تھے مختلف علوم میں تصانیف کیں قرآن شریف کی تفسیر بارہ جلدوں میں لکھی ہے۔

میں ہے کہ:-

إن الدعاء للآل منصب عظيم ولذلك جعل هذا الدعاء خاتمة التشهد في الصلاة وهو قوله اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلَ مُحَمَّدٍ وهذا التعظيم لم يوجد في حق غير الآل فكل ذلك يدل على إن حب آل محمد واجب۔	آل محمدؐ کے واسطے یہ دعا، منصب عظیم ہے اور اسی لئے تشہد (التحیات) کے خاتمہ پر اس دعاء کو (نماز میں) رکھا گیا۔ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ایسی تعظیم آل محمدؐ کے سوائے کسی اور کے حق میں نہیں ہے لہٰذا یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ آل محمدؐ کی محبت واجب ہے۔

جناب رازی نے یہ دو بیتیں بھی لکھی ہیں جو امام شافعیؒ سے منسوب ہیں ان میں رسول اللہ کے اہل بیت (گھر والوں) سے خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ تمہاری محبت کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کیا ہے اور تمہاری عظیم قدر و منزلت کے لئے تو یہی بات کافی ہے کہ نماز میں جو کوئی تم پر صلات (درود) نہ کہے اس کی نماز ہی نہ ہوگی۔

یا اهل بیت رسول الله حبکم فرض من الله فی القرآن انزله

کفاکم من عظیم القدر انکم من لم یصل علیکم لا صلاة له

مگر قرآن شریف کے کسی پارے کسی رکوع کی کسی آیت میں رسول خدا کے اہل بیت حقیقی یعنی ازواج مطہرات اور اہل بیت حدیثی[1] یعنی آپ کے چچا حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد اور آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے محبت کرنے کا کوئی حکم اشارۃً بھی کہیں نہیں۔ یہ بات اگر سورۂ الشوریٰ کی مندرجہ ذیل آیت کے سلسلہ میں کہی گئی ہے تو محض غلط ہے:-

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى۔	کہہ دیجئے (اے محمدؐ) میں تم سے (اے مشرکین قریش) اس (تبلیغ) پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ اس رشتہ داری کی (جو مجھ میں

---

[1] وضعی حدیثوں میں حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو آیت تطہیر کے سلسلہ میں اہل بیت کہا گیا اس لئے انھیں اہل بیت حدیثی لکھا گیا۔

| اور تم میں ہے) محبت تو بدستور ہے۔

قربیٰ کے معنی رشتہ دار کے نہیں رشتہ داری کے ہیں ذوی القربیٰ ہوتا تو معنی البتہ رشتہ دار کے ہوتے مگر اس سے پھر بھی میرے رشتہ دار کا مفہوم نہ نکلتا آنحضرتؐ کے، ددھیالی و ننھیالی رشتے قریش کے سب ہی گھرانوں سے تھے۔ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ جو اہلبیت حدیثی کے ممتاز عالم تھے اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

نزلت هذه الآية بمكة وكان المشركين يوءذون رسول الله فانزل الله تعالى: قل لهم يا محمد لا اسئلكم عليه (اعني ما ادعوكم اليه) اجراً من الدنيا الا المودة في القربىٰ الا الحفظ في قرابتي فيكم۔ (الدر المنثور في التفسير بالماثور للسيوطي)

یہ آیت مکہ میں (اس زمانہ میں) نازل ہوئی تھی جب مشرکین (قریش) رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اے محمد کہہ دیجئے ان سے (مشرکین سے) کہ میں تم سے اس پر (یعنی جس بات کی میں تم کو دعوت دیتا ہوں) کوئی معاوضہ دنیاوی طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ تم اس رشتہ داری کی محبت و مودت تو قایم رکھو جو میری تم سے ہے

اب دیکھئے ان ہی ابن عباسؓ سے کذابین نے یہ جھوٹی حدیث منسوب کر دی کہ یہ آیت جب نازل ہوئی جس کی تفسیر انھوں نے سطور بالا میں کی ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کی محبت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا آپ نے فرمایا فاطمة وولدها یعنی فاطمہؓ اور اس کی اولاد قسطلانی نے ضوء الساری میں بتایا ہے کہ اس وضعی حدیث کا راوی حسین بن حسن الاشقر ہے جسے ابو زرعہ نے منکر الحدیث جوزجانی نے غالی رافضی اور دشنام (نہایت بدگو) اور ابو معمر الہذلی نے کذاب کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۴۲) علاوہ ازیں سورۃ الشوریٰ کی یہ آیت تو مکہ میں اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب حضرت فاطمہؓ کی شادی کو بھی دس گیارہ برس کی طویل مدت باقی تھی چہ جائیکہ ان کے اولاد ہونا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس قسم کے اقوال کے بارے میں یہ صحیح ریمارک کیا ہے:-

فتكون هذه الآية قد نزلت قبل وجود الحسن والحسين بسنين متعددة فكيف يفسر النبي صلى الله عليه وسلم الآية بوجوب مودة قرابة لا تعرف ولم تخلق۔ (منهاج السنة)

پس یہ آیت جب حسن وحسین کے عالم وجود میں آنے سے متعدد سالوں قبل نازل ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر میں کیونکر اس قرابت کی محبت ومودت کو واجب کرسکتے تھے جس کو وہ نہ جانتے پہچانتے تھے اور نہ اس کی تخلیق ہی ہوئی تھی۔

یہ کذاب راوی حسین الاشقر ۲۰۸ھ میں مرگیا تھا اس سے سوا سو برس پہلے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پروتے امیر المومنین عبداللہ (السفاح) بن محمد الامامؒ کی ۱۳۲ھ میں بیعت خلافت کوفہ میں ہوئی تھی۔ اس وقت جو خطبہ انھوں نے دیا تھا علامہ ابن کثیرؒ نے چند فقرات اس کے درج کیے ہیں (البدایۃ ج۱۰) راوی نے غلط منسوب نہیں کیے تو ان فقرات میں کہا گیا ہے کہ ان پہلے عباسی خلیفہ نے رسول اللہ صلعم سے اپنی قرابت کے شرف ومنزلت کے اظہار میں اسی آیت المودۃ فی القربیٰ کا مصداق اپنے دادا کی تفسیر کے قطعاً خلاف ابن عم رسول اللہ ہونے کی بناء پر اپنے ہی کو بتایا تھا پھر شیعہ راویوں نے اس آیت اور دوسری آیتوں سے حضرت علیؓ و اولاد حسنینؓ کے وصایت و وراثت کی جو تاویلات کیں معلوم ومشہور ہیں، نہج البلاغۃ کے مصنف نے بعض خطبات میں یہ الفاظ حضرت علیؓ سے منسوب کئے ہیں کہ آل محمدؐ سے اس اُمت میں کسی کو بھی نسبت نہیں دی جاسکتی آل محمدؐ دین کی بنا دیں ہیں، صدق ویقین کے ستون ہیں وصیت ووراثت انہی کے لئے مختص ہے یہی اسرار پیغمبر کے خزانے اور علم کے دروازے ہیں ونحن الاعلون نسباً والاشدون برسول اللہ نوطاً (اور ہم بلحاظ نسب سے بلند ہیں اور ہمارا رشتہ رسول اللہ سے قوی ہے) خطبہ ۱۴۸ میں یہ الفاظ حضرت علیؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں:۔

" ان رفعنا اللہ ووضعھم (الی آخرہ) یعنی اللہ نے ہم کو بلند کیا ہے دوسروں کو پست کیا ہے ہم کو قیادت عطا کی ہے ان کو محروم کر دیا ہے ہم ہی وہ ہیں جن سے ہدایت طلب

کی جاتی ہے اور جن سے گمراہی دور کر نیکو لوز رمانگا جاتا ہے بیشک
ائمہ سب قریش سے ہوں گے اور وہ ہاشمی خاندان میں نصب کردیئے
گئے ہیں۔ قیادت ہاشمیوں کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے درست
نہیں دوسرے حاکم (والی) ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔
(نہج البلاغۃ)

ابن ابی الحدید نے نسبی تعلّی کے ایسے ایک قول کی شرح میں صاف لکھدیا ہے کہ بنی ہاشم تو بندے خدا کے ہیں اور دوسرے لوگ ان (بنی ہاشم) کے بندے ہیں انهم عبید اللہ وان الناس عبید هم۔

یہ اور اس قسم کے دیگر اقوال اور نسبی تعلیاں آل محمد کے معنی و مطلب کو محدود کرکے محض سیاسی مقاصد سے مشتہر ہوتی رہیں حالانکہ دین ومذہب و شریعت کے معاملات میں جیسا ذکر ہوچکا ہے آل محمد سے مراد کل امت محمدیہ ہے۔ نبی آخر الزماں کا لایا ہوا دین تاقیام قیامت قایم رہے گا اللہ تعالیٰ کی وسیع اور غیر محدود رحمت کو ہاشمی خاندان کے افراد سے محدود کردینے کا اسلام جیسے دین عدل وانصاف و مساوات واخوت میں کسی کو حق ہی کیا ہے۔

صلوٰۃ علی النبی

درود اور سلام یہ دونوں لفظ تو فارسی زبان کے ہیں جو عجمی اسلام کے طفیل رائج ہوئے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (صلوٰۃ قایم کرو بلاشبہ صلوٰۃ یعنی نماز تمام مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے) یہی صلوٰۃ موقت تو نماز ہے اس صلوٰۃ کے علاوہ اللہ کی جانب سے مومنوں پر صلوٰۃ نزول رحمت خداوندی ہے۔ اَلصَّلٰوةُ مِنَ اللّٰهِ رَحْمَةٌ (لسان العرب) چنانچہ فرمایا گیا۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ مومنوں پر نبی کی صلوٰۃ کا مطلب ہے ان کی تحسین اور حوصلہ افزائی۔ سورہ ۹ التوبہ آیہ ۱۰۳ میں مومنوں کے مال سے صدقہ وصول کرنے کے سلسلے میں جو ان کے تطہیر و تزکیہ کا موجب ہے رسول خدا سے فرمایا گیا۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (ان کو دعائے خیر دو کیونکہ تمہاری تحسین و شاباش ان کے لئے تسکین و اطمینان کا موجب ہے) اسی طرح دیگر آیات میں جو لفظ

صلوٰۃ آیا ہے محل و موقع کے اعتبار سے مفہوم کہیں تحسین و آفرین ہے کہیں نزول رحمت الٰہی ہے کہیں فرض منصبی کی ادائیگی ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورۂ البراءتہ میں فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔	دین پر غلبہ دے اگرچہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔

تبلیغ دین حق کے ابتدائی ایام میں عرب جاہلیہ جیسی اُجڈ اور جھگڑالو قوم قوماً اُتی آ دشمنی اور ایذا رسانی پر تُل گئی قلیل تعداد قریشیوں نے دین حق قبول کیا عزیزوں و ہم وطنوں کے ظلم و جور سے اُنھیں وطن چھوڑنا پڑا۔ سب سے پہلے مہاجر رسول خدا کے منجھلے داماد حضرت عثمان اموی اور اُن کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول خدا تھیں پھر نبی کریم صلعم نے بھی ہجرت فرمائی اور ہجرت کے چوتھے ہی سال جب دس ہزار مشرکین کے لشکر احزاب نے یہودیانِ مدینہ سے ساز باز کر کے شہر پر چڑھائی کی غازیانِ اسلام کی تعداد صرف ایک ہزار تھی دفاع کے لئے خندق کھودی جا رہی تھی پتھر کی ایک چٹان ایسی سخت آئی کسی طرح نہ ٹوٹتی تھی آنحضرتؐ نے دست مبارک سے ضرب لگائی پاش پاش ہو گئی ساتھ ہی شعلہ کی چمک میں قدرت خدا سے دین حق کے غلبہ کی نشانی دیکھکر آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ اب مسلمانوں کو سب ہی دشمنوں پر فتح ہوگی احزابی لشکر کو ہزیمت اُٹھا کر بھاگنا پڑا پھر کبھی مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہودیوں کو غداری کی سزا ملی کچھ جلا وطن ہوئے اور کچھ جان سے مارے گئے دشمنوں کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ۔

یہ واقعہ ماہِ شوال ۵ھ کا ہے۔ سورۂ الاحزاب میں جس کا نزول ۵ھ میں ہوا یہ آئتیں نازل ہوئیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ	(اے ایمان والو) وہ اللہ ہی ہے جو اپنے
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ	ملائکہ (یاملکاتی قوتوں) سمیت تم پر صلوٰۃ کرتا ہے
وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔	تاکہ تمھیں (جہالت و غفلت) کی ظلمتوں سے
(الاحزاب ۴۸)	نکال کر (علم و حکمت کی) روشنی کی طرف

	لائے اور وہ اللہ مومنوں پر رحمت کرنے والا ہے۔

پھر ساتویں رکوع میں صلوٰۃ علی النبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب ۵۶)	بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے (کائناتی قوتیں) نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی (نبی کے لائے ہوئے قانون الٰہی کو عملاً تسلیم کرتے ہوئے) اس (نبی) پر صلوٰۃ وسلام کرو۔

دونوں آیتوں میں لفظ صلوٰۃ ہے مومنوں پر اللہ کی صلوٰۃ نزول رحمت الٰہی ہے اور نبی کریم پر اللہ کی صلوٰۃ تحسین و آفریں ہے لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کے معجزنما کارنامے پر کہ آپ نے اپنی مقلب القلوب روحانیت، حیرت انگیز قوت عمل ولاثانی ثبات و استقلال سے چند ہی سالوں میں عرب جیسے اکھڑ قوم کی کایا پلٹ دی اور قرآنی نظام ربوبیت کی بنیاد ڈالی مومنین صادقین مہاجرین والانصار نے محیر العقول مصائب برداشت کرکے دین حق کو ادیان باطلہ پر غلبہ دینے میں رسول خدا کا ساتھ دیا اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ جنھوں نے اپنی جانیں قربان کیں انھیں حیات جاودانی ملی[1]۔ دین حق کو غلبہ ہوا لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا مقصد عملاً پورا ہوا قانون مساوات واخوت کی بنا پر حکومت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوئی۔ اللہ

---

[1] سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۴ میں مسلمانوں کو دین حق کی مدافعت میں جان کی قربانی دینے کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں فی سبیل اللہ قتل ہو گیا اس کو مرا ہوا نہ کہو وہ تو اپنے کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۸ میں مزید فرمایا گیا کہ جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو گئے اُن کو مُردہ نہ شمار کرو وہ تو زندہ ہیں اور اپنے خدا کے پاس اس کی نعمتوں ورحمتوں سے مالا مال ہیں بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ۔ یعنی انھوں نے اپنی جانیں دین کے اعلیٰ مقصد سے قربان کرکے حیات جاودانی پائی اور بہشت میں اللہ کی رحمتوں سے مالا مال ہیں رزق کے معنی محض کھانے پینے کے نہیں نعمتوں اور برکتوں سے متمتع ہونے کے بھی ہیں اور اسی آیت میں یُرْزَقُوْنَ کا یہی مطلب ہے شہداء جنت کی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں۔

تبارک و تعالیٰ نے ملائکہ سمیت اپنے آخری نبی کے جلیل و عظیم کارنامے پر صلوٰۃ و تحسین (آفرین) کی اور مومنوں کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ و سلام کرو صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ مومنوں کو صلوٰۃ و سلام کا یہ حکم بقید تَسْلِيمًا[1] ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قانون و ضابطہ حیات کو عملاً تسلیم کرتے اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے قانون مساوات و اخوت لانے والے اور اس کا نفاذ کرنے والے رہنمائے جلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام کہنا اس سے غرض و مقصد بقول ابن اثیرؒ دنیا میں دعوتِ اسلامی کی تبلیغ اور اظہار اور بقائے شریعت ہے عظمه فی الدنیا باعلاء ذکره واظهار دعوته وابقاء شریعته (النهاية فی غریب الحدیث والاثر) یہی عملی تسلیم ہے امتیوں کی جو صرف زبانی سلام و صلوٰۃ سے یا بعد ادائے نماز حلقہ باندھ کر ترنم کے ساتھ سلام گانے سے پوری نہیں ہوسکتی۔ آپ کے لائے ہوئے دین اور ضابطۂ حیات کی قولی و فعلی تبلیغ تو اسلامی قومی زندگی کی روح ہے جسے اکثر ائمہ مساجد صرف اپنے مذہبی و مسلکی رسموں کی ادائیگی کے انہماک میں صدیوں سے ترک کئے ہوئے ہیں بلکہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کا انھیں احساس ہی جاتا رہا ہے بقول علامہ اقبالؒ ؎

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

نبی کریمؐ کے اس صلوٰۃ و سلام میں جو حکم الٰہی کے بموجب صرف ذات اقدس کے ابدالآباد تک قائم رہنے والے تبلیغ و اقامتِ دین کے عظیم کارنامے کی یاد تازہ کرنے اور مومنوں کو انکی پیروی کرنے کے لئے ہے قرابتداران رسول اکرم و آل محمدؐ کے شامل کئے جانے کا جواز کیسے ہوسکتا ہے[2]۔ یوں ہر مسلمان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا ہر وقت کی جاسکتی ہے صلوٰۃ علی النبی

---

[1] ایک صاحب جن کے نام کے ساتھ "راس المفسرین" تحریر ہے سَلِّمُوا تَسْلِيمًا کا ترجمہ کرتے ہیں "سلام بھیجو سلام کہہ کے" حالانکہ اسی سورۃ کی دوسری آیت کا جہاں لفظ تَسْلِيمًا آیا ہے، ترجمہ اطاعت کرنا ہی کیا ہے۔

[2] ایک مترجم قرآن کے حاشیہ بر آیت صلوٰۃ و سلام کے بارے میں دیوبندی عالم فرماتے ہیں "اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے" مگر قرآن کی اس آیت میں اور نہ کسی دوسری آیت میں پیغمبر صاحب کے گھرانے پر صلوٰۃ و سلام کہنے کا اشارۃً بھی کوئی ذکر نہیں۔

میں جو بمعنی تعظیم تکریم کے ہے غیر نبی کا بقول الخطابی شمول نہیں ہو سکتا اور صلوٰۃ بمعنی دعائے رحمت و برکت تو ہر مسلمان کے لئے ہر وقت کی جا سکتی ہے مومنین صادقین پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے صلوٰۃ بمعنی رحمت و برکت فرمائی ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ اور آنحضورؐ نے آل ابی اوفی پر رحمت کی دعا کی اور فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى۔ پھر پنجوقتہ نمازوں کے تشہدات (التحیات) میں تو سب ہی صالح بندوں پر سلام کہا جاتا ہے نماز گذار یہ سمجھتے ہوئے کہ دربار خداوندی میں حاضر ہے ارکان نماز ادا کرتا ہے رکوع اور سجدے سے اپنی عبودیت و اطاعت کا اظہار کرتا ہے اور دربار خداوندی سے رخصت ہونے سے قبل التحیات پڑھنے میں پہلے رب ذوالمنن کی نعمتوں کا مقر ہوتا ہے پھر فخر رسل پر اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ وَبَرَكَاتُهٗ کے الفاظ میں درود بھیجتا ہے جو حکم صلوٰۃ و سلام کی صحیح صحیح تعمیل ہے چنانچہ نماز با جماعت و نماز جمعہ میں امتیوں کے صلوٰۃ و سلام کی تعداد تو ہزاروں سے تجاوز ہو جاتی ہے۔ نماز کے بعد پھر تمت صلوٰۃ و سلام کہنا نئی بات ہے۔ درود بھیجنے کے بعد نماز گذار نبی کریمؐ کے امتی اور جماعت کے ایک فرد کی حیثیت سے سب نماز گذاروں اور صالح بندوں پر سلام کہتا ہے آخر میں جب کلمہ طیبہ پڑھ کر خدائے ذوالجلال کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کا زبان اور قلب سے اقرار کرتے ہوئے دربار خداوندی سے رخصت ہونے لگتا ہے جہاں کی حاضری میں علائق دنیوی سے چند لمحات کے لئے قطع تعلق کر چکا تھا تو دائیں بائیں منہ پھیر کر اہل دنیا کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اہل دنیا میں ہاشمی و غیر ہاشمی سب ہی شامل ہیں صحابہ کرام جو التحیات پڑھتے تھے جن کا ذکر سطور بالا میں تفصیلاً آیا ہے آل محمدؐ پر صلوٰۃ و سلام کا خواہ آپ کے کنبے والوں سے مراد ہو یا امت محمدیہ سے کوئی ذکر نہیں" عہد راشدین میں و عہد بنی امیہ میں مروجہ درود کا ثبوت نہیں ملتا۔

سورۃ الاحزاب کی اس آیت کریمہ صلوٰۃ و سلام سے دو ٹکڑے ہیں پہلا ٹکڑا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (بلاشبہ اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں) تو خبر ہے اور دوسرے ٹکڑے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (اے ایمان والو تم بھی نبی پر اس کے لائے ہوئے قانون کو عملاً تسلیم کرتے ہوئے صلوٰۃ و سلام کرو) میں مومنوں کو صرف نبیؐ پر صلوٰۃ و سلام کا حکم ہے مروجہ درود اَللّٰهُمَّ صَلِّ

عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ (اے اللہ تو محمد اور آل محمد پر صلوٰۃ کر اور ان پر برکت وسلامتی کر) صلوٰۃ وسلام نبی کے حکم خداوندی کی آل محمد کے شمول سے سوچئے کیا تعمیل ہوئی اس طرح تو خدا کا حکم اسی کی طرف لوٹا دیا گیا کہ اے اللہ تو ہی محمد اور آل محمد پر درود بھیج۔ مگر نبی صلعم کے ساتھ آل محمد پر صلوٰۃ وسلام کہنے کا ذکر تو اللہ کے حکم میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے علاوہ جو پہلے درج ہوئی فتح الباری شرح صحیح البخاری (باب التشہد فی الآخرہ ص۲۵۳ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی) میں بتایا گیا ہے کہ

ان الصحابة كانوا يقولون والنبي حيٌّ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا مات قالوا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ۔

نبی صلعم جب حیات تھے تو صحابہ (التحیات) میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ پڑھتے تھے لیکن آپ کی جب وفات ہو گئی (تو ضمیر خطاب ترک کرکے) اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھنے لگے۔

رسول اللہ کے فدائی شاگردوں اور مشکوٰۃ نبوت سے بلاواسطہ نور اخذ کرنیوالے صحابہ کا عقیدہ راسخ تھا کہ بعد وفات آپ ہماری آواز و پکار نہیں سنتے سننے والی ذات واحد تو صرف خدائے لایزال ہی کی ہے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (فرقان) اس زندہ پر بھروسہ کر جو کبھی نہیں مرے گا اس کے سوا کسی بشر کو موت سے مفر نہیں كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (العمران) بلکہ افضل البشر علیہ الصلوٰۃ کو بھی نہیں اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر) بے شک (اے نبی) تجھے بھی مرنا ہے اور وہ بھی مریں گے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ میرے بندے میرے متعلق تجھ سے پوچھتے ہیں تو میں یقیناً نزدیک

ــــہ سورۂ ہود میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کو جو بہت بوڑھی ہو کر اولاد ہونے سے مایوس ہو چکی تھیں۔ بیٹا ہونے کی بشارت ملی انھوں نے تعجب کیا آیت نازل ہوئی اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ مترجم قرآن کے حاشیہ پر مولانا عثمانی مرحوم لکھتے ہیں کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے (ص۲۹۵) یہ اقتباس کس نے کیا اور کب کیا اس کی صراحت نہیں کی صحابہ کے وقت میں تو یہ درود نہیں پڑھا جاتا تھا جیسا تشہدات کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے۔ نماز کے علاوہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہکر جتنی مرتبہ درود دیجیے اور نام مبارک زبان سے ادا کرے اور کانوں سے سنے آپ پر صلوٰۃ کہے موجب سعادت ہے۔

ہوتا ہوں اُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پکارنے والے کی پکار قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے) پکار تو اسے ہی جاتا ہے جو موجود ہو اور آواز سُن سکے خدا ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اس کے سوا کوئی اور ہر وقت ہر جگہ موجود نہیں وہ تو رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ اور وہ ہی تو ہے جو بندوں کے جی کے اندر والی باتوں کو جانتا ہے ؎

جان نہاں در جسم و او در جاں نہاں ای نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

اللہ کے سوا کون ہے جو اس مقام تک پہنچ سکے نہ نبی نہ ولی نہ کوئی اور مخلوق پھر ہم کیوں اللہ کے سوا غیر اللہ کو "یا" کہکر پکاریں اور اس طرح مبتلائے شرک ہوں، شرک تو وہ گناہ ہے جو کبھی معاف نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا۔ (النساء)	بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور اس سے نیچے کے گناہ کو جسے چاہے بخشتا ہے اور جس نے شریک ٹھیرایا اللہ کا اس نے یقیناً عظیم گناہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیر اللہ کی قسم کھانے کو بھی منع کیا ہے مَن حلف بغیر اللہ فقد اشرك (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا (ترمذی)

سیاسی اغراض و مقاصد سے جب آلِ محمدؐ کے معنی محدود کر کے قرابتدارانِ نبی اکرم سے مراد لی گئی اور بمرورِ زمانہ "یا علی" "یا حسین" "یا غوثِ اعظم" کے نعرے لگنے شروع ہوئے، مغالاۃ فی البشر کی صد بار داستانیں اور حدیثیں وضع ہوئیں نسلی امتیاز اور نسبی برتری و درسیادت کے غیر اسلامی رجحان کو بھی فروغ ہوا۔

خاتمۂ سخن

اسلام جیسے دینِ عدل و مساوات، اخوت و انصاف کے پیروؤں میں نسلی تفاخر اور خاندانی برتری کا غیر اسلامی رجحان اور سید و غیر سید، شریف و غیر شریف کا فرق و امتیاز کب سے اور کن واقعات و حالات میں شروع ہوا اس کا تفصیلی جائزہ گذشتہ ابواب میں لیا جا چکا ہے قارئین کو قرآن شریف و احادیث و کتب و تاریخ و انساب کی تصریحات

سے بخوبی واضح ہے کہ عربی زبان کے الفاظ سیّد و سادات، شریف و اشراف نہ کبھی اہل زبان نے نسل و نسب و قومیت کے اظہار میں استعمال کئے نہ آج کرتے ہیں اور نہ لغوی اعتبار سے نسب و قومیت کے اظہار میں یہ الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں شیعہ امیر الامرا بنی بویہ نے علی و محمد فرزندان ابواحمد موسوی کو جو اپنے وقت کے ممتاز ادیب و فاضل تھے اور نسباً جناب موسیٰؑ کے جنھیں امامیہ اپنا ساتواں امام کہتے ہیں پر دتوں میں سے تھے شیعی مسلک کی خدمات اور نہج البلاغۃ کی تصنیف کے صلہ میں ان دونوں بھائیوں کو شریف المرتضیٰ و شریف الرضی کے خطابات دیئے تھے چنانچہ اس کے بعد سے لقب الشریف ان کے اہل خاندان اور سبھی ہاشمی افراد کے لیے بالعموم مستعمل ہونے لگا تھا چنانچہ حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے چند صدیوں بعد جو لوگ حرمین شریفین (مکۂ معظمہ و مدینہ منورہ) کے والی ہوئے لقب الشریف سے ملقب رہے ان میں کے آخری شخص شریف حسین تھے جنھوں نے ترکی خلافت سے غداری کی تھی ان لوگوں نے اپنے کو نہ سید کہا اور نہ کبھی سیّد کہلائے حالانکہ یہ سب صحیح النسب حسنی تھے۔ خود شریف المرتضیٰ و شریف الرضی یا ان کے اہل خاندان نے باوجود غالی شیعہ ہونے کے نہ اپنے کو کبھی سید کہا اور نہ اس لفظ سے نسب کا اظہار کیا بلکہ نہج البلاغہ کے مشمولہ بعض خطبے میں لفظ سید تو آقا و مالک و سرداری کے معنی میں استعمال کیا ہے مثلاً خطبہ ملنہ میں حضرت علی کی زبانی یہ الفاظ درج کئے ہیں کَنُصْرَۃِ الْعَبْدِ مِنْ سَیِّدِہٖ (جیسی غلام کی نصرت اس کے آقا کی جانب سے ہو) اسی طرح حضرت علیؓ کے والد ماجد ابوطالب نے جنھیں شعر گوئی میں اچھا ملکہ تھا اپنے کلام منظوم میں لفظ سیّد و سادات سرداری کے معنی میں استعمال کئے ہیں ان کے سگے بڑے بھائی زبیر بن عبدالمطلب[1] اپنے زمانہ میں بنی ہاشم

---

[1] زبیر بن عبدالمطلب اپنے والد کے مرنے پر ان کے جانشین ہوئے تقریباً چودہ پندرہ برس ہاشمی خاندان کے سربراہ رہے انھوں نے ہی آنحضرت صلعم کی بڑی محبت سے پرورش کی تھی نہ کہ ابوطالب نے جو محض غلط مشہور ہے۔ زبیر کی وفات کے وقت آنحضور کا سن شریف تقریباً اکیس بائیس برس کا تھا شفیق تایا کی وفات کے بعد متاہل زندگی شروع کرنے کے خیال سے اپنے دوسرے چچا ابوطالب کی بیٹی کو جو بعد میں ام ہانی کی کنیت سے مشہور ہوئیں نکاح کا پیام دیا تھا ابوطالب نے تنگی معاشرت سے قبول نہ کیا اور مخزومی خاندان کے ہبیرہ سے جو شاعر اور شہسوار تھا بیٹی کی

(بقایا نوٹ صفحہ ۳۲۵ پر)

سردار تھے اور قبیلہ قریش کی ممتاز شخصیت تھے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ :-

کان الزبیر عبدالمطلب شجاعاً ابیًا	زبیر بن عبدالمطلب بہادر و نڈر تھے۔
وجمیلاً بھیاً وکان خطیباً شاعراً	حسین وجمیل تھے، شاعر و خطیب تھے۔
وسیداً وجواداً (رج ص ۴۵۵)	سردار و سخی تھے۔

اپنے ان عالی منزلت بڑے بھائی کی وفات پر ابو طالب نے جو مرثیہ کہا تھا اس کی ابتدائی چند بیتیں سُنیئے کہتے ہیں :-

اسبلت عبرۃً علی الوجنات	قد مرتہا عظیمۃ الحسرات
ٹپک آتے ہیں آنسو رخساروں پر	کھینچ لائے ہیں بڑی بڑی حسرتیں
لاخ سید نجیب یقرم	سید فی الذری من السادات
اس بھائی کے مرنے پر جو سردار شریف تھا عالی منزلت تھا	جو اونچے خاندان کے سرداروں کا سردار تھا۔
سید وابن سادۃ اجرذوا لمجد	قدیماً وشیدوا المکرمات
سردار اور سرداروں کی اولاد جنھوں نے سمیٹ لیا تھا قدیم بزرگی	اور مکرمات کی بنیادیں مضبوط کر دی تھیں

ابو طالب نے ان تین بیتوں میں پانچ جگہ سید وسادات سردار و سربراہ ہی کے معنوں میں استعمال کئے ہیں اور اپنے جن بزرگوں کی سرداری کا ذکر کیا ہے وہ بلاشبہ اپنے معاصرین میں با عزت و ذی وجاہت تھے تولیت کعبہ کی وجہ سے صاحب اقتدار رسوخ بھی تھے لیکن دوسرے خاندانوں کے سردار جو ہاشمیوں ہی کے ہمعصر تھے بعض خصوصیات

(بقایا نوٹ صفحہ ۳۲۴ کا) شادی کر دی۔ آپ نے چچا سے اس کی شکایت بھی کی تھی (الاصابہ وطبقات ابن سعد وکتاب المحبر وطبری وغیرہ) یہ شخص عہد نبوت میں اسلام کا شدید دشمن ہو گیا ہر غزوہ میں مقابل آیا فتح مکہ کے وقت جان بچانے کو وطن چھوڑ نجران بھاگ گیا وہیں ہلاک ہوا ہجویہ اشعار بھی کہا کرتا تھا جس کا جواب حضرت حسان بن ثابت انصاری دیتے تھے جو ان کے دیوان میں اس صراحت سے درج ہیں کہ یہ ہبیرہ کے جواب میں کہے گئے تھے (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اہل بیت وآل محمد)

میں ان سے بھی فائق تھے عبد المطلب ہی کے حقیقی چچیرے بھائی امیہ اور ان کے بیٹے پوتے حرب بن امیہ و ابو سفیانؓ بن حرب اپنے خاندان کے علاوہ کل قبائل کے قریش کے سردار سید السادات تھے اور جیسا ابتدائی صفحات میں ۔ ان ہوا باعتبار نسل و نسب یہ سب قریشی خاندان یکساں حیثیت رکھتے تھے مصاہرت و مناکحت کے بیشتر رشتے قریشی خاندانوں میں آپس ہی میں ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریشی خاندانوں سے رشتہ داری کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ آپؐ واسط النسب تھے یعنی آپ کی دادی پردادی اور نانی پرنانی پھران خواتین کی مائیں اور دادی اور نانی پرنانی جن کے نام ونسب بعض نسابین درج کئے ہیں ان ہی سب قبیلوں سے تھیں غرضیکہ نسل و نسب کے اعتبار سے بنی ہاشم بنی امیہ اور دوسرے قریشی قبیلے کوئی فرق و امتیاز باہمی نہیں رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے بنی ہاشم ہی کو نہیں۔ سب قریشی خاندانوں کل عرب بلکہ کل نوع بشر کو عز و شرف حاصل ہوا بقول لبیکہ ؎

وَكَمْ أَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرَى شَرَفٍ — كَمَا عَلَا بِرَسُولِ اللّٰهِ عَدْنَانُ

بہت سے باپ تو بیٹے کی وجہ سے عزت و بزرگی کے اونچے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں — جس طرح رسول اللہ کی وجہ سے عدنان مرتبہ علیہ کو پہنچے ۔

یہ عدنان بن اُدد جن کا ذکر مندرجہ بالا شعر میں ہے حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے تھے ۔

عدنان سے آٹھویں پشت میں کنانہ اور کنانہ کی چوتھی پشت میں فہر ملقب بہ قریش ہوئے ۔

قریش سے دسویں پشت میں آنحضرت صلعم کے والد ماجد عبد اللہ بن عبد المطلب تھے بنی ہاشم کے نسلی امتیاز کے بارے میں رسولِ خدا سے جو یہ قول منسوب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اولاد اسمٰعیلؑ میں سے کنانہ کو کنانہ میں سے قریش کو قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھکو منتخب کیا تو صاف مطلب اس کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی ہاشم پیدا کیا جیسا حضرت موسیٰؑ کو بنی لاوی میں پیدا کیا اور بنی لاوی کو بنی اسحٰقؑ میں پیدا کیا یعنی ہر نبی کا اسی خاندان میں پیدا ہونا پسند کیا جس میں وہ پیدا ہوا اس کے سوا کچھ نہیں ابن حزم کہتے ہیں جو کوئی اس قول کو دوسرے معنی پر محمول کرے وہ بتلائے کہ بنی ہاشم میں بھی جب کافر اور مشرک اشخاص تھے جو دوزخ میں ہوں گے تو ان میں اور دوسرے قریشی غیر قریشی خاندانوں میں پھر کیا فرق و امتیاز باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول تو سب سے

واضح ہے کہ اے انسانو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور مختلف شاخوں اور قبیلوں میں کر دیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تمھاری قرابتیں اور تمھاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمھیں کوئی نفع نہ دیں گی نیز فرمایا اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اولاد کے کام آسکے گا نہ کوئی بیٹا باپ کے گویا مدار فضیلت کا شرف نسب نہیں حسن عمل و کردار ہے۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ قریشی خاندانوں میں بنی امیہؓ رسول خدا کے کنبہ دار آپ کے دادا کے حقیقی چچیرے بھائی امیہؓ بن عبد شمس کی اولاد سے تھے صدر اول میں ملت اسلامیہ کی تعمیری خدمات ہاشمیوں کی بہ نسبت امویوں نے بدرجہا زیادہ انجام دیں۔ رسول خدا کے عمال میں غالب اکثریت ان ہی امویوں کی تھی حضرت ابوسفیانؓ کو نجران جیسے اہم سرحدی صوبہ کا عامل مقرر فرمایا تھا خلافت راشدہ میں حضرت ابوسفیانؓ کے دونوں فرزندوں حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ نے فتوحات و انتظامات ملک شام میں جو خدمات جلیلہ انجام دیں صفحات دہر پر منقوش ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے پیشرو حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام میں اسلامی بیڑا اندوہناک خانہ جنگیوں اور خوفناک خوں ریزیوں کے بھنور میں جا پھنسا تھا قریب تھا کہ قبائلی دشمنوں کے تھپیڑوں سے پاش پاش ہو جائے حضرت معاویہؓ نے بے نظیر تدبر، حلم و کرم، جود و سخا اور غیر معمولی فراست و انتظامی قابلیت سے سلامتی کے کنارے لگادیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ صحابہ کا یہ قول مشہور ہے کہ رسول خدا صلعم کے بعد صفت سیادت (سرداری) میں حضرت معاویہؓ کے مساوی کوئی نہ تھا کان ابوبکر و عمر و عثمان خیرٌ منه وهو اسود (البدایہ ج۸) یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ (دیگر فضائل میں) معاویہؓ سے برتر تھے مگر سرداری میں معاویہؓ بڑھ کر تھے ان کے باپ دادا سب اپنے اپنے وقت میں سادات قوم و قبیلہ رہے اور وہ خود بھی چالیس سال متواتر مسند سیادت و قیادت (سرداری و سربراہی) پر متمکن رہے بیس برس گورنر ملک شام اور بیس برس خلیفہ و امیر المومنین مگر نسبی تعلّی و تفاخر بالآباء کا اظہار کبھی نہ کیا حالانکہ نسباً رسول خدا صلعم کے کنبے کے اور آپ کے ہی کے دادا عبدالمطلب کے حقیقی چچیرے بھائی امیہؓ کے پوتے تھے۔ طرز معاشرت سادہ بے تکلف تھا انھوں نے یا ان کے اہل خاندان و اموی خلفاء

نے رہنے کو نہ قصر و محلات بنوائے اور نہ مال و دولت اکٹھا کیا ولا اکثروا احتجان الاموال ولا ابتناء القصور (جوامع السیر ابن حزم ص۳۵۱) دوسروں کو خصوصاً اکابر بنی ہاشم ابن عباسؓ و ابن جعفر و حسنؓ و حسینؓ کو بے تحاشا روپیہ دیتے ابن کثیر و دمیری و دیگر مورخین نے وظائف و عطایا کی اِن کثیر المقدار رقوم کا ذکر کیا ہے جو حضرت حسنؓ کو دی گئیں جن کی میزان بیس کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے (مزید تفصیل کتاب اہل بیت و آل محمدؐ میں ملاحظہ ہو) اموی خلفاء میں سے کسی کا بھی کوئی لقب نہ تھا اپنے سادہ ناموں سے آج تک مشہور ہیں۔ سرکاری کاغذات فرامین و مکاتیب میں کوئی تعظیمی لفظ امیر المومنین کے سوا کبھی نہ لکھا جاتا اور نہ اس طرح سے تخاطب کی اجازت دی جاتی ولا استعملوا مع المسلمین ان یخاطبوھم بالتمویل ولا التسوید (ایضاً) نہ عجمیوں کی طرح ان عرب سادات و خلفاء المسلمین نے جو اسلامی اخوت و مساوات کے متبع تھے نہ کبھی تعظیماً کسی سے زمین بوسی کرائی نہ اپنے ہاتھ پیر چموائے۔ القاب اختیار کرنے کی بدعت تو عباسی خلفاء نے شروع کی ان کی تقلید میں دو صدی بعد امامیہ نے اپنے ائمہ کے القاب تجویز کئے پھر تو یہ دستور چل پڑا۔ عبیدیوں نے خلفائے اندلس حتیٰ کہ قرامطہ جیسے مدعیان فاطمیت نے بھی شاندار القاب اختیار کئے۔ اموی خلفا کا سرکاری شعار (نشان) سفید رنگ تھا اور یہ رنگ رسول خدا صلعم کے ایک سفید عَلَم کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عَلَم (جھنڈے) تھے۔ ظل اور سحاب آخر الذکر سفید تھا اور ظل سیاہ۔ اموی خلفاء نے سفید رنگ بطور شعار اختیار کیا بنی عباس نے ظل کے سیاہ رنگ کو اپنا شعار بنایا[۵] ۔ رسول خدا صلعم

---

[۵] علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ولاشک ان بنی العباس کان السواد من شعارھم اخذوا ذلک من دخول رسول اللہ صلعم مکة یوم الفتح وعلی راسه عمامة السواد فاخذوا بذلک وجعلوہ شعارھم (البدایہ ج۱۰ ص۵۱) یعنی بلاشبہ بنی عباس کا شعار (سرکاری نشان) سیاہ تھا جو اس بنا پر اختیار کیا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلعم سیاہ عمامہ زیب سر کئے مکہ میں داخل ہوئے تھے چنانچہ عباسیوں نے اسی سے اپنا نشان سیاہ رکھا تھا خلیفہ مامون الرشید نے ولیعہد علی الرضا کے لئے سبز رنگ تجویز کیا تھا جو مجوسیوں کے معبد نوبہار کے پھریرے کا رنگ تھا (مروج الذہب) برمکی خاندان کے مورث اسی معبد کے پجاری تھے۔ قرامطہ و عبیدی فاطمیوں اور شیعوں کے لباس کا رنگ سفید ہوتا تھا۔

اکثر سفید اور سیاہ لباس زیب تن فرماتے تھے کبھی سرخ و سیاہ تاگوں کا بُنا کپڑا بھی استعمال فرما لیتے سبز رنگ کبھی استعمال نہیں کیا عمامہ بھی بیشتر سیاہ پہنتے فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ فرق مبارک پر تھا۔ حضرت عباسؓ ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا عمامہ بھی اکثر سیاہ ہوتا تھا سرداران قبائل کو حکومت نبویہ کی جانب سے سیاہ رنگ جھنڈا عطا ہوا تھا چنانچہ حضرت سعد بن مالک ابو الکنود ازدیؓ کو ایسا ہی جھنڈا عطا ہوا تھا جس میں سفید ہلال بنا ہوا تھا (الاصابہ ج ۲) صحیح النسب علویوں کی جو حکومتیں بعض اقطاع میں قایم ہوئیں کسی نے بھی سبز رنگ اختیار نہیں کیا خلیفہ مامون الرشید کے بعد سے جنہوں نے ولیعہد علی الرضا کے لیے سبز رنگ مقرر کیا تھا۔ عجمی شیعوں نے سبز رنگ کا رواج دیا جو متصوفہ میں بھی رواج پا گیا اور بمرور زمانہ نسبی سیادت و نسلی امتیاز کی عجمی اثرات سے یہ بھی ایک علامت قرار پائی ورنہ شیعوں یا علویوں کے لباس کا نہ کوئی مخصوص رنگ تھا اور نہ ولیعہدی جناب علی الرضا سے قبل سبز رنگ کا ان کے لباس میں شمول تھا

وَلَمْ تکن الخضرة قبل المامون من لباس العلويين والمتشيعين بل كانت شعار عبدة النار (الاسلام الصحیح) نیز مورخ المسعودی کا بھی قول ہے کہ سبز رنگ تو آتش پرستوں کی نشانی تھا۔ ولیعہدی کی مدّت تو چند سال رہی مگر بقول ابن حجر الہیتمی کچھ عرصہ بعد تک علویوں کے عماموں پر سبز پٹی باندھنے کا رواج رہا پھر رواج متروک ہو گیا لیکن ۷۷۳ھ میں ممالیک خاندان کے سلطان الاشرف شعبان کے حکم سے پھر رواج ہوا ابن جابر شاعر کہتا ہے کہ "ابناء الرسول" کی یہ خاص علامت ہے کہ ان کے چہروں کی چمک دمک "نور نبوت" سے ہوتی ہے اور سبز لباس تو "الشریف" کی نشانی ہے (طرفۃ الاصحاب)

نور النبوۃ فی وسیھم وجوھھم ۔۔۔ یُغنی الشریف عن الطراز الاخضر

اب دیکھیے سبز رنگ کے مقابلہ میں عباسیوں کے سرکاری سیاہ رنگ کو جو اس بنا پر جیسا ابھی ذکر ہوا بطور شعار اختیار کیا گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ زیب سر کئے شہر میں داخل ہوئے تھے نیز اس عَلَمِ نبویّہ یعنی ظِلّ کا رنگ جو غازیان اسلام فتح مکّہ میں اُٹھائے ہوئے تھے سیاہ تھا اور حضرت عباسؓ و ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ بھی اکثر سیاہ عمامہ پہنتے تھے مگر شیعہ راویوں نے اپنے ایک امام کی زبانی سیاہ رنگ کے استعمال کو معاذ اللہ کس درجہ قبیح بتلایا ہے اور کہا ہے کہ۔۔۔

"جناب صادق سے کسی نے پوچھا سیاہ کلاہ پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا سیاہ کلاہ پہن کر نماز نہ پڑھو فانہا لباس اھل النار کیونکہ یہ تو دوزخیوں کا لباس ہے نیز امیر المومنین (علیؑ) نے اپنے اصحاب سے کہہ دیا تھا لا یلبسوا السواد فانہ لباس فرعون۔ سیاہ لباس مت پہنو کیونکہ یہ فرعون کا لباس تھا۔

(کتاب من لا یحضرہ الفقیہ صلاث)

وہ جھنڈے و پھریرے ہوں یا درباری و سرکاری لباس کے رنگ و تراش یہ سب تو لوازمات حکومت ہوتے ہیں غیر حکمران خاندان کا مخصوص رنگ خاندانی و نسلی امتیاز ہی کی خاطر ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اولاد حسینؓ کی نسبی برتری اور ایرانی و علوی اتحاد کی خاطر آخری شہنشاہ ایران یزدگرد کے شہربانو نام ایک بیٹی قرار دے کر اسے حضرت حسینؓ کی زوجہ اور ان کے فرزند جناب علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کی والدہ ماجدہ بتانے کے لئے ایک حکایت وضع کی جس کی پوری تکذیب تاریخ وانساب کے حوالہ جات کے "تحقیق مزید" میں کی گئی ہے اور خود شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے صاف کہدیا کہ اللہ تعالٰی نے جناب علی بن حسینؓ کو جو فرزند نواسہ رسول خدا ہونے کا امتیاز رکھتے تھے "یزدجرد شہریار المجوسی" جیسے شخص کی اولاد دختری میں شامل ہونے کی برائی سے محفوظ رکھا جو بے نکاحی عورت کے بطن سے تھا۔ بہرحال سبائی راویوں نے اولاد حسینؓ کے مادری نسب کو ساسانی قرار دیکر سیاسی مقاصد سے خلافت وحکومت کا انھیں جائز وارث اور حقدار ٹھیرایا چنانچہ مولف تجلیات روح ایران فرماتے ہیں "بدیں سبب تنہا این خاندان می توانست بطور شروع صاحب تخت و تاج کیانی بشود"۔ "تخت و تاج کیانی" تو کیا اسلامی حکومت اور خلافت کے لئے اولاد حسینؓ میں سے چوتھی صدی ہجری تک کوئی ۶۰ خروج بیشتر ایرانیوں کی مدد سے مختلف اوقات میں ہوئے چند تو اموی خلفاء کے مقابلے میں تھے باقی سب اپنے ہی ہاشمی گھرانے کے خلفائے بنو العباس کے خلاف ہوئے جو اکثر ناکام رہے۔ ناکامیوں کا سارا الزام مفروضہ غاصبین پر عائد کیا گیا حالانکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہے جسے چاہے ملک وحکومت وتمکین فی الارض عطا فرمائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایک رافضی مؤلف کے ایسے ہی استحقاق اولاد علیؓ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:-

در عنایت اولٰی مقرر بود کہ ہیچ گاہ حضرت مرتضیٰؓ و اولاد او تا دامانِ قیامت منصور نہ شوند و ہیچ گاہ خلافت ایشان علی وجہہا صورت نہ گیرد بلکہ از میان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکہ مقتول گردد۔

(ازالۃ الخفاء ج ۱ صـ ۲۸۳)

یہ امر تو مشیت الٰہی میں مقرر تھا کہ حضرت مرتضیٰؓ اور ان کی اولاد قیامت کے وقت تک کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوں اور کسی طرح سے بھی ان کی خلافت کی شکل جیسی کہ چاہیئے نہ بن سکے۔ بلکہ جو کوئی ان میں سے اپنے لئے دعوت اس کی (خلافت کی) دے اور آمادہ جدال وقتال ہو ناکام رہے بلکہ مقتول ہو۔

حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کی نافرمانی اور اپنی بے بسی کا اپنی تقریروں میں بار بار جو اظہار کیا ہے وہ آپ پڑھ چکے ہیں ان کی ذات میں بقول پروفیسر نکلسن ایک حکمران ہونے کے علاوہ بہت سی عمدہ صفات موجود تھیں مگر اپنے زمانہ کی اندوہناک خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کے نہ روک سکنے کی وجہ سے ان کی پوزیشن ایسا خراب ہو گیا کہ تقریباً ایک صدی تک خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا ذکر تو خطبات میں کیا جاتا تھا ان کا نام نہیں لیا جاتا تھا پھر ان کے ساتھ ان کے خاندان بنی ہاشم کو بھی حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں غلط طور سے مطعون و متہم کیا جانے لگا تھا ایک اموی شاعر ولید بن عقبہ نے کہا تھا ؎

بنی هاشم إنّا وَمَا كَانَ بيننا — كصدع الصفا يُرْأَبُ الدهر شَلْعُبُه

اے بنی ہاشم! ہم لوگ اور وہ جھگڑے جو ہم لوگوں کے درمیان ہیں۔ — چٹان کی دراڑ کی طرح ہیں جن کو جوڑنے والا جوڑ نہیں سکتا۔

بنی هَاشِم كَيْفَ التَعَدُّرُ عِنْدَنا — وَبَزُّا ابنِ أرْوى فِيكُمْ وَحَوائبُه

اے بنی ہاشم! یہ عذر و معذرت ہمارے ساتھ کیسی؟ — جبکہ ابن اروی (عثمانؓ) کے جسم سے اتارے ہوئے کپڑے اور سامان تمہارے پاس ہیں۔

بنی هاشِم اَدُّوا سِلاحَ ابنِ اُختِكُمْ — وَلا تَنْهَبُوهُ لا تَحِلُّ مَنَاهِبُه

اے بنی ہاشم! اپنے بھانجے (عثمانؓ) کے اسلحہ دیدو — اور ان کے اسلحہ نہ لوٹو یہ لوٹ حلال نہیں

فالا تردّوہ الینا فانہ سواء علینا قاتلہ وسالبہ

اگر تم ان کے اسلحے وغیرہ کو ہمارے پاس واپس نہیں کرتے تو پھر ہمارے نزدیک ان کے قاتل اور ان کے مال کو ہتھیانے والے دونوں برابر ہیں۔

مگر بنی ہاشم کا نہ قتل کی سازش سے تعلق تھا اور نہ سلب اور مال ہتھیانے سے یہ بدگمانی خانہ جنگیوں کے ان حالات نے پیدا کی جن میں حضرت علیؓ قصاص خون عثمانؓ نہ لے سکے تھے جس کی وجہ سے ان کا پوزیشن خراب ہوتا گیا تھا ان ہی کے ایک فرد خاندان امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ ہی نے جنھوں نے حضرت موصوف کا نام خطبوں میں شامل کرنے اور ان کے فضائل بیان کرنے کی ابتدا کی تھی اپنی ایک تقریر میں بتایا تھا کہ سیاست وقتی پر قابو نہ پا سکنے کی وجہ سے ان کے وقار کو صدمہ پہنچا بالآخر پنچوں نے متفقہ فیصلہ صادر کر کے منصب خلافت سے معزول کر دیا اور اُمت اسلامیہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا (طبری) شاہ ولی اللہؒ نے ان کے مناقب کی بہتات کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ایام میں چونکہ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور معصروں کے دل ان کی جانب سے برگشتہ ہو گئے تھے بقیہ صحابہ نے اس فتنہ کے دفعیہ کی غرض سے اپنے ترکش کا ہر تیر پھینکا پھر فتنہ تشیع نے سر اٹھایا اور حدیثیں وضع کیں (ج۲ ص۲۹۰) شاہ صاحب نے موضوع احادیث سے اظہار بیزاری کے باوجود بعض صد درجہ مہمل حدیثیں بھی مناقب کی درج کر دی ہیں مثلاً آفتاب غروب ہو جانے سے نماز عصر ان کی قضا ہو گئی تھی مگر آفتاب عالمتاب غروب ہو جانے کے بعد پھر لوٹ آیا دھوپ سارے میں پھیل گئی انھوں نے اپنی نماز عصر پڑھ لی بیسیوں ایسی ہی واہی حکایتیں گھڑی گئیں پھر ان کے فرزند حضرت حسینؓ کے قائم حکومت کے خلاف خروج کی اندوہناک ناکامی کے بعد سے ان کی مظلومیت کی مبالغہ آمیز داستانیں وضع کرنے تک خلیفہ وقت اور برسر اقتدار خاندان کو مطعون کرنے کی غرض سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے ہاشمیوں اور امویوں کے حسب ونسب میں بھی جو دو حقیقی بھائیوں کی اولاد ہیں فرق وامتیاز پیدا کرنے کی ذلیل کوشش کی گئی نہج البلاغہ کے مصنف نے تو یہ الفاظ بھی حضرت علیؓ سے منسوب کئے ہیں جو کہا جاتا ہے انھوں نے اپنے دادا عبدالمطلب کے حقیقی چچا کے بیٹے امیہ کے پروتے حضرت معاویہؓ کو ایک مکتوب میں لکھے تھے کہ تم لوگوں کو تو ہم نے مناکحت کے رشتوں سے اپنے میں ملا لیا تھا ورنہ تم ہمارے ہم کفو نہیں ہو ان خلطنا کم بانفسنا فنکحنا وانکحنا فعل

الاکفاء ولستم ھناک۔ محال ہے کہ حضرت علیؓ اپنے ہم جد وہم نسب پر ایسا طعن کرسکتے ہم کفو ہونے کے علاوہ دنیاوی شرف وسیادت میں اموی گھرانا اپنے بنو اعمام ہاشمی گھرانے سے بیشتر تھا باوجود سیاسی اختلاف کے صلہ رحمی کا جو سلوک اپنے عہد حکومت میں امویوں نے اپنے ہاشمی عزیزوں سے کیا اس کا مختصر حال بیان ہوچکا ہے۔ امیرالمؤمنین ہشام بن عبدالملکؒ کی خلافت کا آغاز ۱۰۵ھ سے ہوا اس زمانہ میں ہاشمی خاندان کے سربراہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور فرزند جناب علی السجادؒ تھے انھوں نے ہی چند سال پیشتر یعنی ۱۰۰ھ سے عباسی خلافت کی تحریک چلائی تھی اس کے کچھ عرصہ بعد جب وہ امیرالمؤمنین موصوف کے پاس گئے ان کے یہ دونوں بیٹے جو بعد میں خلیفہ عبداللہ السفاحؒ وابوجعفر المنصورؒ کہلائے ساتھ تھے حسب روایت علامہ ابن کثیرؒ امیرالمؤمنین نے ان کا اکرام کیا اور تیرہ لاکھ روپیہ کا عطیہ مرحمت کیا اثنائے گفتگو میں جناب علی السجاد عباسیؒ نے اموی خلیفہ سے بولا کہہ دیا کہ میرے یہ دونوں بیٹے خلافت پر فائز ہوں گے۔ انما سیلیان الامر (البدایہ) امیرالمؤمنین کو یہ بات سنکر استعجاب تو ہوا مگر عزیزانہ برتاؤ میں کمی نہ کی۔ انقلاب حکومت کے نصف صدی بعد امیرالمؤمنین ہارون الرشیدؒ کے عہد خلافت میں جب تقسیم وظائف و خاندانی امور کی نگرانی کی غرض سے نقابت بنی ہاشم کا ادارہ قایم ہوا جس کا تفصیلی ذکر پچھلے ابواب میں آیا ہے ایک اموی نے خلیفہ کو یاد دلایا تھا کہ ہاشم اور عبدشمس ایک ماں باپ کے بیٹے برابر کی اولاد تھے صلہ رحمی کا پاس ولحاظ رہے کہ عبدشمس تو عبدالمطلب کے چچا ہی تھے کہا تھا۔

یا امین اللہ انی قائل	قول ذی فھم وعلم ولدب
عبدشمس کان یتلوھاشماً	وھما بعد لام ولاب
فاحفظ الارحام فینا انما	عبدشمس عم عبدالمطلب

ضمناً اس کا بھی ذکر آیا ہے کہ عباسی عہد میں اموی اشخاص عہدہ قضا وغیرہ جیسے اہم مناصب پر برابر فائز رہے۔ سبائی راویوں نے اپنے مقاصد سے تاریخی واقعات کو حد درجہ مسخ کرکے پیش کیا ہے حضرت مروانؓ کے مہتم کرنے میں تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اب دیکھئے ان ہی حضرت مروانؓ کو حضرت حسینؓ سے ایسی محبت تھی کہ جب ان کے فرزند جناب علی بن الحسینؒ کے بیاہتا بی بی سے دو تین بچوں کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی حضرت مروانؓ نے ان کو کنیزیں

رکھنے کیلئے ایک لاکھ کی رقم دی تاکہ اولاد ہو اور نسل حسینی کی افزائش فاقرضہ مائۃ الف فاشتری لہ السراری فولدت لہ وکثر نسلہ (البدایہ ج۸ ص۱۰۴) حضرت مروانؓ کی دی ہوئی رقم سے جو بعد میں وصول نہیں کی کنیزیں حاصل کیں جن کے بطن سے سات آٹھ بیٹے پانچ بیٹیاں ہوئیں ان سے نسل حسینی چلی۔ پھر مروانی گھرانے سے علوی و حسینی گھرانے کی متعدد قرابتیں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت علیؓ کی ایک دختر تو خود امیر المومنین عبدالملک بن حضرت مروانؓ کے عقد میں تھیں (ایضاً ص۱۰۴) دوسری صاحبزادی رملہ ان کے بھائی معاویہ بن حضرت مروانؓ کے نکاح میں آئیں (کتاب نسب قریش ص۹۹) حضرت علیؓ کے پوتے زید بن حسنؓ کی دختر نفیسہ امیر المومنین الولید بن عبدالملک کو بیاہی گئیں (عمدۃ الطالب ص۴۳) حضرت حسن کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ بھی امیر المومنین الولید بن عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں (کتاب نسب قریش ص۵۲) حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سکینہ بنت حسینؓ کی بیٹی ربیحہ جو ان کے ایک شوہر عبداللہ بن عثمانؓ کے صلب سے تھیں امیر المومنین الولید بن عبدالملک کے فرزند عباس کی زوجہ تھیں (ایضاً ص۵۹) حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ کی ایک پوتی فاطمہ بنت محمد بن حسن مثنیٰ بھی مروانی گھرانے میں ابوبکر بن عبدالملک بن حضرت مروان کو بیاہی گئیں (ایضاً ص۵۳) حضرت حسنؓ کی ایک پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؓ کے بھتیجے کے فرزند اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب) اور ایک اور پوتی جناب حسنؓ کی خدیجہ بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے ان ہی اسماعیل اموی کے عقد میں تھیں ان سے حضرت حسن کے چار اموی نواسے ہوئے (ایضاً) پھر حضرت حسن کی ایک اور پوتی بھی معاویہ بن حضرت مروانؓ کے عقد میں آئیں جن سے حضرت حسنؓ کے مروانی نواسہ ولید بن معاویہ تھے (جمہرۃ الانساب ص۳۸ و ص۱۰۱) غرضیکہ علوی و حسنی و حسینی گھرانوں کے مناکحت و مصاہرت کے رشتے مروانی گھرانے سے برابر ہوتے رہے جو قطعی ثبوت ہیں ان گھرانوں کے باہمی محبت و مودت کا نہ کہ دشمنی و عناد کا جو کذابین وضعی روایتوں میں بیان کرتے علویوں کی نسبی برتری و سیادت کو جھوٹی حدیثوں سے خوب اچھالتے اور ان ہی کے ہم کفو و ہمسر اموی سادات کو نسباً گھٹیا بتاتے اور اموی خلفاء کی منقصت و تضحیک میں بے بنیاد حکایتیں اور قصے تراشتے رہے ہیں یہاں مثالاً ایک شرمناک اور قطعی جھوٹے قصے کا ذکر کرنا ضروری ہوا۔

جناب علی بن الحسین (زین العابدینؒ) جیسا آپ بھی جانتے ہوں گے ۹۳ھ میں وفات پاگئے تھے ان کی وفات سے تیرہ برس بعد اور خلیفہ ہونے کے دوسرے سال یعنی ۱۰۶ھ میں امیر المومنین ہشام بن عبد الملکؒ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے حجاز آئے اس سے پہلے اپنے والد یا اپنے کسی بھائی کے عہد خلافت میں انھوں نے کوئی حج نہیں کیا تھا یہ پہلا اور آخری حج کیا اور امیر حج کی حیثیت سے لوگوں کو حج کرایا وحج بالناس فی ھٰذہ السنۃ امیر المومنین ھشام بن عبد الملک (البدایہ ج ۹ ص ۲۳۴) اب دیکھئے اس اموی خلیفہ کے امیر حج ہونے کی تضحیک وتحقیر اور جناب علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کی رفعت مکانی ونسبی علوئے مرتبت کے اظہار میں یہ شرمناک اور قطعی بے بنیاد قصہ اختراع کیا گیا کہ یہ امیر المومنین جو امیر حج تھے لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکے تو کرسی بچھا کر بیٹھ گئے اہل شام ان کے گرد کھڑے ہو گئے فاھم اھل الشام حولہ اتنے میں جناب علیؒ زین العابدین آئے لوگوں کی بھیڑ انھیں دیکھتے ہی کائی کی طرح پھٹ گئی حجر اسود کو انھوں نے بآسانی بوسہ دے لیا امیر المومنین واہل شام دیکھنے کے دیکھتے ہی رہے کسی شامی نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں فرزدقؔ شاعر نے جسے وہاں موجود بتایا ہے سوال کے جواب میں اٹھائیس شعر کا قصیدہ جناب علی زین العابدینؒ کی شان میں ارتجالاً کہہ دیا جس کے پہلے شعر میں کہا تھا کہ یہی تو ہیں کہ سرزمین بطحا ان کے قدم پہچانتی ہے، کعبہ انھیں جانتا ہے اور حرم کے حصے بھی" دیکھا آپ نے جن بزرگ کی آمد سے لوگوں کا ہجوم کائی کی طرح پھٹ جائے اور فرزدق شاعر مدحیہ قصیدہ فی البدیہہ کہہ ڈالے وہ بزرگ تو اس دنیا میں اس وقت موجود بھی نہ تھے۔ اس سے تیرہ برس پہلے ہی وفات پاگئے تھے یہ قصیدہ نہ فرزدق نے کبھی کہا نہ اس کے اصل دیوان میں شامل ہے ایک ایڈیشن میں بلنسبہ الی الفرزدق لکھ کر البتہ شامل کر دیا ہے وہ تو اپنے زمانہ میں شاعر بنی امیہ مشہور تھا کسی ہاشمی کی مدح میں ایک شعر بھی اس کے دیوان میں نہیں ہے۔ پھر فرزدق سے اس منسوبہ قصیدہ میں اضافے بھی بہت کچھ کئے گئے ہیں اور دونوں حماسوں میں اس کے ابتدائی اشعار کو حزین لیثی شاعر کا کلام بتایا ہے آمدی نے اپنی کتاب "مؤتلف ومختلف" میں حزین کنانی کا کلام کہا ہے اور بتایا ہے کہ اس نے عبد اللہ بن عبد الملک اموی کی مدح میں یہ اشعار کہے تھے جو مصر کے گورنر تھے مرزبانی شیعی جیسے نقاد نے ابتدائی چاروں بیتوں کو کلام عرب کے قدیم نقاد دلیل بن علی مؤلف

طبقات الشعرا کے حوالے سے کثیر بن کثیر سہمی کا کلام بتایا ہے غرضیکہ ماہرین فن میں سے کسی نے بھی فرزدق کا کلام نہیں بتایا۔ امام ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت قثم بن عباس بن عبدالمطلبؓ کے تذکرہ کے تحت چھ شعر اسی بحر میں قصیدے کے نقل کئے ہیں اور کہا ہے کہ داؤد بن مسلم شاعر نے ان کی مدح میں کہے تھے۔ یہ قصیدہ حضرت قثمؓ کے ایک ہمنام بھتیجے کے فرزند کی مدح میں ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ یہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ اس جھوٹے قصے کے گھڑنے والے نے اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ مناسک حج سب امیر حج ہی کی قیادت میں ادا کئے جاتے ہیں وہ عہد فوجی نظم کے ساتھ شکوہ دین کا عہد تھا بدنظمی دھینگا مشتی کا زمانہ نہیں تھا کیسے ممکن تھا کہ امیرالمومنین پر جو امیر حج بھی تھے کوئی سبقت کر سکتا۔ مناسک حج میں حجر کا چومنا ضروری نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ناقہ پر سوار ہو کر طواف کیا تھا اور چھڑی سے اشارہ کر دیا کرتے تھے کہ لوگ دیکھ لیں۔ (فرزدق ہی کے دیوان میں صراحتاً بیان ہے کہ امیرالمومنین ہشامؒ کی مصاحبت میں فرزدق مکہ گیا حج کیا اور مدینہ کی واپسی میں ایک بات پر خوش ہو کر پانسو درہم اسے انعام دیئے تھے۔

لما حج ھشام بن عبدالملک صحبہ الفرزدق من المدینۃ حتی حج ورجع الی المدینۃ فامر لہ بخمسمائۃ درھم۔ اس پر فرزدق نے مداحیہ اشعار کہے اس کے دیوان میں اموی اکابر کی مدح میں آٹھ دس قصیدے اور حضرت مروانؓ کے صاحبزادے بشر اور دوسرے امویوں کے مرثیے بھی ہیں کسی ہاشمی کی تعریف میں کوئی قصیدہ ہے نہ کسی ہاشمی کا کوئی مرثیہ جس کسی نے یہ جھوٹا قصہ گھڑا ہے اُسے نہ اموی عہد کے شعرا کا کچھ حال معلوم تھا نہ اموی خلفائے سیئین خلافت کا علم تھا نہ حسنی و حسینی علویہ خواتین کے اموی خلفاء اور ان کے بھائیوں بھتیجوں کی زوجیت میں آنے کی کچھ خبر تھی۔ اور نہ آئین و آداب حکومت کی معلومات تھیں مثل مشہور ہے عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے' قصہ گو کا ذرا یہ ایک اور جھوٹ یعنی جھوٹ پہ جھوٹ ملاحظہ ہو کس ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ فرزدق کے منہ سے زین زین حسینؓ کی مدح میں قصیدہ سنتے ہی امیرالمومنین ہشام ایسے آگ بگولہ ہو گئے کہ قید خانہ میں ڈلوا دیا اور قید خانہ تجویز کیا تو عسفان مقام کا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ پھر کہتا ہے کہ سزائے قید کا حال سنکر جناب علی (زین العابدینؒ) نے بارہ ہزار روپیہ بطور انعام فرزدق کو بھجوایا پہلے تو یہ کہہ کر اس نے روپیہ لینے سے انکار کیا کہ میں نے تو اللہ واسطے نصرت حق اور ذریت رسول اللہ کے حقوق کی پاسداری میں قصیدہ کہا ہے۔ قسم دلائی گئی تو قبول کر لیا ساتھ ہی امیرالمومنین ہشامؒ کی ہجو میں کچھ شعر کہہ دیئے گویا کذاب راوی کی

یا وہ گوئی کے بموجب علی (زین العابدینؒ) متوفی ۹۳ھ نے اپنی وفات سے ٹھیک تیرہ برس بعد ۱۰۶ھ میں شاعر کے منہ سے اپنی تعریف میں یہ قصیدہ عالم روحانیت میں سنا اور سنکر ایسے محظوظ ہوئے کہ صلہ و انعام کی یہ کثیر رقم قصیدہ گو کے لئے خزانہ غیب سے ارسال فرمائی!!

اب دیکھنا یہ ہے کہ امیر المومنین ہشامؒ ہی کو اس تضحیک و تحقیر کے لئے راوی نے کیوں منتخب کیا کسی اور خلیفہ کا نام کیوں نہیں لیا۔ تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ امیر المومنین موصوف جیسے حلیم و عفیف خلیفہ کے عہد میں کوفیوں کے ورغلانے سے حضرت حسینؓ کے پوتے زید بن علی بن حسینؓ اور ان کے فرزند یحییٰ نے بغاوت کی تھی اور یہ دونوں اپنے خروجوں اور بغاوتوں میں یکے بعد دیگرے ناکام رہ کر ہلاک ہوگئے تھے۔ سبائی راوی بھلا ایسے خلیفہ کو کیوں بخشتے جس کے عہد میں یہ واقعات ہوئے۔ اموی عہد کے بہت بعد اس قسم کے بے بنیاد قصے گھڑ کر مشہور کئے جو روایت پرستی سے غیر شیعہ مؤلفین نے بھی نقل راچہ عقل کے طور سے نقل کر دیئے ہیں۔ درایتاً نظر ڈالنے اور حقائق سے پرکھنے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی۔

آیئے ذرا تاریخی حقائق کی روشنی میں مکذوبہ روایت کو پرکھئے۔ کتب انساب و تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ فرزدق[1] و جریر یہ دونوں شاعر جو چالیس دن کے تفاوت سے ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے تھے نسباً تمیمی مولداً بصری اموی خلفاء کے درباری شاعر تھے اور شاعری اُمیہ

---

[1] فرزدق تخلص نام ہمام بن غالب صحیح العقیدہ مسلمان حافظ قرآن تھا جریر بن الخطفی بھی اس کا ہم قبیلہ و ہمعصر تھا۔ یہ دونوں شاعر اموی خلفاء کے متوسل تھے۔ ابو مخنف جیسے شیعہ راویوں نے اس زمانہ سے چھیالیس برس پہلے فرزدق کی موجودگی مکہ معظمہ میں اس وقت بتلائی ہے جب حضرت حسینؓ عراق کو خروج کر رہے تھے لکھا ہے کہ فرزدق نے ان سے گفتگو بھی کی تھی وہ تو عراق چلے گئے تھے اور فرزدق اپنے اہل و عیال کے پاس عسفان مقام پر چلا گیا تھا یعنی اسی مقام پر جہاں چھیالیس برس بعد اس جھوٹے قصے میں اسے قید کیا جانا بتایا ہے۔ مورخ طبری نے ابو مخنف کی روایتیں اس کے منہ سے حضرت معاویہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جیسے محترم صحابہ کی شان میں قبیح الفاظ میں کہلوائے ہیں (طبری ج ۷ صفحہ ۱۲) فرزدق و جریر کے معاصرین میں الاخطل شاعر بھی تھا جو عیسائی اور بد سیرت تھا ان تینوں میں جریر فن شعر میں فائق تھا خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی کو شعراء سے دلچسپی نہ تھی سوائے جریر کے اور کسی شاعر کو باریابی کا موقع ان کے یہاں نہ ملا جریر نے خلیفہ موصوف کی مدح میں چند شعر کہے تھے جن میں پہلا شعر جس میں انھیں امام عادل کہا ہے یہ تھا۔

ان الذی بعث النبی محمداً ۔۔۔ جعل الخلافة للامام العادل

کہلاتے تھے۔ جریر اور فرزدق بار بار دمشق جاتے، اموی خلفاء کے یہاں حاضر باش رہتے فرزدق کے ترجمے کے علاوہ ابن کثیر جریر کے تذکرہ میں کہتے ہیں:۔

قدم دمشق مرارا وامتدح یزید بن معاویہ والخلفاء من بعدہ۔ (البدایہ ج ۹ صـ۲۶۰)	بار بار دمشق جاتے رہتے اور یزید بن معاویہؓ اور ان کے بعد کے خلفاء کے مدحیہ قصائد کہے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح امیر المومنین ہشامؒ کے یہاں بھی جو بڑے کفایت شعار تھے شعرا کو بمشکل باریابی کا موقع ملتا اور ان کے بھائی سلیمان بن عبدالملکؒ نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے دوسرے سال ۹۷ھ میں اور بہ روایت مورخ طبری ۹۹ھ میں جب حج کیا یہ دونوں شاعر فرزدق اور جریر بھی ساتھ تھے ان ہی کی امارت حج میں ان شاعروں نے بھی مناسک حج ادا کئے وحج سلیمان بن عبدالملک وحج الشعراء معہ (طبری ج ۸ صـ۱۲۱) حج سے واپسی پر موکب خلافت جب نواحی مدینہ منورہ میں پہنچا اشراف واعیان مدینہ نے حسب دستور استقبال کیا، دربار منعقد ہوا۔ ہاشمی اکابر حاضر دربار رہے۔ حضرت حسنؓ کے پوتے عبداللہ بن حسن مثنی کو جو حضرت حسینؓ کے نواسے بھی تھے بوجہ قرابت خلیفہ نے اپنے قریب بٹھایا عبداللہ مذکور کی بہن زینب بنت حسن مثنیٰ یعنی حضرت حسینؓ کی نواسی اور جناب محمد (الباقرؒ) کی سالی خلیفہ موصوف کی بھاوج تھیں نیز دوسری علویہ خواتین بھی جن کا ذکر اوپر آیا ہے اسی مروانی گھرانے میں بیاہی گئی تھیں۔ اس وقت رومی قیدی جن کی تعداد چار سو کے قریب بتائی گئی ہے دربار حکم کی غرض سے پیش ہوئے سب پہلے عیسائی بطریق پیش کیا گیا امیر المومنین نے اس کی گردن مارنے کا عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو حکم دیا تعمیل حکم میں عبداللہ نے تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ قیدی کی گردن کٹ کر سر دور جا پڑا۔ امیر المومنین نے ان کی تیغ زنی کی تعریف کی پھر اور لوگوں کو حکم ہوتا رہا قیدی قتل ہوتے رہے جریر شاعر نے بھی ایک ہی وار سے ایک قیدی کی گردن اڑا دی فرزدق کی جب باری آئی اس نے کئی ضربیں لگائیں مگر گردن نہ کٹ سکی سب لوگ ہنس پڑے فرزدق نے عذر و معذرت میں فی البدیہہ شعر کہے۔ دیوان فرزدق میں ہے جیسا دوسری جگہ ذکر آیا ہے کہ امیر المومنین نے انعام عطا کیا۔

أیعجب الناس ان اضحکت خیرھم	خلیفۃ اللہ یستسقی بہ المطر
کیا لوگ تعجب کرتے ہیں کہ میں نے اُن کے بہترین کو ہنسا دیا	جو اللہ کے خلیفہ ہیں جن کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔

فما نبا السیفُ عن جُبنٍ ولا دھش | عند الامام ولکن اخر القدرُ
امام کے حضور تلوار جو بلند ہوئی نہ بزدلی تھی نہ وحشت | لیکن تقدیر نے موت کو ٹال دیا

ولو ضربتُ علی عمرٍ مُقلّدَہ | لخرّ جُثمانہ ما فوقہ شَعَرُ
اگر کسی زندہ شخص کی گردن پر تلوار مارتا | تو اس کا دھڑ اس طرح گر جاتا کہ لانبے بالوں کا سر اس پر رہتا

وما یُعجّلُ نفسا قبلَ میتتھا | جمع الیدین ولا الصّمصامة الذکر
موت سے پہلے کسی کی جان لینے میں | نہ دوستی کا حملہ کام آیا نہ تیز دھار کی تلوار

جریر نے بھی ایک شعر میں کہا تھا۔

ضربتَ بہ عند الامام فارعشت | یداك وقالوا مُحدَثٌ غیرُ صائم
امام کے حضور تم نے تلوار ماری تو تمہارے ہاتھ کانپ گئے | لوگوں نے کہا کہ یہ کوئی نو آموز ہے تلوار کا دھنی نہیں

امیر المومنین سلیمان کے سفر حج کے اس تاریخی واقعہ سے جو شیعہ مورخ طبری ہی نے اسناد سے بیان کیا ہے قصیدہ گوئی کے جھوٹے قصہ کی تکذیب کے سلسلہ میں چند امور کی وضاحت ہو جاتی ہے ایک یہ کہ فرزدق و جریر اموی خلفاء کے درباری شاعر سفر و حضر کے حاضر باش تھے اموی خلفاء کو جنھیں شاعروں نے اپنے اشعار میں خلیفۃ اور اور امام کہا ہے حسب رواج زمانہ وہ اپنا امام ہی مانتے اور کہتے تھے دیوان فرزدق میں جیسا ذکر ہوا کسی ہاشمی کی تعریف و مدح میں ایک شعر بھی نہیں چہ جائیکہ فرزند حسینؓ کی شان میں شاعر بنی امیہ فرزدق کے دیوان میں ایسا قصیدہ شامل ہوتا جس کے بعض اشعار میں شیعیت کے جذبات کا اظہار ہو ممکن نہیں۔ اس زمانہ کا دستور تھا کہ موکب خلافت کی آمد کی اطلاع ملنے پر از خود یا نائب مدینہ و مکہ کے اہتمام سے اہل مکہ و مدینہ شہر سے باہر جا کر امیر المومنین کا استقبال کرتے دربار منعقد ہوتا اعیان و اشراف ہاشمی و غیر ہاشمی اپنے امام و امیر المومنین سے ملاقاتیں کرتے اور حسب مراتب و تعلقات قرابت مجالست و مکالمت کرتے جیسا مورخ طبری نے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے متعلق بتایا ہے کہ امیر المومنین نے حاضرین دربار میں سے انھیں اپنے پہلو میں جگہ دی واقربہم منہ مجلسا عبد اللہ بن حسن (الغیاثؓ ۱۲)

یہ مروانی خلفاء اپنے حسنی و حسینی قرابتداروں سے عزیزانہ برتاؤ کرتے حسن سلوک سے پیش آتے امیر المومنین سلیمان کے بھائی امیر المومنین الولیدؒ بتعلق قرابت جناب علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے بھتیج داماد تھے ان کی دو بھتیجیاں نفیسہ بنت زید حسنؓ و زینب بنت حسن مثنیٰ ان کے عقد میں تھیں یعنی ان کی دو پھوپھیاں دختران حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی امیر المومنین

عبدالملکؒ اور ان کے بھائی معاویہ بن مروانؒ کو بیاہی گئی تھیں۔ ہاشمیوں اور امویوں (مروانیوں) میں جو ایک ہی خاندان بنو عبد مناف سے تھے شادی بیاہ ہونا قدرتی بات تھی پھر ایسے گھرانے میں جو دنیاوی اعزاز و منزلت میں تمام قریشی گھرانوں سے بلند تر تھا ہاشمی اکابر کا اپنی بیٹیاں بیاہنا بھی قدرتی بات تھی اس زمانہ میں نہ عقائد کا اختلاف تھا نہ مذہبی فرقے پیدا ہوئے تھے شیعہ وخوارج کی حیثیت تو اس وقت تک محض سیاسی پارٹیوں کی تھی۔ تمام ملت اسلامیہ اپنے ایک ہی قائد کی متبع تھی اسی کا حکم ہر جگہ نافذ تھا ہاشمی وغیر ہاشمی سب اسی کی بیعت میں تھے وہی امام وامیر المومنین تھا۔ کوئی دوسرا نہ امامت کا مدعی تھا اور نہ امام کہلا سکتا تھا اور نہ کسی کو امیر المومنین کی بدگوئی یا تضحیک کی مجال ہو سکتی تھی کوئی اجل رسیدہ ایسی جسارت کرتا قید و بند ہی کی نہیں قتل کی سزا پاتا۔

فرزدق سے جو قصیدہ منسوب ہے اس کے بعض اشعار میں شیعیت کے جن جذبات کا اظہار ہے وہ یقیناً عہد عباسیہ کی پیداوار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کسی شیعہ ادیب وشاعر کو اس قصیدے کا مطلع پسند آگیا جو عہد عباسیہ کے دریادل گورنر یامہ جناب قثم بن عباس بن عبید اللہ بن العباسؓ بن عبد المطلب کی مدح میں کسی شاعر نے کہا تھا مطلع پسند آنے پر جولانی طبع دکھائی لسانی اعتبار سے قصیدہ بڑا لذیذ ہے ناممکن ہے ارتجالاً و فی البدیہہ ایسے پرشکوہ الفاظ میں بہم اشعار کا قصیدہ کوئی کہہ سکتا ہے۔ قصیدہ گو کے جذبات نہایت درجہ عقیدتمندانہ اور شیعیت سے بھرپور ہیں مثلاً

عمَّ البریّۃَ بالاحسان فانقلعت　　　عنہ الغیابۃ والاملاقُ والعَدَمُ

ان کا احسان مخلوق پر عام ہے اور ان سے　　　بے زری مفلسی اور ناداری جاتی رہی

من معشرٍ حُبّہم دینٌ وبُغضہم　　　کفرٌ وقربہم منجیٌ ومُعتصَم

یہ اس گروہ سے ہیں جن کی محبت دین ہے اور جن سے بغض　　　کفر ہے جن کی قربت نجات دہندہ اور پناہ ہے

ان عُدَّ اہل التقی کانوا ائمتہم　　　او قیل من خیر اہل الارض قیل ہم

اگر اہل تقویٰ کا شمار کیا جائے تو یہ ان کے امام ثابت ہوں گے۔　　　اور پوچھا جائے کہ اہل زمیں میں سب سے بہتر کون ہیں تو کہا جائیگا یہی ہیں۔

یُستدفعُ السوءُ والبلویٰ بحبّہم　　　ویستزاد بہ الاحسان والنِّعَمُ

دراز مائش کی گھڑی ان کی محبت سے ٹالی جاتی　　　اور احسان و نعمتوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے

شیعیت پرستی کے یہ خیالات اور جذبات صدر اسلام کے اس مبارک عہد میں جب خالص اسلامی عقائد اپنی تابانی سے ضوفشاں تھے نہ تو پیدا ہوئے اور نہ ان کے اظہار کی جسارت کی جا سکتی تھی۔ یہ کلام تو دوسری صدی ہجری کے بعد کے کسی شیعہ ادیب و شاعر کا ہے۔ اب اس قصیدے کے اشعار سنئے جو بروایت ہمعصر مولف کتاب نسب قریش نیز بروایت ابن سید الناس (ملخصاً) جناب قثم بن عباس بن عبید اللہ بن العباسؓ کی مدح میں ابن المولیٰ نے کہا تھا۔

هٰذا الذی تعرف البطحاء وطأته / والبیت یعرفه والحلّ والحرَمُ

یہی تو ہیں کہ سرزمین بطحا ان کے قدم پہچانتی ہے / اور کعبہ انھیں جانتا ہے بیرون حرم اور حرم بھی

کم صارخ بك مکروب وصارخة / یَدعوك یا قُثَم الخیرات یا قُثَم

بہت سے آدمی تیرا نام لیکر دہائی دیتے ہیں اور بہت سی عورتیں۔ / بھی تجھے پکارتی ہیں کہ اے نیکیاں تقسیم کرنے والے اے قثمؔ!

عتقتِ من حِلّی ومن رحلی / یا ناقُ ان اَدنیتنی من قُثم

میرا کجاوہ اتار دے تو میرے سفر والے آزاد ہو جائیگی / اے میری اونٹنی تو اگر مجھے قثم تک پہنچا دے

انك ان ادنیت منه غداً / حالفنی الیُسر ومات العَدَم

تو اگر کل مجھے ان کے (قثم) کے قریب کر دے / تو بدحالی مجھ سے دور ہو جائے اور ناداری کا خاتمہ ہو جائے۔

فی کفه بحرٌ و فی وجهه / بدرٌ و فی العرنین منه شمم

ان کے ہاتھ بحر کرم ہیں اور ان کے چہرے میں / چودھویں چاند کی چمک ہے اور ان کی ناک کے بانسے میں بلندی (یعنی بڑے شریف ہیں)۔

اصم عن قیل الخنا سمعه / وما عن الخیر به من صمم

بیہودہ باتیں سننے سے ان کے کان بہرے ہیں / مگر اچھی باتیں سننے سے انھیں کوئی گرانی نہیں

لم یدر ما "لا" وبلی قد دری / فعافها واعتاض منها "نعم"

وہ جانتے ہی نہیں کہ "نا" کہنا کیا ہوتا ہے بلی کہنا جانتے ہیں۔ / اس لئے "نا" کہنا ناپسند کیا ہے اور اس کے بدلے نعم (ہاں) لے لیا ہے

یہ قثم بن عباس قثم الخیر[1] مشہور تھے اور جود و سخا میں اپنے دادا حضرت عبید اللہ بن العباسؓ

[1] ان کے فرزند عبیداللہ تھے وہ بھی مکہ اور یمامہ کے والی رہے تھے۔

کی یاد تازہ کرنے والے تھے حاجتمند کوئی بھی خالی ہاتھ نہ جاتا ہمعصر مؤلف کہتے ہیں کہ ایک اعرابی حاضر ہوا "قثم الخیر" کہکر سوال پورا کرنے کی اپنے طرز پر ان منظوم الفاظ میں قسم دلائی جو فی الفور پوری کردی گئی۔

یا قُثَمَ الخیرِ جُزیتَ الجنّہ　　اُکسُ بُنَیّاتی و اُمَّہُنَّہ

اُقسِمُ باللّٰہِ لَتَفعَلَنَّہ

مقصود اس طویل گفتگو سے جو سطور بالا میں کی گئی ہرگز و زینہار یہ نہیں کہ جناب علی بن الحسینؓ (زین العابدین) کی مدح و ثنا میں کسی نے قصیدہ کیوں کہا، مدح و ثنا میں ان کی تو خود راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں ایک موقع پر عرض کیا تھا کہ:-

"حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) اپنے جذبات وخیالات اور فرائض ملیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداھنت سے کام نہیں لیا۔ سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں لیکن آپ ان کے دھوکے میں نہیں آئے .... جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہوجاتا ہے کہ یہ امت علی (زین العابدینؒ) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقۂ کار کی پیروی میں جتنی سعادت سمجھے درست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار"

مگر قصیدہ گو نے خلیفہ وقت کی تذلیل و تحقیر اور اپنے امام کے نسلی امتیاز و نسبی سیادت و شخصی برتری کے اظہار کے لئے جو بہانہ تراشا اور جھوٹا قصہ گھڑا ہے بطور نمونہ و مثال کے یہاں پیش کیا گیا ملّت اسلامیہ کی سربراہی سے محرومی کی وجہ سے کہ نظریہ خلافت کے مقابلے میں امامت کا نظریہ قایم کیا گیا، آئمہ کو معصوم اور ان کے منجانب اللہ تقرر کو دنیا پر خدا کے لطف و مہربانی کا مظہر بتایا گیا مگر دنیا جانتی ہے کہ ملّت اسلامیہ کے فلاح بہبود کے تعمیری کاموں میں یا اعدائے اسلام کے مقابلہ میں نیز جہاد دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ان آئمہ کا کوئی کارنامہ نہیں بلکہ خود شیعہ مولفین اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے سارے ائمہ مقہور و مظلوم و عاجز تھے نہ انھیں سیاسی اقتدار اور شوکت و دبدبہ حاصل تھا اور نہ حکومت و سلطنت انھیں مل سکی کہ جس سے وہ مخلوق کو فائدہ پہنچا سکتے۔ یہ سیاسی اقتدار اور قوت وشوکت و

دبدبہ صدر اسلام میں خلفائے راشدین کے بعد اول اموی خلفا کو حاصل تھا پھر عباسی خلفاء کو۔ دشمن اسلام قوتوں کا خلفاء ہی کے ہاتھوں استیصال ہوا۔ جناب علی (زین العابدین) ہی کے ایک ہمعصر خلیفہ الولید بن عبدالملکؒ تھے جن کی خلافت مثالی خلافت تھی اور دین و ملت کے لئے موجب فوز و فلاح۔ ان کے عہد خلافت میں نہ صرف اس علاقہ سندھ کے جواب مملکت خداداد پاکستان میں شامل ہے متعدد مقامات فتح ہوئے بلکہ چین و ترکستان و بلاد روم سے لیکر مغربی افریقہ اور اندلس کے علاقہ جات پر مسلمانوں کا تسلط ہوا ان کے زمانے کے جہادوں کو حضرت عمر الفاروقؓ کے عہد خلافت کے جہادوں سے تشبیہہ دی گئی ہے ابن کثیرؒ صرف ایک سال ۹۴ھ کی فتوحات کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

وفيها فتح الله على الاسلام فتوحات عظيمة في دولة الوليد بن عبد الملك على يدى اولاده واقربائه وامرائه حتى عاد شبيهاً بايام عمر بن الخطاب رضي الله عنه۔

(البدایہ ج ۹ ص۹۵)

اور اس سنہ (۹۴ھ) میں الولید بن عبدالملک کے بیٹوں عزیزوں اور ان کے امیروں کے ہاتوں اسلام کے لئے عظیم فتوحات بفضل الٰہی ان کی خلافت میں عطا ہوئیں حتی کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ کی فتوحات کے مشابہ ہوئیں۔

جو بیشمار روپے بے حد و حساب دولت غنائم و فتوحات سے حاصل ہوئی ملت ہی کی فلاح و بہبود پر صرف کی۔ دمشق کی جامع اموی کی بیمثال عمارت پر دس کروڑ اشرفیاں صرف کیں۔ اندھوں اپاہجوں اور جذامیوں تک کے لئے بیمارستان و اقامت گاہیں بنوائیں ہر اندھے کے لئے ایک ایک خادم مقرر کیا۔ مکہ و مدینہ میں آب رسانی کے لئے کنوئیں کھدوائے ۹۱ھ میں جب حج کے بعد مدینہ منورہ آئے مسجد نبوی میں نمازیں ادا کیں اور نماز جمعہ پڑھائی خطبہ دیا علماء و اتقیاء سے ملاقاتیں کیں اور اہل مدینہ کو سونا و چاندی بڑی مقدار میں تقسیم کی فصرف على الناس من اهل المدينة ذهبا كثيرا وفضة كثيرة (ایضاً) اہل حجاز خصوصاً مکہ و مدینہ کے باشندوں کے ساتھ اسی طرح کا حسن سلوک دوسرے خلفاء بھی کرتے رہے بیشمار رقوم خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی توسیع و تزئین کے لئے صرف کرتے تھے۔

ان واقعات تاریخ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ بنو امیہ اور بنی عباس کے ابتدائی عہد تک جمہور امت کی متفقہ تائید خلفاء کو حاصل رہی ملت کے وہ تمام عظیم تعمیری کام انجام پائے جو اسلامی تاریخ

کا سہرا باندھیں مگر اسلامی قومیت کی یکرنگی و یک عملی خصوصیت سے انحراف اسی نسلی امتیاز اور نسبی سیادت کے دعوے سے شروع ہوا اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خانہ جنگیوں سے صدیوں تک ہوتا رہا جس کا مجمل حال آپ نے ملاحظہ کیا۔ حضرت علیؓ کی فاطمی نسل کے "استحقاق" اور "خلافت" نے جسے مذہب کا رنگ دیدیا گیا تھا۔ بمرورِ زمانہ شیعہ سنی کشمکش کی اندوہناک صورت اختیار کر لی تھی اور بالآخر اسی جذبۂ عناد و ... نے بغداد کی عباسی خلافت کا تاتاری کفار کے ہاتھوں خاتمہ کرا دیا۔ مؤلف کتاب "امام ابن تیمیہؒ" صحیح لکھتے ہیں:۔

"جب تک عباسی حکومت طاقتور رہی شیعہ سنی کشمکش نمایاں اختلاف کی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکی۔ (خلیفہ) معتصم (باللہ) کے بعد عباسی خلفاء کمزور ہو گئے تھے۔ شیعہ سنی بار بار آپس میں جھگڑنے لگے تھے جس کی وجہ سے بسا اوقات بڑی خونریزی ہوتی تھی تاریخ کے صفحات اس قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ دونوں فریق کے درمیان کوئی مفاہمت نہیں ہو سکی۔ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور تمام لوگ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بغداد کی عباسی خلافت کی تباہی میں شیعوں کا ہاتھ رہا ہے خود جمال الدین بن المطہر الحلی المتوفی ۷۲۶ھ نے لکھا ہے کہ ہلاکو کے بغداد پر حملہ کرنے سے پہلے ان کے والد اور دوسرے لوگوں نے اس کو فتح و کامیابی کی خوشخبری دی تھی اور یہ درخواست کی تھی کہ حلہ و کوفہ و کربلا و نجف اور دوسرے مقدس مقامات کی بے حرمتی نہ کی جائے" (ص [illegible])

چنانچہ مولف موصوف نے جمال الدین ابن المطہر کی عبارت کا یہ طویل اقتباس بھی نقل کیا ہے کہ شیعوں کے ان مقدس مقامات کی حفاظت کا سبب جہاں تاتاریوں کے حملے سے پہلے شیعوں نے پناہ لی تھی یہ تھا کہ:۔

پدر من کہ مصنف این کتابم ......

بہ ہلاکو پیغام نوشتند پیش از گرفتن بغداد و امان خواستند پس چون بغداد را بگرفت ایشان را بطلبید ...... پس ہلاکو از پدرم

میرے والد نے کہ اس کتاب کا مصنف ہوں ....

ہلاکو کو بغداد کے لینے سے پہلے ایک پیغام لکھ بھیجا اور اس سے امان چاہی پس جب اس نے بغداد پر قبضہ کیا تو ان کو بلا بھیجا ... ہلاکو نے

پرسید کہ چوں بود مراسلت شما بہ من پیش از ایں واقعہ بغداد گرفتن وچہ گونہ بر چنیں خبر اعتماد نمودید کہ مرا بغداد خواہد مسخر شد

(ص۳۴۸)

میرے والد سے پوچھا کہ اس واقعہ سے پہلے اور بغداد کے لینے سے قبل تم لوگوں نے کیونکر میرے ساتھ خط وکتابت کی اور تمھیں اس خبر پہ کیسے اعتماد ہوگیا کہ بغداد میرا تابع ہو جائیگا۔

جمال الدین مذکور نے لکھا ہے کہ میرے باپ نے ہلاکو کے اس سوال کے جواب میں کہا تھا۔

بدرستی کہ سلطان اولیا امیرالمومنین علی علیہ السلام دربارہ شما ایں خبر فرمودہ اند کہ خواہد آمد ترک بر آخر ملوک عباسی کہ بادشاہ آں ترک از ایشاں بودہ آں از مبداء ملک ترک خواہد بود۔

(ایضاً)

بے شک سلطان اولیا امیرالمومنین علی علیہ السلام نے تمھارے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ شاہان عباسی کے آخری بادشاہ کے وقت ترک آئیں گے جن میں ان ترکوں کا بادشاہ ہوگا اور اسی سے ترکوں کی سلطنت کی ابتدا ہوگی۔

اس اقتباس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں صاف ظاہر ہے کہ تاتاری کفار کی حمایت میں غالی شیعہ ہی پیش پیش رہے تھے مسلمانوں کے مرکزی سیاسی نظام کی تباہی نسلی امتیاز کے اس جذبے کے لیئے کیا باعث تسکین ہو سکتی تھی جب کہ بغداد کے قتل عام میں ہاشمی وغیر ہاشمی اور علوی و عباسی کی کوئی تمیز نہ تھی کہتے ہیں صحیح النسب حسنی وحسینی خانوادے بھی فنا کے گھاٹ اتر گئے باقیماندہ مختلف دیار وامصار میں منتشر ہو گئے۔ بعد میں خود جمال الدین کو بھی نجف میں کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس کے اہل خاندان میں سے ایک شخص جلال الدین بھی جو "باغی" کہلاتا تھا قتل کیا گیا (عمدة الطالب ص۳۲۵) یوں بعض افراد سے انتقام لینا فضول تھا اس سے عام تباہی کا کیا مداوا ہو سکتا تھا۔ غرضیکہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں جب بغداد میں عباسی خلافت کا خاتمہ ہوگیا نقابت بنی ہاشم کا ادارہ بھی ختم ہوا۔ اسی ادارے کے ذریعہ ہاشمی خانوادے کے عباسی و علوی گھرانوں کے شجرے اور خاندانی ریکارڈ مرتب رہتے تھے بعد کے مولفین کتب انساب نے نسابین متقدمین کی کتابوں سے مطالب اخذ کیئے چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد سے صحیح وغلط کی جانچ اور مدعیان نسب کی تردید اور روک ٹوک کا ذریعہ باقی نہ رہا۔ عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں ۹۲۳ھ تک عباسی خلفا کا

جو سلسلہ قایم رہا پھر ترکی کے خلفا کا سلسلہ عثمانیہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء تک جاری رہا مگر نہ خلافت بنی ہاشم کا کوئی ادارہ پھر قایم ہو سکا اور نہ اقامت دین کا وہ فرض پورا ہو سکا جو جو حسب ارشاد نبوی حکومت (اموی و عباسی) کے لئے لازمی قرار پا گیا تھا (بخاری)

بغداد کی تباہی پر دردناک مرثیے لکھے گئے شیخ سعدی بھی یہ کہہ کہہ کر ماتم کرتے رہے

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین — بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت بر آری سر ز خاک — سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں
خونِ فرزندانِ عم مصطفٰے شد ریختہ — ہم بر آں خاکے کہ سلطانان نہادندے جبیں

مرکزی سیاسی نظامِ ملت کے تاتاری کفار کے ہاتھوں برباد ہو جانے کے ساتھ ہی بخارا سمرقند و خوارزم کے بربادی کے بعد دار الخلافہ بغداد کی تباہی سے حرمان و قنوط و یاس انگیزی کے بادل قومی فضا پر ایسے چھا گئے کہ اس اندھیرے میں متصوفہ تحریک کے چمکنے کا موقع مل گیا۔ ان کے نظریہ ولایت اور شیعیت کے نظریہ امامت میں مماثلت ہی نہیں یکسانیت ہے کیونکہ شخصیت پرستی اور مطلق العنان نسلی و نسبی امتیاز تو ان دونوں کا محور ہیں۔ صوفی لٹریچر میں یہ وضعی حدیث آب و تاب سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ معراج کی شب میں جو خرقہ گلیم سیاہ پیغمبر خدا کو دربار خداوندی سے عطا ہوا تھا سفر معراج سے واپسی پر حضرت علیؓ کو پہنا دیا پھر حضرت حسنؓ نے پہنا کہتے ہیں کہ "پیر امام حسن کو تصوف میں گہری معرفت حاصل تھی" وے را اندریں طریقت نظرے تمام بود و اندر دقائق عبارت حظے وافر" ان کے بعد باری باری ان سب حضرات نے یہ خرقہ پہنا جنہیں امامیہ اپنا امام کہتے ہیں متصوفہ نے بھی ان سب کو اپنے سلسلے میں شامل کر رکھا ہے بلاشبہ یہ سب حضرات نیک صفات و عبادت گذار تھے مگر نہ "ہو ہو" کی آوازیں بلند کرتے تھے نہ غیر شرعی مراقبے کرتے نہ حلقے باندھ کر بیٹھتے اور نہ راہبانہ زندگی بسر کرتے۔ اللہ کے اس ارشاد سے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان جتنی اشیاء پیدا کی گئی ہیں وہ سب انسان کے استعمال اور فائدہ کے لئے ہیں یہ بزرگ بھی ان نعمتوں سے جائز جائز طور سے متمتع ہوتے افزایش نسل کی غرض سے نکاح پر نکاح کرتے حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد بکثرت نکاح کئے تھے تزوج بعدها بزوجات کثیرة[1] (البدایہ ج ۷ ص ۳۳۱) حضرت

---

[1] علاوہ ان متعدد ازدواج کے جو حضرت علی کے سامنے فوت ہو گئیں تھیں یا جنہیں طلاق دیدی تھی ان کی چار نکاحی بیویاں اور ۱۹ کنیزیں ان کے وقت وفات موجود تھیں۔ اپنی اقتصادی حالت
(بقایا نوٹ صفحہ ۳۴۷ پر)

حسنؓ کے کثرتِ نکاح کا حال تو سب ہی جانتے ہیں متصوفہ کے ترکِ دنیا و رہبانیت سے ان بزرگواروں کا واسطہ نہ تھا محض اپنی تحریک عوام میں مقبول کرانے کی خاطر نسلی و نسبی امتیاز و شخصیت پرستی کے لئے متصوفہ کو اپنے سلسلہ میں ان کا شامل کرنا ضروری ہوا چنانچہ جس زمانہ کا ذکر ہو رہا ہے روحانی پیشوایت کے لئے "ولایت مآب" حضرت علی اور ان کے فاطمی نسب صاحبزادگان کی اولاد میں ہونا۔ لازمی قرار دیا گیا پھر تو نسبی امتیاز کی وہ وبا پھیلی کہ صدی ڈیڑھ صدی پہلے جو عباد و زہاد و صالحین فوت ہو گئے تھے جنھوں نے نہ فلاں ابن فلاں سے کوئی سروکار رکھا تھا نہ اپنے نسب کا اظہار ہی کیا تھا ان کے اخلاف نے بھی حسنی و حسینی نسب کو اظہار فضیلت کے لئے اور جلبِ منفعت کی خاطر ضروری سمجھا اس کے بعد سے تو یہ نوبت پہنچی کہ ہر ممتاز روحانی پیشوا کا نسباً حسنی و حسینی ہونا لازمی سا ہو گیا۔ دوسری جانب عراقی و ایرانی خاص کر غالی شیعوں نے جو کوفہ و حلہ و کربلا و نجف میں تاتاریوں سے امان پا کر مقیم تھے اور بعد میں تاتاری حکمران "خدابندہ" کے شیعہ مسلک اختیار کر لینے سے ایسی تقویت حاصل کر لی تھی کہ منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامہ نام کتاب تائید شیعیت میں تصنیف ہوئی نسبی امتیاز و تفاخر کے لئے لفظ سید کا استعمال شروع کیا اگرچہ ابتداءً علماء اور ممتاز افراد کے ناموں کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا جیسا خود شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب ہی کی تصریحات سے ثابت ہے اپنے منہ سے کوئی اپنے کو سید نہ کہتا تھا۔

برصغیر ہند میں عربوں کی آمد و بود و باش اموی عہد سے شروع ہوئی، ثقفی و تمیمی و نبی مغیرہ وغیرہ کے علاوہ بعد میں بعہد عباسی دیگر انصاری و قریشی گھرانوں میں سے عباسی و علوی صدیقی و فاروقی وغیرہ خاندان آباد ہوئے کسی نے اپنے کو نسباً "سید" یا "شیخ" نہ کہا۔ پھر کئی صدی بعد ترکستان

(بقایا نوٹ صفحہ ۳۴۶ کا) کے لحاظ سے اکثر قریشی و ہاشمی کئی کئی نکاح کرتے اور کنیزیں رکھتے خود حضرت علیؓ ہی کے پروتے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی سند ہے جاحظ نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ثابت ہے کہ متصوفہ کی رہبانیت سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا وہ فرماتے تھے ۔

قال علی بن ابی طالب خصصنا بخمس فصاحۃٍ وصباحۃٍ وسجدۃٍ وحظوۃٍ یعنی عند النساء۔ (البیان والتبیین ج صـ۹۹)	علیؓ بن ابی طالب نے کہا کہ پانچ باتوں میں ہمیں خصوصیت ہے فصاحت میں گوری رنگت میں فراخ دلی میں دلیری میں اور (صنف نازک سے) خوشی حاصل کرنے میں۔

ماوراءالنہر و خراسان و عراق و ایران وغیرہ سے لوگ خصوصاً پندرہ شاہزادے سلطان بلبن کے زمانہ میں بقول صاحب تاریخ فرشتہ آسیب سپاہ چنگیزیہ سے بچ کر ہندوستان آئے سلطان نے ان کی حسب مراتب عزت و توقیر کی ان میں سے دو جو خلفائے عباسی کی اولاد سے تھے بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھتے تھے۔ "دو پادشاہ زادے کہ بر پائے تخت می نشستند وآں ہر دو از اولاد خلفائے عباسی بودند" ان سب کی سکونت کے لیے دہلی میں پندرہ محلے قائم ہوئے محلہ عباسی، محلہ علوی و محلہ سنجری وغیرہ حسب تصریحات کتب تاریخ مخدوم زادہ و شیخ و سردار و سید الفاظ احترام و تعظیم کے لئے اس زمانہ میں استعمال ہوئے نہ اظہار نسب میں۔ ہندو قوم تو چار ذاتوں میں جنھیں چار برن کہتے ہیں منقسم ہوئی برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ برہمن کا رتبہ سب سے اعلیٰ قرار پایا۔ کہا گیا کہ برہمن کی پیدائش برہما کے منہ سے، چھتری کی بازو سے، ویش کی ران سے اور شودر کی پیر سے تھی۔ پھر ان چاروں ذاتوں کی بے شمار گوتیں ہیں۔ پنجاب و سندھ میں مسلم اقوام کی سکونت تو غزنوی عہد سے ہوئی لیکن سلطان معز الدین محمد سام نے ساتویں صدی ہجری کے شروع میں جب ملک کا بیشتر حصہ فتح کر لیا باہر ملکوں کے آئے ہوئے مسلمان جن میں ترک و تاجیک کا عنصر غالب تھا اور عربوں کا جزو قلیل مختلف اقطاع ملک میں متوطن ہوتے گئے ہندی عورتوں کے بکثرت زوجیت میں آنے سے ان غیر ہندی مسلمانوں کی جو نسل پیدا ہوئی پھر مختلف ذاتوں کے ہندو دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے ان کے میل جول طور طریق اور رسوم کا اثر مسلم معاشرے پر پڑتا گیا مسلمانوں میں بھی شیخ، سید، مغل، پٹھان ذاتیں بننے لگیں۔ برہمن کی جگہ سید نے لی اور شیخ میں وہ سب نو مسلم شامل ہوئے جو ویش اور شودر ذاتوں سے تھے چھتری و ٹھاکر مسلمان ہو کر خطاب خان سے سرفراز ہوئے۔ عربی و فارسی کے یوں تو متعدد الفاظ ہیں جن کی عوامی بول چال میں قلب ماہیت ہو گئی مثلاً خلیفہ لفظ خلف سے ہے جس کے معنی پیچھے آنے کے ہیں رسول خدا کے جانشین خلیفہ کہلائے یہاں یہ لفظ جو اظہار بزرگی کے لئے تھا عام طور سے حجام و درزی وغیرہ پیشہ وروں کے لئے مستعمل ہے فارسی لفظ مہتر کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں یہاں خاکروب کے لئے مستعمل ہے۔ سید کی طرح شیخ بھی عربی میں بزرگ و محترم و سردار اور بوڑھے و سن رسیدہ نیز مشہور عالم و درویش کے لئے مستعمل ہے نسل و قوم اور نسب و خاندان کے اظہار میں اہل زبان نے نہ کبھی استعمال کیا اور نہ اب کرتے ہیں اس ملک میں شیخ و شیخزادہ ذاتیں کہلانے لگیں یہی کیفیت فارسی لفظ پیر کی ہوئی جو بوڑھے اور بزرگ کے معنی میں ہے۔ متصوفہ نے شیخ طریقت کو پیر طریقت کہا۔

بمرور زمانہ پیر و پیرزادگان و پیرزادہ و پیرجی خاندان اور نسب کے اظہار میں مستعمل ہونے لگے۔ میر بھی فارسی لفظ ہے شاہ و شاہزادہ و سردار و سربراہ و قائد کے معنی میں مستعمل ہے بلوچی سردار میر کہلانے۔ عہد مغلیہ کے مختلف عہدوں کے ناموں میں میر شامل تھا جیسے میر عدل، میر عرض، میر ساماں و میر بکاول وغیرہ۔ ایران میں یہ لفظ صفویوں کے عہد سے ہاشمیوں کے لئے مستعمل ہونے لگا وہیں سے یہ بدعت اس ملک میں بھی آئی اردو کے مشہور شاعر میر نے تخلص ہی اپنا میر رکھا خاندان کا حال تو ان کے صحیح صحیح معلوم نہیں نہ خود نوشت سوانح عمری میں انھوں نے اس کا ذکر کیا اپنے کو البتہ سید کہتے تھے، آزاد کہتے ہیں شرفائے اکبر آباد سے تھے اپنے باپ کو بتاتے ہیں ایسے درویش تھے کہ حاکم شام (حضرت امیر معاویہؓ) کا نام مدت العمر زبان پر نہ لائے۔ متصوفہ کے اثرات ان پر بھی غالب رہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں غلو اس درجہ تھا فرماتے ہیں۔

مسکن علی نگر ہے مرا میں علی پرست — پیغمبر اس جگہ کا علی ہے خدا علی
یعنی کہ ذات پاک ہے اس کی خدا کی ذات

یہ پہلا عقیدہ تو نصیری کا تھا جس کے متبعین میں کوئی صحیح النسب ہاشمی علوی کبھی نہ تھا۔ راقم حروف کو اپنے ملک و دیار کے صحیح النسب علوی حسنی و حسینی امراء و علماء و فضلاء کے بے شمار کتبات، شجروں اور نوشتوں کے مطالعہ کا اکثر موقع ملا جو تین چار سو برس پرانے اور اس کے بعد کے تھے یہ بزرگ خود اپنے قلم سے اپنے کو سید و میر نہیں لکھتے تھے نسب کا اظہار علوی و حسنی و حسینی سے کرتے بزرگوں کے ناموں میں البتہ لکھتے یا مخاطب کو احتراماً سید کہتے۔ عرب ممالک میں تو غیر مسلم معزز شخص کو بھی احتراماً سید کہتے ہیں جیسے سید جواہر لال نہرو یا سید چواین لائی۔ ہاشمیوں سے شریف و سید مخصوص کرنے کی بدعت پانچویں صدی سے شروع ہوئی جس کا تفصیلی تاریخی حال آپ پڑھ چکے ہیں مولف مناجۃ الطرب کا یہ بیان مطابق واقعہ ہرگز نہیں کہ اسلام کے بعد ہی سے شرف عربی بنی ہاشم سے مخصوص ہو گیا تھا اما بعد الاسلام فقد انحصر الشرف العربی فی سلالۃ الہاشمیۃ یہ تو صدیوں بعد کی بات ہے شریف اور سید مترادف المعنی ہیں السید والشریف معروف (لسان العرب) اس لئے ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ابھی کوئی ہاشمی شریف نہیں کہلایا جس پر اطلاق لقب سید کا نہ ہوتا ہو مگر قریشی اور غیر قریشی سب ہی معزز اشخاص کے لئے یہ لقب ابتداء میں احتراماً استعمال ہوتے تھے نہ اظہار نسب اپنے ہی منہ سے اپنے کو سید کہنا اور نام میں پیر و سید شامل کرنا نسلی امتیاز و تفاخر نسبی ہی کے جذبے سے ہے جس میں ایک زمانہ تھا کہ یہ حقیر فقیر بھی مبتلا رہا تھا ہاشمی سیادت کے سلسلہ میں صفحے کے صفحے اپنی بعض تالیفات میں سیاہ کئے اب آخر عمر میں کتاب اہل البیت و آل محمد کی تالیف کے دوران سیادت نسبی کی حقیقت منکشف ہوئی۔ اپنے ہاشمی عزیزوں سے عرض ہے۔

[illegible]

قطعہ تاریخ طباعت

از قلم حضرت علامہ تمنّا عمادی زید مجدہٗ
مقیم ڈھاکہ

میزان میں عمل ہی صرف تُلینگے محشر میں — اس میں نہ رکھا جائیگا کبھی پاسنگِ نسب
نخوت، کینہ، تحقیر و تعصب جنگ و جدل — لاتا ہے ہمیشہ رنگ نیا نیرنگِ نسب
ڈرتا ہوں کھلائے بیٹھے بٹھائے گُل نہ کوئی — سُنتا ہوں کسی مجلس میں اگر کلبانگِ نسب
سب علم و عمل کے طالب ہیں سُنتا ہے کون؟ — یوں بیٹھے بجاتے لاکھ رہو تم چنگِ نسب
ہر فضل و کمال اک مُسلم کا ہے تقویٰ میں — اربابِ وفا بھرتے نہیں ایں ہیں ترنگِ نسب
دیوانِ عمل میں "ابنِ فلاں" کا ذکر کہاں ؟ — ریکارڈ میں ایمان کے نہ بھرو آہنگِ نسب
یہ یاد رکھو اعمال کی جب پُرسش ہوگی — کام آئیگا محشر میں نہیں عذرِ لنگِ نسب
نازک ہے بہت یہ آئینہ ہو جائیگا چور — تم شیشۂ تقویٰ سے نہ لڑاؤ سنگِ نسب
ابلیسِ لعین کا نعرہ تھا انا خیر منہ — تم بھی نہ یہ کہہ کے لڑاؤ آپس میں سنگِ نسب
علامہ عباسی نے لکھی کیا خوب کتاب — یہ کتاب نہیں کہئے اس کو فرہنگِ نسب
تحقیق و ریسرچ عہ اس طرح کرتے ہیں عُلماء — سب لکھ ڈالا از رنگِ نسب تا سنگِ نسب
تاریخ و سیر کے سارے مرقع ہیں اس میں — حق ہے جو کہوں اس کو نقشِ ارژنگِ نسب

تاریخ طباعت کی ہے تمنّا فکر اگر
لکھ "فخرِ نسب اے اہلِ زمن ہے ننگِ نسب"

سنہ ۱۳۰۳ھ

عہ انگریزی کے جو الفاظ مصطلح عرفی یا علم کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو فارسی ترکیب میں عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ لانا جائز ہے خصوصاً جو الفاظ خود اہل ایران بھی استعمال کرتے ہیں۔

تمنّا عمادی غفرلہٗ